سلسلۂ دار المصنفین

۱۳

روح الاجتماع

یعنی

ڈاکٹر لیبان فرانسیسی کی کتاب "جماعتہائے انسانی کے اصولِ نفسیہ" کا اردو ترجمہ

از

مولانا محمد یونس انصاری فرنگی محلی (مرحوم)
رکن دار المصنفین

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی
مطبع معارف شہر اعظم گڈھ میں چھپی۔
سنہ ۱۹۲۶ء
(طبع ثانی)

فہرست فصول و ابواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

ا- پیش نظر کتاب مشہور فرنچ مصنف **موسیو لیبان** کی کتاب "روح الاجتماع" (یعنی جماعتہاے انسانی کے اصول نفسیہ) کا ترجمہ ہے، **موسیو لیبان** ہندوستان کے لئے کوئی اجنبی مصنف نہین ہین ان کی کتابین تمدن عرب، تمدن ہند، اور انقلاب الامم، اُردو مین ترجمہ ہو کر ملک مین شایع ہو چکی ہین، ہماری یہ کتاب اسی سلسلہ کی چوتھی کڑی ہے،

۲- ہندوستان مین اگرچہ انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ اپنے تئین یوروپین علوم و فنون کے خزانہ کا کلید بردار سمجھتا ہے لیکن ہندوستان کے عربی تعلیمیافتہ طبقہ کو مسلمانان مصر کا ممنون ہونا چاہیے کہ وہ اپنی مادری زبان عربی مین یورپ کی بعض جدید تصنیفات کا ترجمہ جو کرتے رہتے ہین، ان سے ہندوستان کا عربی دان طبقہ بھی اپنی قدیم عزت و وقار کو برقرار رکھنے کے لیے کبھی کبھی مواد حاصل کرتا رہتا ہے،

مصر و ہندوستان گو ایک ہی گورنمنٹ کے زیر اثر اور ماتحت ہین، اور تقریباً دونون ملکون

حاصل یہ ہے کہ گویہ ترجمہ دراصل عربی کتاب سے کیا گیا ہے، لیکن تصحیح اور نظر ثانی انگریزی ترجمہ سے کی گئی ہے، اور اس اعتبار سے گویا یہ سمجھنا چاہئے کہ اب یہ ترجمہ اپنی موجودہ شکل مین بجائے عربی کتاب کے انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے،

۴- موجودہ دور مین ہندوستان کے مسلمانون کی قوم مین لیڈرون کی جو بہتات ہے، اور ہماری قوم کے نوجوانون کو مقتدی بننے کے بجائے مقتدا بننے کا جو شوق ہے، غالباً اس راہ مین ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ از حد مفید ہوگا، کسی جماعت کے "قائد" بننے سے پیشتر اپنے مین قیادت کی صلاحیت پیدا کرنا چاہئے، قومون کے قائد عموماً اپنی فطرت سے قائد پیدا ہوا کرتے ہین، اور ان کی زندگی کا مقصد ہی گویا یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی جماعت کے قائد بنین، لیکن ہماری قوم مین روزمرہ جو مصنوعی قائد پیدا ہوا کرتے ہین، ان کے لئے کیا اس کی بھی ضرورت ہنین کہ قائد بننے سے پیشتر کم از کم ان علمی اصول کی تعلیم تو حاصل کرلین جو مختلف قائدین کے حالات سے مستنبط ہین؟!

محمد یونس

فرنگی محل، لکھنؤ، ۳۱ جنوری ۱۹۳۱ء،

مقدمۂ مترجم

(۲)

۱۔ انسان کے تمام دماغی اور نفسانی حالات کو ایک ایک کرکے دیکھ جاؤ نفس انسانی کے ہر مظہر اور ہر ہر شعبہ مین تم کو گوناگون اور تغیر پذیر کیفیات نفسانیہ کا جلوہ نظر آئے گا، احساسات و شعور خیالات و تصورات، عواطف و جذبات اور ارادہ یہ چار قسم کی کیفیتین انسان کی دماغی حیات کی کل کائنات ہین، اور ان کے علاوہ جتنی کیفیتین ہین وہ یا ان ہی کی مظہر ہین اور یا ان سے حاصل کرتی ہین لیکن افراد انسانی کی ان نفسانی کیفیتون کا اظہار اکثر اس وقت ہوتا ہے جب مخصوص ماحول اور مخصوص علتون کے ماتحت دماغی قویٰ اپنے اپنے فرائض انجام دیتے ہین، انسان کی کیفیت وقوفی اور حالت شعوری ایک خارجی ماحول اور مخصوص مہیجات بیرونی کی محتاج ہے، کہ جب تک یہ بیرونی مؤثر مخصوص خارجی حالات کی موجودگی مین اعصاب حس کو متاثر نہ کرے اس وقت تک انسانی کیفیت وقوفی کا ظہور ہی نہین ہوسکتا، اسی طرح جذبات اور تصورات بھی اپنے اپنے وجود کیلئے مخصوص حالات خارجی اور مہیجات بیرونی کے محتاج رہتے ہین، اور ان سب کیفیات نفسانی سے انسان کی نفسانی زندگی کی تشکیل ہوتی ہے، ہر انسان کو اپنی روزانہ زندگی مین مختلف بیرونی مہیجات اور مؤثرات سے سابقہ پڑتا ہے، اور یہ بیرونی مہیجات اعصاب حس کے ذریعہ سے انسان کے نفسانی کیفیات مین گوناگون تغیر کرتے رہتے ہین، اور چونکہ انسان کی نفسانی زندگی کا خمیر ان ہی مختلف اور تغیر پذیر

انفرادی کے اندر منٹون اور گھنٹون مین فرق ہوتا ہے اور حیات اجتماعی صدیون کے بعد متغیر ہوتی ہے
اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ حیات انفرادی کے تغیر کے لئے جن خارجی مہیجات کی ضرورت ہوتی ہے
وہ بھی گو اپنی ترکیب مین پیچیدہ ہوتے ہین لیکن انسان کی حیات اجتماعی پر جو خارجی مؤثرات
اثر کرتے ہین وہ بے انتہا ہوتے ہین اور اس کے ساتھ انکی ترکیب بھی اتنی پیچیدہ ہوتی ہے کہ ان
سب کے متواتر عمل کرنے کے لئے ایک مدت درکار ہوتی ہے،

لیکن یہ مختلف عوامل اور مہیجات جو کسی ہیئت اجتماعی پر اثر کرتے ہین، انکی تحدید دو قسم کے
مہیجات مین کی گئی ہے بعض مہیجات تو وہ ہین جن کا تعلق خود ان افراد کے اندرونی حالات اور خود
افراد کے ذاتی کیرکٹر اور افراد کی ذاتی فطرت سے ہوتا ہے جماعت کے اِن اندرونی مہیجات
کی حقیقت سمجھنے کے لئے یہ پیش نظر کرلینا بھی ضروری ہے، کہ انسان کی ہیئت اجتماعی کا نظام
تمامتر مبنی ہوتا ہے انسان کی قوت تقلید، اور اس کی اثر پذیری پر حیات اجتماعی کی اگر کوئی دقیق
سے دقیق تشریح کی جائے تو اس کا حاصل بجز اس کے کچھ نہ نکلے گا کہ حیات اجتماعی نام ہے افراد کی
اثر پذیری اور افراد کی تحدید حریت اور رفنا شخصیت کے مجموعہ کا سوسائٹی مین داخل ہو کر سوسائٹی
کا ہر فرد دوسرے افراد سے متاثر ہوتا ہے، اور اسی نسبت سے وہ دوسروں کو اپنے سے متاثر کرتا ہے
اور افراد کی ذاتی شخصیتیں اجتماعی مقاصد کے اندر فنا ہو جاتی ہیں، فطرت انسانی کا یہ باہمی
فعل و اثر سوسائٹی کے اندرونی حالات میں تغیر کرتا ہے، اس کے بعد اس مجموعہ پر چند اور خارجی
مؤثرات اپنا عمل کرتے ہیں، مخصوص آب و ہوا مخصوص ماحول، آبا و اجداد کے موروثی اثرات
ملک کی فطری بوقلمونی اور مختلف مناظر فطرت، غرض وہ تمام خارجی حالات جن میں انسان
کی کوئی سوسائٹی بسر کر رہی ہو وہ سب ملکر انسانی جماعت پر اپنا اثر کرتے ہیں، اور ان
تمام اندرونی اور بیرونی مؤثرات کا مجموعہ اپنے فعل و اثر سے سوسائٹی کے ان تمام کیفیات

اجتماعی اور مظاہر نفسانی کی تشکیل کرتا ہے جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، لیکن ان تمام اندرونی اور بیرونی مؤثرات کا جو اثر افراد انسانی کے مجموعہ پر ہوتا ہے وہ اس طرح نہیں ہوتا کہ کوئی خاص مؤثر کسی خاص کیفیت اجتماعی پر اثر کرے، اور دوسرا خاص مؤثر دوسری کیفیت اجتماعی پر، بلکہ مؤثرات کا پورا مجموعہ کیفیات اجتماعی کے پورے مجموعہ پر ایکبارگی اثر کرتا ہے، اور اس بنا پر گو کیفیات اجتماعی میں ہم ہر ہر مؤثر کے علیحدہ علیحدہ نشانات تو نہیں بتا سکتے لیکن اگر ہم عہد قدیم کی کسی خاص سوسائٹی کے پورے حالات کا علم رکھتے ہوں، نیز موجودہ زمانہ میں اس سوسائٹی کے جو حالات ہیں ان سے بھی ہم کو پوری واقفیت ہو تو زمانہ گذشتہ اور زمانہ موجودہ کے حالات کا باہمی مقابلہ کرنے سے ان حالات کے اندر ہم ایک عجیب ربط و نظام پاتے ہیں جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جس طرح حیات انفرادی میں انسانی حیات کا ہر متاخر لمحہ اپنے پیشرو لمحہ سے علیت و معلولیت کا تعلق رکھتا ہے، اسی طرح حیات اجتماعی کے تمام منتشر اجزا بھی علیت کی ایک لڑی میں باہم منسلک ہیں، اور یہ پورا مجموعہ ایک عجیب حیرت انگیز ربط و نظام کا پتہ دے رہا ہے جس کی علامتیں عالم کے تمام مظاہر وجود میں ہم کو عیاں نظر آتی ہیں پس انسان کی مختلف کیفیات اجتماعی میں سے ہر کیفیت اجتماعی کی علت قریبہ وہ کیفیت اجتماعی ہوتی ہے جو اس کیفیت اجتماعی کے پیشتر گذر چکی ہے، اور اسی طرح سلسلہ وار تمام کیفیات اجتماعی اپنے سے مقدم کیفیات اجتماعی کی معلول اور اپنے سے متاخر کیفیات اجتماعی کے لئے علّت ہوتی ہیں،

غرض وہ خارجی حالات جن میں انسان کی کوئی سوسائٹی زندگی بسر کر رہی ہو جب اپنے قوانین کے مطابق جماعت کے اندرونی مؤثرات کے ساتھ ملکر جماعت پر اثر کرتے ہیں، اس وقت کسی خاص ہیئت اجتماعی کی تشکیل ہوتی ہے جو مخصوص کیفیات اجتماعی اور مخصوص لوازم تمدن

کی پیدائش کی باعث ہوتی ہے، لیکن جس طرح فطرت کے اور دوسرے مظاہر کائنات میں
"عمل" اور "ردعمل" دو برابر کی قوتیں ہوتی ہیں جو علی التواتر اپنا اثر کرتی ہیں، اسی طرح انسان کی
حیات اجتماعی بھی "عمل" اور "ردعمل" دو برابر کی قوتوں کی رزمگاہ ہے، جہاں یہ دونوں قوتیں
متواتر اپنا عمل کرتی ہیں، ہیئت اجتماعی کے بیرونی مؤثرات، یا بالفاظ دیگر وہ خارجی حالات
جن میں انسان کی کوئی جماعت زندگی بسر کر رہی ہو، افراد انسانی پر اپنا عمل کرتے ہیں، لیکن افراد
انسانی کی فطرت میں خود اس طرح کی لچک پائی جاتی ہے کہ جہاں وہ خارجی ماحول سے اثر
پذیر ہوتی ہے، وہاں دوسری طرف وہ خود اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق کسی خارجی ماحول
کو تلاش کر کے خود اس پر اپنا اثر کرتی ہے، خارجی مؤثرات انسانی فطرت کو اپنے رنگ میں رنگتے
ہیں اور انسانی فطرت خارجی مؤثرات کو وجود میں لاتی ہے اور اس طرح "عمل" اور "ردعمل"
دو مساوی قوتوں سے اثر پذیر ہو کر اجتماع انسانی ترقی کی جانب قدم بڑھاتا ہے، لیکن یہ ترقی
ہمیشہ اسی طرح ظہور پذیر ہوتی ہے، کہ بیرونی مؤثرات اندرونی مؤثرات سے ٹکر کھاتے ہیں، اور
اندرونی مؤثرات بیرونی مؤثرات سے اور دونوں کے فعل و اثر سے ایک جدید ہیئت اجتماعی
کا وجود ہوتا ہے جو اگلی ہیئت اجتماعی سے بالکل مختلف ہوتی ہے، اور ان دو سوسائٹیوں
کے درمیان جو زمانہ باہمی فعل و اثر میں گذرتا ہے وہ گویا ان دونوں کے درمیان اتصال
پیدا کرتا ہے جس میں بوڑھی قومیں مٹتی اور نوجوان قومیں ابھرتی ہیں، اور اس طرح قدرت
اقوام عالم کو مٹا بڑھا کر ارتقائے تمدن و تہذیب کا فرض انجام دیتی ہے یہ ہے انسانی ہیئت
اجتماعی کا وہ فرض جس کو دنیا کی مختلف قومیں اپنی اپنی بساط کے موافق انجام دیتی ہیں
اور اپنے بعد والی قوموں کے لئے چھوڑ جاتی ہیں،

غرض انسانی ہیئت اجتماعی کے مختلف تغیرات پر عمیق نظر ڈالنے سے ہم کو نظر

آتا ہے کہ:۔

(۱) انسان کی تہذیب وتمدن کی ترقی کا بڑا دارومدار ان خارجی اور اندرونی مؤثرات کے عمل اور ردعمل پر ہوتا ہے، جو انسان کی ہیئت اجتماعی پر اپنا اثر کرتے ہیں،

(۲) ان مختلف مؤثرات کا یہ باہمی تاثر وتفاعل ان مختلف کیفیات اجتماعی کی پیدائش کا باعث ہوتا ہے، جو مختلف اوقات میں پیدا ہوتی اور مٹتی رہتی ہیں،

(۳) تغیرات کا یہ پورا سلسلہ چند قوانین فطری کی بنا پر عمل میں آتا ہے، جو قوموں کی ترقی و انحطاط میں بہت بڑا اثر رکھتے ہیں،

پس انسان کی ہیئت اجتماعی کے مختلف تغیرات، اور ان تغیرات کے مختلف علل واسباب سے جس علم میں بحث ہوتی ہے، اس کا نام "**علم الاجتماع**" ہے، قوموں کے مختلف تغیرات، قوموں کی ترقی وتنزل کے قوانین نفسی، کیفیات اجتماعی کی حقیقت، اور ان مختلف کیفیات اجتماعی کے علل واسباب کی جستجو، قوموں کے حالات میں جو بیرونی مؤثرات تغیر پیدا کرتے ہیں ان کی تحدید اور ان کا تعین، ان تمام مسائل سے بحث کرنا علم الاجتماع کا فرض ہے، قوموں کی ترقی وتنزل کے کیا اسباب ہوتے ہیں؟ قوموں کے لوازم تمدن میں کس طرح تغیر ہوتا ہے؟ قوموں کے اختلاط و امتزاج کے کیا کیا اسباب ہوتے ہیں؟ خارجی مؤثرات کتنے ہیں ان کی کیا نوعیت ہے؟ قوموں پر انکا کیا اثر ہوتا ہے؟ یہ اور اسی قبیل کے دیگر سوالات علم الاجتماع کے حدود میں داخل ہیں، علم تاریخ اور علم الاجتماع میں فرق یہ ہے کہ علم تاریخ میں واقعات ماضیہ کے جزئیات سے بحث کی جاتی ہے، اور علم الاجتماع میں ان جزئی واقعات سے بحث نہیں ہوتی، بلکہ وہ ان واقعات پر یکجائی نظر ڈال کر انسانی ہیئت اجتماعی کے تغیرات کے علل واسباب سے بحث کرتا ہے،

(۳) لیکن انسانی ہیئت اجتماعی کے مختلف تغیّرات کے علل قریبہ و بعیدہ سے مہذب ممالک میں جن بہترین دماغوں نے بحث کی ہے، انھوں نے بحث کرنے کے دو طریقے اختیار کیے ہیں، اور یہ دونوں طریقے وہی ہیں جو عموماً مختلف مصنّفین دوسرے علوم میں بھی اختیار کرتے ہیں، مثلاً علم طب کو لو، علم طب سے بحث کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے، کہ اغذیہ انسانی اور اغذیہ کے طبعی عمل، اور ہر ہر عضو کے قوانین صحت و قوانین مرض سے قطع نظر کرکے صرف اس بات سے بحث کی جائے، کہ فلاں فلاں مرض میں کون کون سی دوائیں مفید ہیں، اور فلاں فلاں مرض میں کون کون دوائیں مضر ہیں، اس طریقۂ بحث سے صرف دواؤں کی خاصیتوں کا علم ہوتا ہے، اور کسی مرض کو مان کر صرف اس مرض کے طرق ازالہ سے بحث کی جاتی ہے، اس سے بحث نہیں ہوتی کہ یہ مرض پیدا کس طرح ہوا؟ اس مرض کے علامات کیا ہیں؟ اسباب کیا ہیں؟ پھر خود قوانینِ صحت و قوانین مرض کیا ہیں؟ غذا کا ہر ہر عضو پر کیا اثر ہوتا ہے؟ ان مباحث سے اس صورت میں بالکل بحث نہیں ہوتی، بخلاف اس کے دوسرا طریقۂ بحث جو ہے، وہ یہ ہے، کہ دواؤں کا اثر بتانے سے پیشتر اس بات سے بحث کی جائے کہ اعضاے انسانی کے وظائف عمل کیا کیا ہیں؟ ہر ہر عضو کی حالت صحت و حالت مرض کے حدود کیا ہیں؟ اعضاے انسانی میں کن کن اسباب سے مرض پیدا ہوتے ہیں؟ ان امراض کے علامات کیا ہوتے ہیں؟ انسانی غذا کی حقیقت کیا ہے؟ اعضاے انسانی پر غذا کا کیا اثر ہوتا ہے؟ امراض کو ادویہ اور اغذیہ سے کیا تعلق ہے؟ ادویہ کی کیفیت و کمیت سے مرض پر کیا اثر پڑتا ہے؟ غرض یہ اور اسی قبیل کے دیگر مسائل جو انسان کے حالات صحت و مرض کے اسباب کا انکشاف کریں اس دوسرے طرز میں ان سے بحث کی جاتی ہے، اور یہ دوسرا طرز پہلے طرز سے زیادہ عام و شامل اور جامع مانع ہے،

بعینہ اسی طرح انسانی ہیئت اجتماعیہ سے بھی بحث کرنے کے دو طریقے ہیں، پہلا طریقہ یہ ہے کہ ایک مخصوص ماحول فرض کرکے مخصوص کسی ہیئت اجتماعیہ کے متعلق یہ سوال کیا جائے کہ ان حالات کے اندر اس ہیئت اجتماعی پر فلاں واقعہ یا حادثہ کا کیا اثر پڑیگا، روس کے موجودہ حالات میں انقلاب روس ملک کے لئے مفید ہے یا نہیں؟ ہندوستان کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے ہوم رول ہندوستان کے لئے مفید ہوگا یا مضر؟ چینی قوم کے موجودہ حالات کے لحاظ سے وہاں شخصی حکومت زیادہ بکار آمد ہوگی یا جمہوریت؟ یہ اور اسی قبیل کے دیگر مسائل جن میں ہیئت اجتماعی کی ایک خاص حالت فرض کرکے مستقبل کے نتائج یا ان نتائج کی علتیں دریافت کی جائیں ان سے بحث کرنا یہ ایک طرز ہے،

دوسرا طرز یہ ہے کہ بجاے اس کے، کہ پہلے ہیئت اجتماعی کے مخصوص حالات فرض کرکے یہ بات دریافت کی جائے کہ فلاں واقعہ کا قوم پر کیا اثر ہوگا؟ یا ان حالات کے اندر فلاں واقعہ کی علت کیا ہے؟ بجائے اس کے پہلے اس بات سے بحث کی جائے کہ ہیئت اجتماعی پر جو مؤثرات اثر کرتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ خود مخصوص خارجی حالات کس طرح پیدا ہوتے اور قوم پر کس طرح اثر کرتے ہین؟ اس دوسرے طریقہ میں یہ سوال نہیں ہوتا کہ فلاں فلاں حالات میں ہیئت اجتماعی پر فلاں فلاں واقعہ کا کیا اثر پڑے گا بلکہ سوال یہ ہوتا ہے کہ ہیئت اجتماعی کے لئے یہ مخصوص حالات خود کس طرح پیدا ہوئے؟ مظاہر تمدن اور کیفیات اجتماعی کو کن مختلف اسباب نے پیدا کیا ہے؟ پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر انسان کی حیات اجتماعی کی غرض معین کیا ہے؟ اور یہ غرض حاصل کس طرح ہوتی ہے؟ قوموں کے قوانین نفسی کیا کیا ہیں جو قوموں کے حالات میں تغیر کرتے ہیں؟ علم الاجتماع سے بحث کرنے کا یہ دوسرا طریقہ ہے، جو پہلے طریقہ سے

زیادہ عام و شامل اور پہلے طرز سے زیادہ مقبول ہے، اور زمانۂ حال کے جن فلاسفہ نے علم الاجتماع سے بحث کی ہے، اُنھوں نے عموماً یہی طرز اختیار کیا ہے، انگلستان میں مسٹر بکل نے سب سے پہلے تمدن انسانی کی تاریخ اسی طرز پر لکھی، اور لیبان نے بھی اپنی کتاب "انقلاب الامم" میں علم الاجتماع سے اسی طرز کے مطابق بحث کی ہے، غرض علم الاجتماع سے بحث کرنے کے عموماً یہ دو طرز ہیں جو فلاسفہ نے اختیار کئے ہیں، لیکن ان میں سے دوسرا طرز زمانۂ حال میں زیادہ مقبول ہے،

یہاں تک سلسلۂ بحث میں ہم نے جتنے منازل طے کئے ہیں، ان کو یکجا طور پر ایک مرتبہ پیش نظر کر لو:-

(۱) انسانی زندگی کی دو قسمیں ہیں، ۱- حیات انفرادی سے متعلق جتنے علوم ہیں ان میں سے علم النفس میں ان مختلف تغیرات اور تغیرات کے علل و اسباب سے بحث ہوتی ہے جو انسان کی ذہنی دنیا میں پیدا ہوتے ہیں اور ۲- حیات اجتماعی سے متعلق جتنے علوم ہیں، ان میں سے علم الاجتماع میں ان مختلف تغیرات اور تغیرات کے علل و اسباب سے بحث ہوتی ہے، جو انسان کی ہیئت اجتماعیہ میں مختلف اوقات میں پیدا ہوتے ہیں،

(۲) علم الاجتماع میں جن مسائل سے بحث ہوتی ہے، وہ مختصراً حسب ذیل ہیں،

۱- انسانی اجتماع پر کون کون خارجی اور اندرونی مؤثرات اثر کرتے ہیں؟

۲- انسان کے کیفیات اجتماعی یا بالفاظ دیگر لوازم تمدن کس طرح پیدا ہوتے ہیں؟

۳- ان لوازم تمدن اور مختلف کیفیات اجتماعی کے اندر تغیر و انقلاب کس طرح اور کن اصول پر پیدا ہوتا ہے؟

غرض وہ تمام امور جن کا تعلق انسان کی اجتماعی زندگی سے ہے، ان سے علم الاجتماع میں بحث کی جاتی ہے،

(۳) لیکن علم الاجتماع سے فلاسفہ نے عموماً دو طرز پر بحث کی ہے، اوّل یہ کہ چند مخصوص خارجی حالات کے اندر مختلف واقعات و حوادث کا جو اثر ہیئت اجتماعی پر ہوتا ہے، اس کے علل و اسباب دریافت کرنا، دوسرے یہ کہ خود ان خارجی حالات و مؤثرات کی حقیقت اور ان کی پیدائش کے علل و اسباب سے بحث کرنا،

یہ علم الاجتماع کا ایک ہلکا سا خاکہ ہے، جو صفحات بالا میں بالاجمال درج کیا گیا،

(۲)

۱۔ صفحات بالا میں علم الاجتماع کا جو ایک ہلکا سا خاکہ کھینچا گیا، اس سے غالباً علم الاجتماع کی حقیقت تو خوب ذہن نشین ہو گئی، اور یہ بھی معلوم ہو گیا، کہ مختلف فلاسفہ نے علم الاجتماع سے بحث کرنے کے کیا کیا طریقے اختیار کئے ہیں،

لیکن بیانات بالا کے مطالعہ سے غالباً ناظرین کو یہ بھی معلوم ہوا ہو گا، کہ علم الاجتماع کو انسان کی نفسانی حیات اجتماعی کے ساتھ وہی نسبت ہے، جو انسان کی فزیکل ہسٹری کو انسان کی حیات جسمانی کے ساتھ ہے، یعنی گویا علم الاجتماع انسان کی اجتماعی زندگی کی تاریخ کا نام ہے، جس طرح علم جیالوجی (طبقات الارض) میں یہ بحث کی جاتی ہے، کہ طبقات ارض نے موجودہ شکل کس طرح حاصل کی؟ زمین میں کیا کیا تغیرات واقع ہوئے؟ اور ان تغیرات کے اسباب کیا ہیں؟ اسی طرح انسان کی فزیکل ہسٹری میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ انسان کی پیدائش کس طرح ہوئی؟ انسان نے موجودہ ترقی کس طرح حاصل کی؟ مختلف اصناف انسانی کے مابین مابہ الامتیاز کیا کیا چیزیں ہیں؟ انسان کے دوران ترقی میں انسان میں کیا کیا تغیرات ہوئے؟ اور ان تغیرات کے اسباب کیا ہیں؟ بعینہ اسی طرح علم الاجتماع میں جو بحث ہوتی ہے وہ یہ ہے، کہ ہیئت اجتماعی کا وجود کس طرح ہوا؟ ہیئت اجتماعی نے موجودہ ترقی کس طرح حاصل

کی؟ اور اس دوران میں کیا کیا تغیرات اس میں پیدا ہوئے؟ اور ان تغیرات کے اسباب کیا ہیں؟ غرض جن فلاسفہ نے علم الاجتماع سے ابتک بحث کی ہے، ان کی بحث کا زیادہ حصہ اجتماع انسانی کی تاریخ سے متعلق رہا ہے، اور گویا اس لحاظ سے انسان کی نفسانی حیات اجتماعی کے ساتھ اس علم کو وہی نسبت ہوگی جو فزیکل ہسٹری کو انسان کی حیات مادی کے ساتھ یا جیالوجی کو جغرافیۂ زمین کے ساتھ ہے،

لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس طرح فزیکل ہسٹری سے صرف انسان کے ان مختلف ادوار مادی کا علم ہوتا ہے جن کو انسان نے طے کیا ہے، اسی طرح علم الاجتماع سے بھی محض واقعات تاریخی کی حقیقت اور ان کے اسباب کا انکشاف ہوگا، اور جس طرح انسان کی حیات انفرادی کے ادوار مادی اور ادوار نفسی کی حقیقت کا واقعی انکشاف اس وقت تک نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ اس کی حیات انفرادی کے تمام عناصر واجزا سے علحدہ علحدہ بحث نہ کی جائے اس کے خواص جسمانی کی تشریح اس کے حالات صحت و مرض، اس کے قویٰ و اعضا کے وظائف عمل اور ان کی تشریح، اس کے دماغی قویٰ کی تفصیل، جذبات احساسات تصورات، افکار، عقائد، ارادہ ان تمام مظاہر دماغی کی توضیح و تشریح جذبات کے انحطاط و زوال اور ترکیب و تقسیم کے قوانین، احساسات کی تحلیل اور تصور و احساس کے باہمی فروق، عقیدہ کی پیدائش اور زوال کے اسباب، تخیل کی وسعت، اور اس کی پوری توضیح، فکر کرنے کے طریقے اور صحیح و غلط فکر کی باہمی تمیز، قوت ارادی کے مظاہر، وغیرہ ان تمام مسائل سے جب تک بالتفصیل بحث نہ کی جائے اس وقت تک صرف انسان کی فزیکل ہسٹری جان لینے سے حیات انفرادی کے تمام شعبوں کی تشریح نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے کہ انسان کی حیات انفرادی سے جن علوم میں بحث ہوتی ہے، ان میں اعلیٰ درجہ علم تشریح اور علم النفس کا ہے، علم تشریح میں اعصاب جسمانی اور قویٰ و اعضا کے وظائف اعمال

سے بحث ہوتی ہے، اور علم النفس میں جذبات وکیفیات نفسیہ اور انسان کے مظاہر دماغی سے

پس اسیطرح انسان کی حیات اجتماعی سے جب بحث کرنا ہو تو کوئی علم ایسا ہونا چاہیئے جو علم النفس کی طرح مظاہر اجتماعی کی حقیقت کی تشریح کرتا ہو، اور جسمیں یہ بتایا جائے کہ نفس اجتماعی کی حقیقت اور اس کے ممیزات کیا کیا ہیں، جماعت کے جذبات کی پیدائش کس طرح ہوتی ہے جماعت میں کن کن جذبات کا ظہور ہوتا ہے، جماعت کے فکر کرنے کا کیا طرز ہے، جماعت کو آمادۂ عمل کرنے کے لئے کون سے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں، جماعت کے کتنے اقسام ہیں، اور ان اقسام کے باہمی ممیزات کیا کیا ہیں، جب تک ان مسائل سے بحث نہ کی جائے اس وقت تک گو علم الاجتماع سے اجتماعی زندگی کے انحطاط و زوال اور ان کے اسباب کی وضاحت تو ہو جائیگی، لیکن انسانی ہیئت اجتماعی کی حقیقت پر روشنی نہ پڑے گی،

علاوہ بریں اوپر معلوم ہو چکا ہے، کہ ہیئت اجتماعی کے تغیرات جن اسباب کے معلول ہوتے ہیں، ان کی تحدید دو قسموں میں کی گئی ہے، مہیجات بیرونی، اور مؤثرات اندرونی، نیز یہ بھی معلوم ہو چکا ہے، کہ ان دو قسم کے مؤثرات میں باہم عمل اور ردعمل کا فعل جاری رہتا ہے، اور اس باہمی تاثر و تفاعل کے اثرات سے کیفیات اجتماعی اور مظاہر تمدن کی پیدائش ہوتی ہے، نیز یہ کہ ان اندرونی مؤثرات کے اندر جو جو مؤثر شامل ہیں، ان کا زیادہ حصہ جماعت کی خود اندرونی ترکیب سے تشکیل پاتا ہے، لیکن جماعت کی یہی اندرونی ترکیب نام ہے نفس اجتماعی کے مظاہر کے مجموعہ کا، جماعت کے جذبات، اس کے تصورات، اس کے اوہام، اس کے عقائد، ان ہی سب چیزوں کی ایک خاص ترکیب سے ہیئت اجتماعی کا جو ہیولیٰ تیار ہوتا ہے، اسی کو نفس اجتماعی کہتے ہیں اور اس نفس اجتماعی کے مظاہر سے جس علم میں بحث ہوتی ہے، اس کو علم نفسیات اجتماع کہتے ہیں، پس جب تک جماعت کی اندرونی ترکیب اور نفس اجتماعی کے مظاہر کی حقیقت

کی تشریح نہ کی جائے اس وقت تک جماعت کے ان اندرونی مؤثرات کی حقیقت واضح نہ ہوگی جو اجتماعی تغیرات کی پیدائش میں خاص مداخلت رکھتے ہیں، اس لئے علم الاجتماع کے مباحث کا ایک ضروری پہلو یہ بھی ہے، کہ اجتماع انسانی کی حقیقت سے بحث کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ محض افراد منتشر کا حالت اجتماع میں آجانا کن جدید نفسانی حالات کی پیدائش کا باعث ہوتا ہے، اور یہ پہلو علم الاجتماع کے لئے اتنا ضروری ہے، کہ بلا اس کے علم الاجتماع کی تکمیل کسی طرح نہیں ہوسکتی،

پس حاصل یہ ہو کہ فلاسفہ نے علم الاجتماع سے بحث کرنے کے جو طریقے اختیار کئے ہیں انکا تعلق زیادہ تر اجتماع انسانی کی تاریخ سے ہے، اور اس کو فلسفۂ تاریخ کہنا زیادہ موزوں ہوگا، لیکن اس سلسلہ میں کبھی اس بات سے بحث نہیں کی گئی کہ خود انسانی اجتماع کی حقیقت کیا ہے، اور نفس اجتماعی کے مظاہر کیا کیا ہیں؟

۲- یہی نقطۂ بحث ہے جس کو سب سے پہلے مہذب ممالک میں لیبان نے دریافت کیا، لیبان نے پہلے مدتوں مختلف ممالک میں سیاحت کی، مختلف قوموں کے عادات، اطوار، خو بو، اور ان کے آئین قومی دریافت کئے، اور ایک مدت تک مختلف قوموں اور مختلف جماعتوں میں رہکر اس نے جماعتوں کے طریق کار اور حیات اجتماعی کے ایک ایک شعبہ سے واقفیت حاصل کی، اور اسکے بعد علم نفسیات اجتماع کو مدون کیا،

علم نفسیات جماعت کو لیبان جس طرز پر مرتب کیا ہے اسمیں لیبان کو دیگر علماء سے چند باتوں میں خاص امتیاز حاصل ہے، اور چونکہ لیبان کے علاوہ کسی مصنف کی کوئی دوسری کتاب ایسی موجود نہیں ہے، جسمیں مستقل طور پر صرف نفسیات جماعت سے بحث ہو، اس لئے ہم لیبان کے خصوصیات کو اسی کے اوراق سے لیکر ذیل میں بیان کرتے ہیں:-

(۱) لیبان کی سب سے بڑی خصوصیت جسمیں تمام علماء پر اس کو فوقیت حاصل ہے یہ ہے، کہ علم الاجتماع کے اس پہلو پر مہذب ممالک میں سب سے پہلے اُسی نے قلم اٹھایا، گو امریکہ و انگلستان کے بعض علمانے بھی اس پہلو پر نظر ڈالی ہے، لیکن اس پہلو کو انھوں نے کوئی خاص اہمیت نہیں دی ہے بلکہ عام علم النفس کے ضمن میں جابجا علم الاجتماع کے اس پہلو پر بھی نظر ڈال گئے ہیں نفسیات جماعت پر مستقل طور پر نظر ڈالنا اور اصول و فروع کو ترتیب دینا اور بات ہے، اور کسی خاص بحث کے ضمن میں اس پہلو پر بھی بحث کرنا اور بات ہے،

خود لیبان کو علماء سے یہ شکایت ہے، کہ انھوں نے علم الاجتماع کے اس پہلو کی جانب کیوں خاص توجہ نہیں کی، چنانچہ ایک مقام پر کہتا ہے:۔

"جماعتوں کا بیان بڑھتے بڑھتے طویل ہو گیا، حالانکہ ہمیں ان کی بابت بہت تھوڑا علم ہے بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے علم النفس کی جانب توجہ کی ہے، وہ جماعتوں سے کنارہ کش رہے اور اسی لئے ہمیشہ ان کے حالات سے ناواقف رہے"،

پھر دوسری جگہ کہتا ہے:۔

"جماعت کے نفسانی حالات کے متعلق ہماری بحث بہت مختصر اور بطور سابقہ تصانیف کے خلاصہ کے ہو گی، اور ناظرین ان ہی مسائل سے واقف ہو سکیں گے جو اس فن کے ابتدائی مسائل ہیں، کیونکہ میری حالت تو یہ ہے کہ میں نے ایک ایسی زمین پر قدم رکھا ہے، جو ایک مدت سے بنجر چھوڑ دی گئی تھی، اس لئے میں تو تمام فروع و اصول کا استقصاء نہیں کر سکتا، البتہ دوسرے لوگوں کو چاہئے کہ ان مسائل میں خوب غور و خوض کر کے اصول و فروع کو ترتیب دیں"

لیبان کو علمائے علم النفس سے یہ خاص شکایت ہے، جس کا اظہار اس نے اپنی کتابوں میں

متعدد مقامات پر کیا ہے، حالانکہ لیبان کہتا ہے کہ اس علم کے فوائد بے شمار ہیں، اس علم کے جن فوائد کو لیبان نے گنوایا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اس علم کا سب سے ادنیٰ فائدہ تو یہ ہے، کہ "علم شے بہ از جہل شے"

لیبان کہتا ہے:۔

"جماعت کے نفسانی حالات کا معلوم کرنا بے حد ضروری ہے، خواہ ہم اس کا عملی حصہ حاصل کریں یا صرف واقعات کی حقیقت دریافت کرلیں، بہر حال جس طرح علم زراعت کی واقفیت کسی قدر فائدہ مند ہوتی ہے، اسی طرح انسان سے جو افعال صادر ہوتے ہیں، ان کے اسباب کا دریافت کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں"

یہ ایک عام فائدہ ہے لیکن اس علم کا دوسرا بڑا فائدہ جو ہے وہ یہ ہے کہ:۔

(۲) بہت سے واقعات تاریخی ایسے ہیں جن کے علل و اسباب کا اس وقت تک پتہ نہیں چلتا، تاوقتیکہ جماعتوں کے نفسانی حالات سے واقفیت نہ پیدا کی جائے، علم نفسیات جماعت کا یہ فائدہ مبنی ہے، اسی اصول پر جس کو ہم ایک ہی آدھ صفحہ اُدھر لکھ آئے ہیں، اور وہ یہ ہے، کہ ہیئت اجتماعی کے تغیرات میں جن اسباب و مؤثرات کو دخل ہوتا ہے، ان میں سب سے زیادہ اہمیت اندرونی مؤثرات یعنی ہیئت اجتماعی کی اندرونی ترکیب کو حاصل ہوتی ہے، اور یہ اندرونی ترکیب عبارت ہے جماعت کے خیالات، جذبات، و افکار وغیرہ سے جو نفس اجتماعی کے مظاہر ہیں پس جب کسی ہیئت اجتماعی کے تغیرات کے اسباب دریافت کرنا ہوں تو پہلے خود اس ہیئت اجتماعی کی اندرونی ترکیب اور اس کے نفسانی حالات کی جستجو کرنا چاہئے، کہ بغیر ان نفسانی حالات کا علم حاصل کئے ہوئے اس ہیئت اجتماعی کے تغیرات کے اسباب سے واقفیت نہیں ہوسکتی،

موسیو لیبان نے علم نفسیات اجتماع کے اس خاص فائدہ کو اپنی کتاب میں بہت اہمیت دی ہے، چنانچہ ایک مقام پر لکھتا ہے :۔

"اس علم سے ایسے بے شمار اخلاقی اور اجتماعی واقعات کی توجیہ ہو جاتی ہے جن کی حقیقت سے واقف ہونے کا کوئی اور ذریعہ نہیں"

اِن دو فوائد کے علاوہ اس علم کا تیسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ،

(۳) مختلف جماعتوں کی قیادت، بلا اس کے کہ جماعت کے نفسانی حالات سے واقفیت پیدا کی جائے، ناممکن ہے، اس لئے خاص کر ان لوگوں کو اس علم کی جانب زیادہ توجہ کرنا چاہئے جن کے ہاتھوں میں مختلف قوموں کی زمامِ سیاست ہوتی ہے اور جن کا ایک اشارہ قوموں کے حالات میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیتا ہے،

لیبان کہتا ہے :۔

"جماعتوں کے نفسانی حالات سے واقف ہونا اس زمانہ میں اس قدر ضروری ہو گیا ہے، کہ ہر بڑے سے بڑا سیاست داں اس جانب خاص توجہ کرتا ہے نہ اس لئے کہ اس ذریعہ سے وہ جماعت پر اپنی حکومت اور سیادت قائم کرے، کیونکہ یہ بہت مشکل ہے، بلکہ اس لئے کہ اس ذریعہ سے وہ جماعت کے زور کو گھٹا سکے"

اور یہی سبب ہے کہ لیبان دوسرے موقع پر کہتا ہے :۔

"حالانکہ وہ لوگ جنھوں نے دنیا پر حکومت کی ہے، اور جن کے ہاتھوں میں اقوام و ممالک کی عنانِ حکومت رہی ہے، بانیانِ مذاہب سے لیکر بانیانِ حکومت تک اور پیغمبرانِ مذاہب سے لیکر سیاست داں مدبّرین تک حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو چھوٹے چھوٹے قبائل کے سردار رہے ہیں، یہ سب ہمیشہ علم النفس کے ماہر ہوئے ہیں"

لیبان کہتا ہے کہ جماعت کی قیادت وہ شخص نہیں کر سکتا جو جماعت کے نفسانی حالات سے واقف نہ ہو، جس کو یہ نہ معلوم ہو کہ جماعت کو کس طرح اثر پذیر کرنا چاہیئے خطیبانہ انداز کا جماعت پر کتنا اثر پڑتا ہے، غیر معقول دلائل سے جماعت کس طرح اثر پذیر ہوتی ہے، بعض خاص الفاظ اور جملے کسی جماعت میں کس بنا پر مقبول ہوتے ہیں، اور بعض خاص الفاظ اور جملوں کو بسا اوقات جماعت کیوں ناپسند کرتی ہے، جس شخص کو ان تمام امور کا علم نہ ہو وہ ہرگز قیادت کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لئے جب کسی قوم کی عنان سیاست اپنے ہاتھ میں لینا ہو تو سب سے پہلے جماعت کے ان نفسانی حالات کا علم حاصل کرنا چاہیئے،

غرض یہ اس علم کے چند مختصر سے فوائد ہیں جنکو لیبان نے جابجا اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اور اس بات پر حیرت کی ہے، کہ باوجود ان فوائد کے علمائے علم النفس اس فن سے کیوں اس قدر بیگانہ نظر آتے ہیں،

(۲) دوسری بڑی خصوصیت لیبان کی یہ ہے کہ جن لوگوں نے علم الاجتماع سے بحث کی ہے، انھوں نے ان مؤثرات میں جو ہیئت اجتماعی پر اثر کرتے ہیں قوموں کے نظام اخلاق اور مذہب کے اثر کو بہت کم اہمیت دی ہے، بلکہ اکثروں نے تو سوسائٹی کے مؤثرات میں نظام اخلاق اور مذہب کو شمار ہی نہیں کیا ہے، لیکن بخلاف اس کے لیبان نے نظام اخلاق اور مذہب کے اثر کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے، بلکہ قوموں کے مزاج عقلی کی تکوین کا بھی مدار اس نے اپنی دوسری کتاب ،، انقلاب الامم،، میں اسی نظام اخلاق ہی پر رکھا ہے اور اپنی دوسری کتاب روح الاجتماع (جس کا ترجمہ آیندہ صفحات میں ناظرین کے پیش نظر ہے اس) کی ایک خاص فصل میں مذہب کے اثر سے اس نے بحث کی ہے،

نظام اخلاق کے اثر سے علمائے علم الاجتماع نے جو غفلت برتی ہے، اس کے بابت لیبان اپنی

دوسری کتاب "انقلاب الامم" میں ایک موقع پر لکھتا ہے :۔

"جن ماہرین علم النفس نے نفسیات اجتماع سے بحث کی ہے، ان کے ضعف نتائج

کا بڑا سبب یہ ہے، کہ انھوں نے اپنے مباحث کو صرف عقلی مسائل پر محدود کرلیا ہے

اور قوموں کے نظام اخلاق سے بالکل بحث نہیں کی ہے میں کسی ایسے شخص سے واقف نہیں

جس نے نظام اخلاق کی اہمیت سے بحث کی ہو، بجز موسیو بولہاں اور ایم ریبو کے کہ ان

دونوں نے اس جانب تھوڑی سی توجہ کی ہے"

عموماً فلاسفہ نے سوسائٹی کے مؤثرات میں ان چیزوں کو داخل کیا ہے، جو مادی حیثیت سے جماعت پر اثر کرتی ہیں، ملک کی آب وہوا، ماحول، اور اسی قسم کے دیگر مؤثرات کو ان کے نزدیک زیادہ اہمیت حاصل ہے، اور وہ واقعات کی توجیہ جو کرتے ہیں تو محض مادیین کے اصول پر، حالانکہ لیباں کہتا ہے، کہ ان ظاہری اسباب کے پیچھے اِس قدر کثرت سے چھپے ہوئے مؤثرات ہوتے ہیں، جن تک عقل انسانی کی رسائی ہی نہیں ہوسکتی،

چنانچہ لیباں روح الاجتماع میں ایک مقام پر لکھتا ہے :۔

"زمانۂ حال کے بعض مؤرخین خصوصاً موسیو ٹائن انقلاب فرانس کے

بعض واقعات کی توجیہ کرنے میں جو ناکامیاب رہے، اس کا باعث بجز

اس کے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ موسیو ٹائن نے جماعت کے نفسانی حالات سے واقفیت

پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ ان مشکل مباحث میں بھی اس نے مادیین کا

وہی طرز اختیار کیا جو عموماً واقعات کی توجیہ کرتے وقت وہ اختیار کرتے ہیں، مادیین

اخلاقی قوتوں سے بہت کم بحث کرتے ہیں، حالانکہ ان ہی قوتوں کی بنیاد پر تاریخ

کی عمارت تعمیر ہوتی ہے"

پھر اس کے بعد ایک خاص فصل میں لیبان نے دعویٰ کیا ہے، کہ جماعت کے اعمال و افعال پر مذہب کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے جس سے انکار کرنا واقعہ سے انکار کرنا ہے، اِس فصل کے آخر میں لیبان ایک مقام پر لکھتا ہے:۔

"پس مذہب کو جماعت کے مشاعر و احساسات اور اعمال و افعال پر جو تسلط اور غلبہ حاصل ہے، اس کی بنا پر میرا یہ خیال ہے، کہ کوئی شخص اہم تاریخی واقعات کی حقیقت کو اس وقت تک بتمام و کمال نہیں سمجھ سکتا تا وقتیکہ وہ ان دینی معتقدات سے واقفیت نہ پیدا کرلے، جو ان واقعات کی آڑ میں جماعت کی قیادت کرتے ہیں، پھر بعض تاریخی واقعات تو ایسے گذرے ہیں، جنکی توجیہ جماعت کے اعتقادی پہلو کے علاوہ کسی اور پہلو سے ہو ہی نہیں سکتی، یہی وجہ ہے، کہ موسیو ٹائن نے جو ایک زبردست فلسفی مؤرخ گذرا ہے، گو واقعۂ انقلاب فرانس کی تاریخ لکھتے ہوئے اس واقعہ کے تمام جزئیات پر مورخانہ اور محققانہ نظر ڈالی ہے، لیکن چونکہ اس نے جماعتوں کی اس نفسانی حقیقت کو کہ جماعتیں، ہمیشہ مذہبی جذبہ کی محکوم ہوتی ہیں، نظرانداز کر دیا، اس لئے بعض واقعات کے اسباب و علل دریافت کرنے میں وہ ناکام رہا۔"

حاصل یہ ہے کہ لیبان کے نزدیک جماعتوں اور قوموں کے تغیرات جن نفسانی مؤثرات کے معلول ہوتے ہیں، ان میں قوموں کے مذہب اور ان کے نظام اخلاق کے اثر کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اور اس اہمیت کو یا تو بعض فلاسفہ اور مؤرخین نے بالکل نظرانداز کر دیا ہے، اور یا اگر اس کی جانب کسی نے توجہ بھی کی ہے، تو محض سطحی توجہ کی ہے، لیبان زمانۂ حال میں پہلا فلسفی ہے جس نے ان نفسانی مؤثرات سے نہایت شرح و بسط کے ساتھ اپنی کتابوں میں بحث کی ہے،

۳۔ تیسری بڑی خصوصیت لیبان کی یہ ہے کہ اول تو لیبان کے پہلے کسی مصنف نے نفسیات جماعت کے موضوع پر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہین مستقلاً قلم اُٹھایا ہی نہین، اور اگر قلم اُٹھایا بھی ہے تو محض اس پہلو پر اُٹھایا ہے، کہ جماعت سے مجرمانہ افعال کا صدور کیون ہوتا ہے یعنی یہ کہ جن جرائم کے ارتکاب سے انسان انفرادی حالت مین ہچکچاتا ہے، ان افعال کے ارتکاب پر اجتماعی حالت مین اس کو کیونکر جرأت ہوتی ہے، اور پھر اس موضوع پر بھی جن لوگون نے کچھ لکھا ہے، وہ ججون کی ایک جماعت ہے جنھون نے عدالتون کی کرسیون پر بیٹھ کر صدہا مقدمات اس قسم کے فیصل کئے ہین، اور اپنے اسی تجربہ کی بنا پر اُنھون نے اعداد و شمار سے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ جماعت صرف مجرمانہ افعال کا ارتکاب کر سکتی ہے،

لیبان اس کے متعلق روح الاجتماع مین ایک مقام پر لکھتا ہے:۔

”البتہ تھوڑے دنون سے ان کو کچھ اس جانب توجہ ہوئی ہے، مگر اب بھی انکی نگاہ جس حیثیت سے جماعتون پر پڑتی ہے، وہ یہ ہے، کہ جماعتین ناروا افعال اور جرائم کا ارتکاب کرتی ہین، بلاشبہہ یہ صحیح ہے، کہ دنیا مین جرائم پیشہ جماعتین بھی پائی جاتی ہین، لیکن ان کے ساتھ دنیا مین نیک چلن اور بہادر جماعتین بھی ہین، پس جماعتون کو صرف ارتکاب جرائم کی نگاہ سے دیکھنے کا یہ مطلب ہوگا، کہ ہم کسی شے پر صرف ایک حیثیت سے نظر ڈالین، لیکن یہ ظاہر ہے، کہ جس طرح کسی شخص کے صرف ظاہری عیوب دیکھ لینے سے اس کے پورے اوصاف اور پورے حالات کا علم نہین ہو سکتا، اسی طرح، صرف اس بات کی واقفیت سے کہ جماعت کبھی ارتکاب جرائم کرتی ہے، جماعت کے پورے حالات کا علم نہین ہو سکتا۔

پھر دوسری جگہ لیبان کہتا ہے:۔

"جن علما نے اس علم کی جانب توجہ کی ہے، ان کے مباحث زیادہ تر جماعت کی مجرمانہ حیثیت سے متعلق ہیں، لیکن میں نے اس موضوع پر صرف ایک فصل میں بحث کی ہے" اور وہ بھی مختصر ہے، اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ناظرین کو ایم تارڈ اور موسیو سیگل کے اس رسالہ کی جانب توجہ دلاؤں جس کا نام "جماعات جارمہ" ہے اور خصوصیت سے اس سے زیادہ ان کتابوں کی جانب توجہ دلانے کی ضرورت ہے، کہ میں نے جماعت کے قوائے عقلی کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہیں وہ ان دونوں مصنفوں کے خیالات کے برعکس ہیں"

پھر اس کے بعد لیبان نے جہاں پر جماعت کے اخلاق سے بحث کی ہے، وہاں نہ صرف یہ بتایا ہے کہ جماعت سے بسا اوقات محاسن اخلاق کا ظہور اور نیک افعال کا صدور بھی ہوتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ اس نے ان لوگوں کی غلطی کا سبب بھی بتا دیا ہے، جو جماعت پر صرف اس کی مجرمانہ حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں،

چنانچہ لیبان کہتا ہے:۔

"بعض ماہرین نفسیات نے جو جماعت پر صرف اس کی مجرمانہ حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں مطلقاً یہ حکم جو لگا دیا ہے، کہ جماعت کے اخلاق ہمیشہ انحطاط پذیر ہوتے ہیں، اس کا باعث صرف یہ ہے کہ انھوں نے جماعت کے اخلاق پر یکرخی نظر ڈالی ہے، یعنی انھوں نے صرف یہ دیکھ لیا کہ وہ شر و فساد کی جانب زیادہ مائل ہوتی ہے، اس بنا پر انھوں نے کہدیا کہ جماعت ہمیشہ بد اخلاق ہوتی ہے۔

پھر اس کے بعد جماعت کے اخلاق کی بابت لیبان یہ دعوی کرتا ہے کہ:۔

"تاریخ کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے، کہ افراد نے نہیں بلکہ جماعتوں ہی نے جرأت علم وعمل، اور عظائم اعمال کی عظم الشوت مثالیں پیش کی ہیں"

یہ تو لیبان کا عام دعویٰ ہے کہ جماعت کے اخلاق بسا اوقات پاکیزہ بھی ہوتے ہیں، لیکن جس خاص فصل میں اس نے جماعت کی مجرمانہ حیثیت سے بحث کی ہے، اور جرائم پیشہ جماعتوں کی سائیکالوجی لکھی ہے، وہاں دیگر مصنفین کے خلاف اس نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ جماعت سے درحقیقت کبھی مجرمانہ افعال کا صدور نہیں ہوتا، یوں قانون کی نظر میں خواہ ان کے افعال جرم کی حد کے اندر آجاتے ہوں، لیکن فلسفیانہ نقطۂ نظر سے ان کے افعال پر جرم کا اطلاق کرنا صحیح نہیں ہے۔

لیبان کہتا ہے:-

"یہ صحیح ہے کہ جماعت کے بعض افعال بعض اوقات جرم کی حد کے اندر آجاتے ہیں، لیکن یہ جرائم اسی طرح کے ہوتے ہیں جس طرح ایک درندہ جانور جرائم کا ارتکاب کرتا ہے، اور باوجود اس کے درندہ کو کوئی مجرم نہیں کہتا، بات یہ ہے، کہ جماعت سے جو جرائم سرزد ہوتے ہیں وہ کسی ہیج شدید کی بدولت اس سے وقوع میں آتے ہیں، اور اس ہیج شدید سے متأثر ہو کر جو افراد ان جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے، کہ وہ جرائم کا ارتکاب کر رہے ہیں، بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک واجب یا فرض ادا کر رہے ہیں، اور ظاہر ہے، کہ یہ شان مجرمونکی نہیں ہوتی"

غرض لیبان نے اس کتاب میں درجہ بدرجہ ثابت کر دیا ہے، کہ اصل میں جماعت کی جانب مجرمانہ افعال کا انتساب کرنا ہی غلط ہے، اور خاص کر جن لوگوں نے جماعت پر محض مجرمانہ حیثیت سے نظر ڈالی ہے ان کی غلطی نہ صرف اتنی ہے، کہ انھوں نے جماعت کی جانب مجرمانہ افعال کا انتساب کیا، بلکہ انھوں نے اس مسئلہ پر یکرخی نظر ڈالی ہے، یہ لیبان کی خاص تحقیق ہے، جسمیں وہ دیگر علمائے یورپ کے مقابلے میں منفرد ہے،

لیبان کے یہ چند خصوصیات ہیں جنہیں وہ تمام متقدمین اور متأخرین علمائے علم النفس پر غالب

فوقیت رکھتا ہی، اور جن کو اس نے اپنی کتابون مین جابجا خود ذکر کیا ہی، ان خصوصیات کا لحاظ کرتے
ہوئے غالباً لیبان کا یہ دعوی کہ نفسیات اجتماع پر مستقل حیثیت سے اس کے پہلے کسی نے قلم نہین اٹھایا،
کچھ بیجا نہین ہی، پھر لیبان کے نظریات اپنی جگہ پر خواہ کتنے ہی مکمل ہون، لیکن اسکی تصنیفات اس قدر
جا و بیجا تکرار اور حشو و زوائد سے مملو ہین، کہ بعض جگہ تکرار کی بدولت مطالعہ کرنے والے کی طبیعت
مین انتشار پیدا ہوجاتا ہے، مگر اس سقم کے ساتھ یہ بھی پیش نظر کرلو، کہ لیبان ہی پہلا شخص ہے،
جس نے اس موضوع پر سب سے پہلے مستقل حیثیت سے قلم اٹھایا ہی، اور اس کے پیشتر جنلوگون نے اس موضوع پر بحث
بھی کی تو انکے نتائج اور بحث اس قدر ناقص اور خلاف واقعہ تھے کہ اس موضوع پر لکھتے وقت لیبان کو
ان نتائج سے قطع نظر کرکے علم کے مبادی اور مسائل کو نئے سرے سے خود ترتیب دینا پڑا، اور ہر مسئلے کے
اصول و فروع خود لیبان ہی نے ترتیب دیئے، پس ان تمام امور کا لحاظ کرنے کے بعد لیبان کی تصنیفات
کی اہمیت بہت زیادہ بڑھجاتی ہی، اور علمائے یورپ مین لیبان ایک خاص امتیاز کا مستحق ٹھہرتا ہی،

(۳)

لیکن اس سلسلہ مین اگر ہم علمائے یورپ سے قطع نظر کرکے اسلامی لٹریچر اور علمائے اسلام
کی تصنیفات پر بھی ایک نظر ڈال کر یہ دیکھین کہ آیا اسلامی لٹریچر مین بھی علم نفسیات جماعت
کے متعلق کچھ مواد مل سکتا ہے، یا نہین تو یہ بہت زیادہ دلچسپ بات ہوگی، صفحات بالا
مین یہ خوب اچھی طرح ثابت ہوگیا ہے، کہ "علم الاجتماع" سے جس ترتیب اور جس
طرز سے لیبان نے بحث کی ہے، اس حیثیت اور اس طرز سے، لیبان کے پہلے کسی مصنف
نے اس علم پر نظر نہین ڈالی، اس لئے اب اس بحث مین ہمارے لئے نہایت آسانی
ہوگئی ہے۔ اب ہم لیبان ہی کے نظریات کو لیکر اسلامی لٹریچر مین ان نظریات
کو تلاش کرتے ہین،

لیبان نے اپنی کتاب کو تین ابواب پر تقسیم کیا ہے، پہلے باب مین اُس نے جماعت کے اوصاف عمومی سے بحث کی ہے، اور اس باب کو تین فصلون مین پھیلایا ہے، پہلی فصل مین جماعت کے ممیزات عمومی سے بحث ہے، دوسری فصل مین جماعت کے جذبات سے، تیسری فصل مین جماعت کے قوائے عقلی سے اور چوتھی فصل مین مذہب سے۔ لیبان کا طرزِ استدلال اپنے نظریات مین یہ ہے، کہ چونکہ اجتماع انسانی انسان کے عہدِ طفولیت کا ورثہ اور اسکی ابتدائی تاریخ کی یادگار ہے، اس لئے جو اوصافِ ذہنی و عقلی انسان کے عہدِ طفولیت مین افراد مین پائے جاتے ہین، ان ہی کا ظہور انسان کی حالتِ اجتماعی مین بھی ہوتا ہے، اور چونکہ جماعت کیفیت نیم شعوری کا مکمل مظہر ہوتی ہے، اس لئے حالتِ اجتماع مین آکر افراد کی عقلی خصوصیتین ماند پڑجاتی ہین، اور حالتِ اجتماع مین ارسطو کے بھی ہوش حواس گم ہوجاتے ہین، اور عام افراد کی طرح بہکی بہکی باتین کرنے لگتا ہے، اثر پذیری، ضعفِ عقلی، تلوّن مزاجی مبالغہ پسندی، اور غیظ وغضب یہ تمام اوصاف جو ناقص العقل افراد کی خصوصیتین ہین، حالت اجتماع مین آکر یہی سب اوصاف تمام افراد مین پیدا ہوجاتے ہین، اور چونکہ جماعت مین آکر افراد کی عقل کند ہوجاتی ہے اس لیے جماعت مین استدلال کرنے کی بھی صلاحیت نہین رہتی البتہ قوتِ تخیل ترقی کرجاتی ہے، اور قوائے عقلی بے حس وحرکت ہوجاتے ہین،

پس اس صورت مین جو شخص جماعت کو اثر پذیر کرنا چاہتا ہے، اس کو چاہئے کہ جماعت کو اثر پذیر کرنے کے لئے حسب ذیل وسائل اختیار کرے:-

(۱) استدلال سے گریز،

(۲) تمثیل بیانی، یعنی کسی واقعہ کو تشبیہات یا استعارات کی صورت مین بیان کرنا،

بعض خاص الفاظ کا جو جماعت کے نزدیک پسندیدہ ہین، انکو زیادہ استعمال کرنا، اور یہ

جو الفاظ اور جملے جماعت ناپسند کرتی ہے، ان کے استعمال سے حتی الامکان احتراز کرنا،

(۴) جماعت کو آمادۂ عمل اور اثر پذیر کرنے کیلئے یہ ضروری ہے، کہ اس کے مذہبی عقائد یا موروثی خیالات سے زیادہ استدلال کیا جائے،

(۵) مدعیانہ اور تحکمانہ طرز خطابت،

(۶) الفاظ اور معانی کی تکرار،

یہ وسائل ہیں جن سے جماعت اثر پذیر ہوتی ہے، اور جن سے عموماً خطبا اور قائدین جماعت کام لیتے ہیں، یہ دو ابواب کا خلاصہ ہے، اس کے بعد تیسرے باب میں جماعت کے اقسام سے بحث کی ہے، اور اس میں زیادہ تر نظریات سابقہ کو جماعت کے اقسام پر منطبق کیا ہے، یہ لیبان کے طرز بیان کا ایک تقریبی خلاصہ ہے،

پس لیبان کے نظریات پر اگر ایک غائر نظر ڈالی جائے، تو بہت آسانی سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ لیبان جس علم کو علم نفسیات جماعت کہہ رہا ہے اور جو نظریات علم نفسیات جماعت کے اس نے تجویز دیئے ہیں، ان میں کا اکثر حصہ علم خطابت کے متعلق ہے، خطیب کو کن الفاظ اور جملوں کا استعمال کرنا چاہیئے؟ خطیب کو استدلال کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟ جماعت کو اثر پذیر کرنے کے کیا طریقے ہیں؟ تحکمانہ طرز ادا اور تکرار کا جماعت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ استعارات اور تشبیہات جماعت کو کس طرح اثر پذیر کرتے ہیں، یہ اور اسی قسم کے دیگر سوالات کا تعلق علم خطابت سے ہے،

لیکن فرق یہ ہے کہ علم خطابت میں ان مسائل سے جو بحث ہوتی ہے تو اس لئے کہ علم خطابت کا موضوع ہی یہ ہے کہ الفاظ اور جملوں سے جماعت کس طرح اثر پذیر ہوتی ہے، تو گویا علم خطابت میں ان مسائل سے اصلاً و بالذات بحث ہوتی ہے، اور علم نفسیات جماعت میں ہیئت اجتماعی کے عام موثرات کے ضمن میں، ان خطابی مسائل سے بھی بحث ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ لیبان نے گو اپنی

کتاب ... نے بعض مسائل سے بحث تو کی ہے لیکن علم خطابت کے مسائل کا استقصاء نہیں کیا ہے،

غرض لیبان کے نفسیاتِ جماعت میں جن ابواب کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، وہ دو ہیں،

(۱) جماعت کے جذبات و قوائے عقلی کی تشریح،

(۲) معتقداتِ جماعت کے مؤثرات، اسی ضمن میں اُس نے بعض ان مسائل سے بھی بحث کی ہے، جن سے علم خطابت میں بھی بحث ہوتی ہے،

ان نظریات میں جتنا حصہ ایسا ہے، جو علم خطابت سے تعلق رکھتا ہے، اس کا غالب حصہ اسلامی لٹریچر میں شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے، ابن سینا نے شفا میں اور علمائے ادب اور دیگر منطقیین نے خطابت پر مستقل طور پر لکھا ہے، لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ لیبان کی غرض ان مسائل کے بیان کرنے سے علم الخطابت پر کچھ لکھنا نہ تھا، بلکہ لیبان کے مباحث میں نفس اجتماعی کے مظاہر عقلی و فکری وغیرہ سے بحث کرنا زیادہ تر ملحوظ ہے، اس لئے علم خطابت کی کتابوں میں یہ مسائل اگر شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہیں تو اس سے علم نفسیاتِ اجتماع میں کوئی مزید اضافہ نہیں ہوتا، اور اس لئے ہمارے نزدیک علم خطابت کے مسائل سے لیبان کے نظریات کو تطبیق دینا، یا لیبان کے نظریات کی تائید میں علم خطابت کی کتابوں سے شواہد پیش کرنا بالکل بے فائدہ ہے،

البتہ یہ ضرور ہے، کہ ابن سینا نے شفا میں خطابت پر جو کچھ تحریر کیا ہے، اس سے تبعاً و ضمناً ہم علم نفسیات اجتماع کے بعض مسائل کا کچھ یوں ہی سا استنباط کر سکتے ہیں، ابن سینا نے شفا میں نہایت تفصیل سے اس امر پر بحث کی ہے، کہ خطبہ دیتے وقت خطیب کو کون سے الفاظ اور کس قسم کے جملوں کا استعمال کرنا چاہئے، قیاسات خطابی اور قیاسات جدلی میں کیا فرق ہے خطیب استدلال جو پیش کرتا ہے، اس کی کیا نوعیت ہوتی ہے تمثیل اور استقراء

ان دونون مین سے جماعت پر کس کا اثر زیادہ ہوتا ہے تشبیہات و استعارات سے مجمع کس طرح اثر پذیر ہوتا ہے، مدح وذم یا رغبت و نفرت کے جذبات پیدا کرنا ہون تو اس کے لیے خطیب کیا کیا تدابیر اختیار کرسکتا ہی غرض وہ تمام مسائل جن کا تعلق علم خطابت سے ہے نہایت بسط کے ساتھ ابن سینا نے ان سے بحث کی ہے، اور یہ مسائل گو مستقلاً علم نفسیاتِ جماعت کے مسائل تو نہین، لیکن ان مسائل سے نفسیاتِ جماعت کے اصول و فروع کی ترتیب و تدوین مین ایک گونہ آسانی ہوسکتی ہے،

لیکن ان مسائل کے علاوہ لیبان کے اور نظریات جو ہین، مثلاً یہ کہ جماعت کے جذبات اور قوائے عقلی کی تشریح، یا مثلاً یہ مسائل کہ معتقداتِ جماعت کے پیدا کرنے مین زمانہ کا کیا اثر ہوتا ہے مخصوص نظامِ حکومت اور مخصوص نظامِ معاشرت کو ہیئت اجتماعی کے تغیرات مین کیا دخل ہوتا ہے تعلیم و تربیت سے ہیئت اجتماعی پر کیا اثر ڈالا جاسکتا ہے، یہ اور اسی قسم کے دیگر مسائل جنکا تعلق خاص علم نفسیاتِ جماعت کے ساتھ ہے، اس ترتیب اور تفصیل کے ساتھ اسلامی لٹریچر مین ان کا کہین پتہ نشان نہین ملتا، البتہ انکے جانب جستہ جستہ اشارات و کنایات کہین کہین ملتے ہین، مثلاً ابن خلدون نے ایک خاص فصل مین یہ دعویٰ کیا ہے کہ دیہاتی باشندے شہری باشندون سے زیادہ نیک کام کرتے ہین، یا اسی طرح ابن خلدون نے ایک اور فصل مین یہ دعوی کیا ہی کہ دیہاتی باشندے شہری باشندون سے زیادہ شجاع ہوتے ہین، یا مثلاً ایک فصل مین یہ دعوی کیا ہے کہ وحشی قومون کو دیگر اقوام پر غلبہ حاصل کرنے کی زیادہ قدرت ہوتی ہے، اور گو ان مباحث کا مقصد دیہاتی اور شہری باشندون کی اخلاقی حالت کا موازنہ کرنا ہے لیکن ان مباحث سے جماعتون اور قومون کی اخلاقی حالت کا بھی تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے،

ان مباحث کے علاوہ لیبان نے ایک خاص فصل میں یہ دعوی جو کیا ہے، کہ جماعت کے اعمال وافعال پر مذہب کا بڑا اثر ہوتا ہے، اور جماعت کسی بڑے کام کو اس وقت تک انجام نہیں دیسکتی جب تک اُس کے افعال مذہبی جامہ نہ پہن لیں، اس کے بکثرت شواہد موجود ہیں،

اسی بحث کے ضمن میں لیبان بڑی بڑی حکومتوں اور سلطنتوں کے قیام کا سبب بذیل بیان کرتا ہے :-

"حقیقت یہ ہے کہ رومی لشکر کے آگے جیکس اقوام سپر انداز جو ہو گئیں، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ شہنشاہ روم ان کی نگاہ میں ایک معبود کے رتبہ پر پہونچ گیا تھا، اور چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں اس کے نام کی محرابیں اور طاق تعمیر کئے جاتے تھے، اور رومی حکومت میں ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک ایک جدید مذہب کی اشاعت کی گئی تھی جسکی ساری بنیا قیاصرۂ روم کی پرستش پر تھی، یہاں تک کہ مسیحیت کے ظہور سے کچھ مدت بیشتر سرزمین گال میں شہر لیوں کے قریب قیصر آگسٹس کے نام کا ایک ہیکل تعمیر کیا گیا تھا، جس کے مجاوروں کی سطوت و ہیبت باشندگان گال کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی"

لیبان کہتا ہے کہ سلطنت روم کی تقویت اور شوکت کا باعث یہ تھا کہ تمام رومی صوبے شہنشاہان روم کے ناموں کا کلمہ پڑھتے تھے، اور مذہبی پردے میں دولت روم کی طاقت و شوکت کا اظہار کیا جاتا تھا، بلکہ ایک خاص مذہب ایجاد کیا گیا تھا جس کی بنا قیاصرۂ روم کی پرستش پر تھی، اس مذہب کی اشاعت تمام رومی صوبوں میں کی گئی تھی، لیبان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رومی سلطنت کو اس وقت تک استحکام نصیب نہ ہوا جب تک رومی شہنشاہوں نے اپنے

اغراض ملک گیری پر مذہبی رنگ نہ چڑھا لیا، اور خود رومی شہنشاہوں نے بجائے شاہانہ سطوت کے مذہبی تقدس و عظمت کا رنگ نہ اختیار کر لیا، غرض مذہبی رنگ جس تحریک پر چڑھا دیا جاتا ہے وہ بہت جلد کامیاب ہو جاتی ہے،

پھر لیبان ایک دوسرے موقع پر اس مذہبی رنگ کی جس سے حکومتوں کی سطوت و شوکت میں اضافہ ہوتا ہے حسب ذیل تشریح کرتا ہے،

"انسان میں اصلی دینداری کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنی رائے اپنی مرضی اور اپنی ذات کو کسی معبود کی مرضی، اور اس کے ارادہ پر چھوڑ دیتا ہے اور اپنی مرضی کو اس کی مرضی کے اندر بالکل فنا کر دیتا ہے جب یہ اعتقادی کیفیت انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے، تو اس وقت تمام دوسرے خیالات کے گرد و غبار سے اس کا شیشۂ دل پاک و صاف ہو جاتا ہے، اور اس وقت اس کے تمام افعال و اعمال کا محور اور مرجع وحید صرف وہی ذات ہوتی ہے جس کی مرضی اور شخصیت کے اندر اس نے اپنی مرضی اور شخصیت کو فنا کر دیا ہے"

اس فقرہ میں لیبان نے تصریح کر دی ہے کہ افعال جماعت پر مذہب کا جو اثر ہوتا ہے اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ افراد کی شخصیتیں اور افراد کے ذاتی ارادے سب کا رخ ایک خاص مقصد کی جانب ہوتا ہے، ایک خاص معبود کا خیال (خواہ یہ معبود کسی رنگ میں ہو) تمام افراد پر اس قدر مستولی ہو جاتا ہے، کہ تمام دوسرے خیالات، ذاتی رنجشیں، کدورتیں اور خود غرضیاں سب دور ہو جاتی ہیں، اور تمام افراد ہمہ تن ایک خاص خیال میں محو ہو جاتے ہیں، اب اگر اس فقرہ کو اس پچھلے فقرے سے ملاؤ جو اوپر مذکور ہو چکا ہے، تو ان دونوں فقروں کا حاصل یہ ہوگا کہ سلطنتوں کو شوکت و سطوت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ کسی مذہبی رنگ سے

سیاسی اغراض کو تقویت نہ پہونچائی جائے اور وہ مذہبی رنگ یہ ہے کہ کسی مافوق العادت معبود کی عبادت واطاعت کا خیال افراد پر مستولی کر دیا جائے، تاکہ تمام دوسرے خیالات دماغوں سے بالکل نکل جائیں، چونکہ اس وقت ایک ہی خیال تمام افراد پر مستولی ہوتا ہے، اسی لئے افراد کی ذاتی رنجشیں اور کدورتیں فنا ہو جاتی ہیں، اور تمام لوگ ایک مقصد کے درپے ہوتے ہیں یہ راز ہوتا ہے حکومتوں کی تقویت کا،

یہ **لیبان** کا بیان ہے، لیکن **ابن خلدون** نے بھی ایک خاص فصل میں دعوی کیا ہے کہ بڑی بڑی حکومتوں کے قیام کا راز کوئی خاص مذہبی تحریک ہوا کرتی ہے، جو سیاسی اغراض کے اندر مضمر ہوتی ہے،

ابن خلدون کہتا ہے :-

،،حکومت بغیر غلبہ کے حاصل نہیں ہوتی، اور غلبہ کے حصول کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ وہ گروہ جو غلبہ حاصل کر رہا ہے متحد الخیال ہو، بات یہ ہے کہ جب لوگوں کی خواہشوں میں اختلاف اور خیالات میں تضاد ہوتا ہے، اور لوگوں کا میلان دنیا کی جانب ہوتا ہے تو اس وقت آپس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے لیکن جب لوگوں کی توجہ کسی خاص مقصد کی تحصیل کی جانب مبذول ہوتی ہے اور سب کی توجہ خدا کی جانب ہوتی ہے تو اس وقت آپس کا اختلاف مٹ جاتا ہے، ہر شخص ایک دوسرے کی اعانت کرتا ہے، اور اس طرح باہمی معاونت ومساعدت کے ذریعہ سے حکومت کی سطوت وشوکت میں ترقی ہو جاتی ہے[1]،،

اس کے بعد دوسری فصل میں **ابن خلدون** دوسرا یہ دعوی کرتا ہے کہ سیاسی اغراض

[1] مقدمۂ ابن خلدون صفحہ ،،،

مذہبی پردے میں، اگر حاصل کی جاتی ہیں تو ان اغراض کے حصول میں آسانی ہوتی ہے اس دعوے پر ابن خلدون نے جو دلیل قائم کی ہے وہ حسب ذیل ہے :-

"جو فریق اپنے سیاسی اغراض کو مذہبی پردے میں حاصل کرنا چاہتا ہے، چونکہ اس گروہ کے افراد میں ذاتی رنجشوں اور کدورتوں کا نام ونشان نہیں ہوتا اور سب کا منتہائے مقصود متعین ہوتا ہے، اس لئے اس فریق کا ہر ہر فرد منتہائے مقصود کے حاصل کرنے میں اپنی جان تک لڑا دیتا ہے بخلاف فریق مقابل کے کہ اس کی قوت خواہ کتنی ہی زیادہ ہو مگر چونکہ اس کا کوئی خاص قبلۂ مقصد نہیں ہوتا، اس لئے وہ اپنی جان ویسی نہیں لڑاتا جس طرح پہلا فریق لڑاتا ہے[1]"

ابن خلدون اور لیبان دونوں کے مندرجہ بالا اقتباسات بالکل متقارب المعنی ہیں اور اس باب میں دونوں کی تحقیق یکساں ہے،

حاصل یہ کہ لیبان نے جس طرح پر علم نفسیات جماعت کے اصول و فروع کو مدون کیا ہے اس موضوع پر گو علمائے اسلام میں سے کسی نے مستقلاً کچھ نہیں لکھا تاہم اسلامی لٹریچر میں علم الخطابت یا مباحث تاریخی کے ضمن میں اشارۃً وکنایۃً جو کچھ مواد موجود ہے، اس سے اس فن پر ہلکی سی روشنی ضرور پڑتی ہے، اور اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ گو کسی خاص ترتیب کے ساتھ لیبان کے نظریات اور علم نفسیات جماعت کے مسائل سے اسلامی لٹریچر خالی ہے، تاہم اسلامی لٹریچر اس فن کے مسائل سے بالکل ناآشنا نہیں ہے،

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ،،

مقدمۂ مولف

ہم اپنی پہلی تصنیف میں قبائل کے نفسانی حالات سے بحث کر چکے ہیں، اب اس کتاب میں جماعتوں کے نفسانی حالات سے بحث کرتے ہیں،

ہر قبیلہ کی روح چند اوصاف اور خصائل کے مجموعہ سے پیدا ہوتی ہے، جو اس کے افراد میں وراثتہ چلے آتے ہیں، لیکن جب یہ افراد یکجا ہو کر کوئی کام کرنے کیلئے اٹھتے ہیں تو اس اجتماع سے چند جدید نفسانی حالات پیدا ہوتے ہیں جو موروثی خصائل کے مطابق اور بسا اوقات اُن کے مخالف ہوتے ہیں،

قوموں کی زندگی پر ہمیشہ منتظم جماعتوں کا بہت بڑا اثر پڑتا رہا ہے، لیکن اس زمانہ میں یہ اثر جس حد تک پہونچ گیا ہے، اس حد تک کسی زمانہ میں نہیں پہونچا تھا، کیونکہ ہمارے زمانہ میں جماعتوں کا یہ غیر ارادی اثر افراد کے اس اثر کا قائم مقام ہو گیا ہے، جس کے ساتھ ان کا طبعی ارادہ شامل ہوتا ہے، اور آج یہ اثر موجودہ زمانہ کے خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے۔

جماعت کے موضوع پر باوجود اس کی مشکلات کے میں صرف علمی وسائل سے بحث کرنا چاہتا ہوں، یعنی میں اس طریقہ کو اختیار کرنا چاہتا ہوں جس کی بنا علمی قواعد پر ہے، اور ان آراء نظریات اور مذاہب کی جانب متوجہ نہیں ہونا چاہتا جو بطور مسلمات کے مان لئے گئے ہیں، کیونکہ ہمارے موضوع بحث کی طرح جب کوئی موضوع ایسا ہو جس میں فکروں کو جولانی کا موقع ملے، تو اس میں حقیقت گم شدہ تک پہونچنے کا مجھے صرف یہی ایک ذریعہ نظر آتا ہے، ایک ماہر فن جو اپنی بحث سے کسی بات کو ثابت کرنا چاہتا ہے اسکی پروا نہیں کرتا کہ اس کی اس بحث سے کن مصالح اور منافع

کو صدمہ پہونچتا ہے، موسیو گوبلٹ ڈی الویلا نے جو ایک زبردست مفکر ہے، اپنی ایک حال کی تصنیف کی بابت یہ خیال ظاہر کیا ہے:-

"میں نے اِس کتاب میں ان خیالات سے اکثر جگہ اختلاف کیا ہے، جو موجودہ زمانہ میں متفق علیہ قرار دیئے گئے ہیں کیونکہ میں کسی کا مقلد نہیں ہوں"

مجھے یقین ہے کہ میری یہ تصنیف بھی میری اور سابقہ تصانیف کا درجہ حاصل کرے گی کیونکہ میرا خیال یہ ہے کہ کسی مذہب میں شامل ہو جانے سے اپنے افکار کو محدود کر دینا اور اس کے خیالات کا پابند ہو جانا ضروری ہو جاتا ہے،

تاہم ناظرین کو یہ بتا دینا میرا فرض ہے کہ وہ کیا سبب ہے جسکی بنا پر میرے اخذ کردہ نتائج بادی النظر میں ان مباحث کے لازمی نتائج سے مختلف ہوتے ہیں؟ میں نے ایک مقام پر یہ ثابت کیا ہے، کہ ہر جماعت کی قوت فکریہ یہاں تک کہ ان جماعتوں کی بھی جو اہل فضل و کمال سے مرکب ہوتی ہیں انحطاط پذیر ہوتی ہے، پھر یہ بھی میرا خیال ہے کہ باوجود اس دماغی انحطاط کے نظام جماعت میں خلل انداز ہونا ان کے شیرازے کو پراگندہ کر دینا ہے، لیکن بات یہ ہے کہ تاریخی حوادث میں زیادہ غور و فکر کرنے سے میں ہمیشہ اس نتیجہ تک پہونچا ہوں کہ افراد کی طرح انسانی جماعتوں کی تنظیم و ترتیب بھی بمشکل عمل میں آتی ہے، اِس لئے ان کے حالات میں دفعۃً تغیر پیدا کرنا ہماری دسترس سے باہر ہے، فطرت البتہ ان کے حالات میں انقلاب کلی پیدا کر سکتی ہے، لیکن یہ تغیر ہمارے ارادے کا پابند نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ گو بعض لوگوں کے اس خیال کو کہ قوموں کی حالت میں پوری اصلاح ہو جائے عقل اچھا سمجھتی ہے، لیکن اس خیال نے قوموں پر بہت برا اثر کیا کیونکہ یہ اصلاحیں صرف اس وقت مفید ہو سکتی

ہیں، جب قومی روح کو دفعتہً بدل دیا جائے لیکن یہ قدرت صرف زمانہ ہی کو حاصل ہے، تمام انسان اپنے جذبات واحساسات اور عادتوں کے محکوم ہوتے ہیں، اور یہ تمام چیزیں ہمارے اندر موجود ہیں، اور قوانین ونظامِ حکومت تو محض ہمارے نفس کا ایک پرتو اور اس کی ضروریات کے ترجمان ہیں، لیکن چونکہ نفس ہی ان قوانین ونظامِ حکومت کا مبدء ہے، اس لئے وہ خود ان کو بدل نہیں سکتا،

جاننا چاہئے کہ اجتماعی حالات کی بحث کو ان اقوام کی بحث سے علحدہ کرنا صحیح نہیں ہے، جن میں وہ حالات پائے جاتے ہیں، کیونکہ اگرچہ عقلی ونظری حیثیت سے یہ صحیح ہے کہ ان حالات کی کوئی قدر وقیمت ہے، لیکن بلحاظ عمل ان کی قدر وقیمت ہمیشہ اقوام کی نسبت سے ہوتی ہے،

پس کسی قوم کی اجتماعی حالت پر بحث کرنے کی غرض سے اس پر دو مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالنا مناسب ہے، اس وقت یہ بھی معلوم ہوگا کہ محض نظری تعلیم عملی تعلیم سے کس قدر مختلف ہوتی ہے، اور کوئی نتیجہ (حتی کہ علوم طبعیہ کے نتائج بھی) اس کلیہ سے بہت کم مستثنیٰ ہوسکتے ہیں، مثال کے طور پر دائرہ کو لو، کلی طور پر اس کی شکل وہی ہندسی شکل ہے جو اصول وقواعد کے تحت میں داخل ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ آنکھ کے سامنے مختلف صورتوں میں آتا ہے، کبھی تم اس کو ستون کی صورت میں دیکھتے ہو، اور کبھی وہ تمھارے سامنے مربع شکل میں آتا ہے، کبھی دائرہ ایک نامکمل ٹکڑا ہوتا ہے، اور وہ خط مستقیم کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے، لیکن باوجود اس کے ان ظاہری شکلوں کا لحاظ اصلی اور حقیقی اشکال سے زیادہ کرنا چاہئے، کیونکہ یہی ظاہری شکلیں، ہماری نظر کے سامنے آتی ہیں، اور ہم انھیں کا نقشہ یا فوٹو کھینچ سکتے ہیں، اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے، کہ بعض اوقات ظاہری صورت اصلی صورت سے زیادہ حقیقت رکھتی ہے، کیونکہ ہندسی اصول کے مطابق ہندسی اشکال کی تشخیص وتعیین کے یہ معنی ہیں کہ ان کی اس حقیقت کو بگاڑ دیا جائے، اور وہ

لوگوں کی نگاہ سے چھپا دی جائیں۔ اس بنا پر اگر ہم ایک ایسی دنیا فرض کریں جس کے رہنے
والوں کو چیزوں کی تصویر کھینچنے کے سوا ان کے چھونے کی قدرت نہ ہو، تو ان کے لئے انکی
حقیقی صورت کا تصور قائم کرنا مشکل ہوگا پس معلوم ہوا کہ عملی حیثیت سے خارجی اشکال کی
کتنی اہمیت ہے، اور عام لوگ ہندسی اشکال کو صرف ان کی شکلوں ہی سے سمجھ سکتے ہیں،

پس وہ فلسفی جو اجتماعی حالات سے بحث کر رہا ہے، اس کا فرض ہے، کہ علمی قدر و قیمت کے مقابل
میں ان حالات کی عملی قدر و قیمت سے بھی غافل نہ رہے کیونکہ تمدنی تغیرات میں ان عملی حالات کو بہت کچھ اہمیت حاصل ہے، اور
اگر انکا لحاظ رکھا جائے تو خالی منطق سے جو بے سر و پا نتائج حاصل ہوتے ہیں انکی صحت پر یقین کر لینے سے احتیاط ہو جاتی ہے،

اس کے علاوہ چند اور اسباب ہیں جن سے یہ احتیاط برتنے کی ضرورت ثابت ہوتی ہے،

(۱) چونکہ اجتماعی حالات نہایت مشکل اور پیچیدہ ہوتے ہیں، اس لئے ان اسباب کا احاطہ کرنا
اور ان کے باہمی فعل و اثر کو پہچاننا سخت دشوار امر ہے،

(۲) ظاہری حوادث کی تہ میں کثرت سے چھپے ہوئے مؤثرات ہوتے ہیں جو نظر نہیں پڑتے
اور یہ ظاہری حوادث کسی نہ کسی عظیم الشان عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں جو ہمارے علم و بحث سے بالاتر ہے

ظاہری حوادث کی مثال اُمنڈنے والی موجوں سے دی جا سکتی ہے، جو سطحِ آب پر سمندر
کے اس اندرونی تلاطم کا پتہ دیتی ہیں، جو ہماری نظر سے غائب ہے، جماعتوں کے حالات
میں غور و فکر کرنے سے بعض اوقات تو ہمیں یہ نظر آتا ہے، کہ ان سے یہ افعال ایسی حالت
میں سرزد ہو رہے ہیں جس سے ان کے قوائے مدرکہ کے انحطاط کا پتہ لگتا ہے، لیکن
دوسرے وقت ان کے دوسرے افعال و اعمال کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک
پوشیدہ طاقت کے زیر اثر ہیں جسے اگلے لوگ مقدر، یا طبیعت یا دست غیب کی امداد سے تعبیر کرتے
تھے، اور اس زمانہ کے لوگ اسے مردوں کی آواز سے تعبیر کرتے ہیں،

حاصل یہ کہ گو ہم جماعت کی اس قوت کی حقیقت سے ناواقف ہوں لیکن ہم اس کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے اور یہی قوت قوموں کے تمام اندرونی اور بیرونی نظام میں مخفی طور پر کام کیا کرتی ہے، کوئی شے تم کو زبان سے زیادہ پیچیدہ، زیادہ خوش نما، اور زیادہ دقیق النظام نہ ملے گی، لیکن جانتے ہو کہ اس کا مصدر کون ہے؟ اس کا مصدر وہی بے حس وشعور روح ہے جو جماعت کے قالب میں مخفی رہتی ہے، دیکھو اکاڈیمیاں اور ماہرین فن نحو کس کس طرح اس کوشش میں اپنی جان کھپاتے ہیں، کہ زبان کے قواعد کی تدوین کریں لیکن بالآخر اس کوشش میں ناکامیاب رہتے ہیں، اسی طرح ہمیں یہ بھی یقین نہیں آتا کہ وہ بلند خیالات جو باکمال رہبران قوم پیدا کرتے ہیں وہ خود ان کے اعمال دماغی کے نتائج ہوتے ہیں بلا شبہ یہ صحیح ہے کہ وہ ان خیالات کے موجد ہوتے ہیں، لیکن ہم کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ خاک کے وہ ذرے جن کے تودے پر ان افکار نے نشوونما حاصل کی، ان کو جماعتوں کی اس مخفی روح نے پیدا کیا ہے جو پوشیدہ طور پر جماعت پر حکمراں ہے،

جماعتوں کو کام کرتے وقت کبھی اپنے عمل کا احساس نہیں ہوتا اور در اصل یہی ان کی طاقت کا راز ہوتا ہے، لیکن با ایں ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اشخاص جو صرف الہام کے مطیع ہوتے ہیں، ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جن کے سمجھنے سے عقل حیرت زدہ رہ جاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ عالم انسانیت میں عقل ایک نئی اور ناقص شے ہے، اس لئے ہماری عقل کو اس بات کی قدرت نہیں کہ وہ افعال جو غیر شعوری حالت میں انسان سے صادر ہوتے ہیں ان کے قوانین و اصول سے وہ واقف ہو سکے، اور یہ تو بہت بعید ہے، کہ ہم ان افعال کے ایک قانون کو دوسرے قانون کی جگہ پر لاکر رکھدیں، تمام انسانی افعال میں غیر شعوری قوت سب سے زیادہ اور عقل کا حصہ سب سے کم ہے، اور غیر شعوری قوت ایک مخفی طاقت

کے مانند فعل و اثر کرتی ہے،

اس بنا پر اگر ہم معرفت اشیار کے ان محفوظ اور تنگ حدود پر ٹھہر جانا چاہتے ہیں اور مبہم ظنیات اور غیر مفید فرضیات کے میدان میں سرگشتہ ہونا نہیں چاہتے تو ہم کو صرف ان حوادث کی بحث پر اکتفا کرنا چاہیئے جو ہمارے حواس کے سامنے ہیں، ان مشاہدات کی بنا پر جو نتائج حاصل ہوں گے وہ محض سرسری ہوں گے، کیونکہ ان عام حوادث کی آڑ میں جن کو ہم علانیہ دیکھتے ہیں ایسے حوادث بھی موجود ہیں جو ردیائے کا ذبہ کی صورت میں ہمکو نظر آتے ہیں اور انکی آڑ میں بعض ایسے حوادث ہوتے ہیں جو ہم کو مطلق نظر نہیں آتے،

تمہید

جماعتوں کا دور

زمانہ حال کا انقلاب، تمدن کے عظیم الشان انقلابات قوموں کے خیالات کا نتیجہ ہوتے ہیں، جماعت کی طاقت کی نسبت زمانہ حال کے لوگوں کے خیالات، یہ خیالات سلطنتوں کی مقلدانہ سیاست کو ادل بدل رہے ہیں، قوم کو کس طرح غلبہ حاصل ہوتا ہے، اور اس غلبہ کی رفتار کیا ہے، جماعت کے تسلّط کے لازمی نتائج، جماعتیں صرف بگاڑ سکتی ہیں، بنا نہیں سکتیں جماعتیں اس تمدن کو مٹا دیتی ہیں جس کی بنیاد کمزور ہو گئی ہو، جماعتوں کے احوال نفسیہ سے بیخبری، صاحب شریعت اور اہل سیاست کے لئے ان حالات سے واقف ہونیکی اہمیت،

دنیا کے واقعات کو سرسری نگاہ سے دیکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ عظیم الشان انقلابات جو اقوام کے تمدن میں تغیر پیدا ہونے سے پہلے پیدا ہوتے ہیں (مثلاً سلطنت روما کا زوال، اور عربی حکومت کا قیام) کسی بڑے سیاسی تغیر کا نتیجہ ہوتے ہیں، مثلاً بعض قوموں کا بعض پر حملہ آور ہونا اور تخت سلطنت کا ہاتھ سے نکل جانا وغیرہ وغیرہ، لیکن اگر ان واقعات پر گہری نظر ڈالو

تو معلوم ہوگا کہ ان کے ظاہری اسباب کے علاوہ ان کا حقیقی سبب قوموں کے خیالات کا عام انقلاب ہے، پس اہل نظر کو جس بات سے حیرت ہونا چاہیئے وہ یہ عظیم الشان سیاسی تغیرات نہیں ہیں بلکہ قابل اعتبار صرف وہ تغیر ہے جو کسی قوم کے افکار خیالات اور اعتقادات میں واقع ہوتا ہے، اور حقیقت میں یہ عظیم الشان تغیرات جو صفحات تاریخ پر باقی رہیں گے، اس مخفی تغیر کے ظاہری آثار ہوتے ہیں جو لوگوں کے خیالات میں پیدا ہوتا ہے، لیکن اگر یہ واقعات بہت نادر الوقوع ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ قوموں کے اخلاق میں سب سے زیادہ پایدار وہ موروثی خیالات ہیں جو ان کے آبا و اجداد سے ان کو وراثتہً ملے ہیں،

انسان کی تاریخ میں کوئی ایسا دور نہ گذرا ہوگا جسمیں انسانی افکار کے اندر اتنا عظیم الشان تغیر واقع ہوا ہو جتنا ہمارے زمانہ میں واقع ہوا ہے، اور اسکے اصلی سبب دو ہیں:-

(۱) ان تمام دینی سیاسی اور اجتماعی معتقدات کی بنیادیں ایک دم متزلزل ہو گئی ہیں جو موجودہ تمدن کی بنا ہیں،

(۲) موجودہ زمانہ کے علمی اور صنعتی انکشافات کی بدولت زندگی میں نئے حالات اور جدید افکار پیدا ہو گئے ہیں، اور چونکہ پرانے افکار کا بھی پورے طور پر زوال نہیں ہوا ہے، اس لئے انکی قوت ابتک باقی ہے، اور جو افکار انکی جگہ لے رہے ہیں وہ ابھی دور تکون اور ابتدائی حالت میں ہیں اس لئے موجودہ زمانہ تغیر و اضطراب کا زمانہ ہے،

اس امر کی نسبت پیشین گوئی کرنا کہ آگے بڑھکر موجودہ بےچینی سے کیا نتیجہ پیدا ہوگا، اسی طرح دشوار ہے جسطرح ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ کن افکار اور خیالات پر آنے والی قوموں کے تمدن کی بنیاد ہوگی البتہ ہم ابھی سے اتنا جانتے ہیں، کہ ان قوموں کے آگے ایک عظیم الشان اور زبردست قوت ہوگی اور اس کا لحاظ کرنا ان کے لئے ضروری ہوگا، اس قوت سے

میری مراد جماعتوں کی قوت ہے، یہ وہ طاقت ہے جو آج تک صرف بوسیدہ خیالات کے ان مٹے ہوئے نشانات پر جنکو لوگ حقیقت سمجھتے تھے قائم ہے، وہ مردہ ہو گئی تھی، لیکن ان مختلف شورشوں کے بعد جنھوں نے ان دوسری قوتوں کے اثر کو بالکل دبا دیا جو پہلے انسان پر حکومت کرتی تھیں وہ دوبارہ پھر زندہ ہو گئی، اور نظر آتا ہے کہ وہ عنقریب اپنے ماسوا سب کو فنا کر دے گی، تم دیکھتے ہو کہ ہمارے قدیم اعتقادات اپنی کمزور بنیادوں کی بدولت لرز رہے ہیں اور قدیم تمدن کے ستون ایک دوسرے پر گر رہے ہیں، اور صرف جماعت ہی کا ایک غلبہ ہے جسکو کوئی روکنے والا نہیں رہا ہے، بلکہ وہ برابر بڑھتا جاتا ہے، اور اس بنا پر جس زمانہ کی جانب ہم بڑھ رہے ہیں وہ لازمی طور پر **جماعتوں کا دور** ہے،

تقریباً ایک صدی ادھر تاریخی حوادث و واقعات پر حکومتوں کی آبائی اور موروثی سیاست اور بادشاہوں کے ذاتی جھگڑوں کا اثر حاوی تھا، لیکن آج تقلیدی سیاست کا کوئی وزن اور بادشاہوں کے شخصی جھگڑوں کا کوئی اثر نہیں رہا، بلکہ جو غلبہ ہے، وہ جماعتوں کی آواز کو ہے، وہی بادشاہوں کا رویہ مقرر کرتی ہیں اور سلاطین اس کوشش میں رہتے ہیں کہ ان کی آوازوں پر کان لگائیں اور اب قوموں کے طریق کار کا رخ امراء کے مشورہ کی جانب نہیں رہا بلکہ جماعتوں کی روح کے جانب ہے،

پس تغیرات کا یہ دور جسمیں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں، اس کی ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ قوموں کی حالت میں تغیر ہو گیا ہے، اور اگر پہلے عنان سلطنت افراد کے ہاتھوں میں تھی، تو اب جماعتوں کے ہاتھوں میں آگئی ہے، بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اس زمانہ میں چونکہ حق انتخاب عام کر دیا گیا ہے، اس لئے جماعتوں کو غلبہ حاصل ہو گیا ہے، لیکن یہ حق تو ایک عرصہ سے لوگوں کو حاصل تھا، اور یہ حالت

جوآج پیدا ہوئی ہے وہ پہلے نہ تھی حقیقت یہ ہے کہ جماعت کا تسلط پہلے ان افکار کے پھیلنے سے بتدریج بڑھتا گیا، جو زمانہ حال میں ذہنوں کے اندر راسخ ہو گئے ہیں، پھر اس کے بعد جب سے لوگوں نے اجتماعی قوت کے اثر کو حصول مقاصد کا ذریعہ بنانا شروع کیا، اس وقت سے جماعتوں نے غلبہ حاصل کر لیا، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ جماعتوں کو اپنے منافع اور اپنی زبردست قوت کا بھی احساس پیدا ہو گیا، اب جماعتیں کمپنیاں اور مختلف تجارتی بینک قائم کرتی ہیں جنکا مقصد یہ ہے کہ تقسیم عمل اور اجرت پر تسلط حاصل کر لیا جائے اگرچہ اس میں قواعد اقتصاد اور ثروت عامہ کے اصول تدن کے خلاف کرنا پڑے،

اسی اثر کا نتیجہ ہے کہ آج جماعتیں نیابی مجالس میں ایسے ممبر منتخب کر کے بھیجتی ہیں جو شخصی رائے اور استقلال ذاتی سے مجرد ہوتے ہیں، اور انکی رائے منتخب کرنیوالی جماعتوں کی رائے کے سوا کچھ نہیں ہوتی،

جماعت کو غلبہ ہو جانے کے باعث اس کے مطالبات اب زیادہ واضح ہوتے جاتے ہیں، اور اس کا مقصد بجز اس کے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ ہیئت اجتماعی کے موجودہ نظام میں سرے سے انقلاب پیدا کر دیا جائے، تاکہ مساوات کی وہ پہلی حالت عود کر آئے جو آفتاب تمدن کے طلوع ہونے کے بیشتر مختلف قبائل میں پائی جاتی تھی،

جماعتوں کا ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ اوقات عمل کی تعیین کر دی جائے، اور ریلوے کارخانے اور کانیں کسی کی ملکیت نہ رہیں نیز یہ کہ تمام لوگ منافع سے برابر متمتع ہوں، اور ادنی طبقات کو اعلی طبقات کے مساوی کر دیا جائے،

یہ بڑی مشکل ہے کہ جماعتیں غور و فکر سے زیادہ عمل پر قدرت رکھتی ہیں، اور

اپنے موجودہ نظام کی بدولت انھیں بڑی قوت حاصل ہوگئی ہے، پس عنقریب وہ
معتقدات و مذاہب جو ابھی دورِ طفولیت میں ہیں ان مذاہب و معتقدات کی طرح
افکار پر غلبہ حاصل کرلیں گے، جو پہلے کسی زمانہ میں ذہنوں میں راسخ تھے، یعنی ان کی
طاقت اس قدر بڑھ جائیگی کہ ان کے سامنے تمام دوسرے اثرات ہیچ ہوجائیں گے
اور اس وقت جماعت کے مقدس حقوق بادشاہوں کے مقدس حقوق کی جگہ لے کر
قابل تقدیس اور مافوق البحث بن جائیں گے،

جماعت کے اثر اور غلبہ کی یہ حالت دیکھکر ان اہل قلم اصحاب کے دلوں
پر خوف طاری ہوگیا ہے جو اقوام کے طبقۂ متوسطہ میں ایک خاص منزلت رکھتے
ہیں اور جو اس طبقہ کے افکار و خیالات کے بہت بڑے حامل ہیں، ان لوگوں کو
اس جدید تسلط سے جو برابر بڑھتا جارہا ہے، خوف پیدا ہوا، افکار میں جو اضطراب
پیدا ہوگیا ہے، اس کا انھوں نے مقابلہ کرنا چاہا اور کنیسہ کی جانب یہ لوگ استغاثہ
لے کر گئے کہ شاید وہ اپنے روحانی اثر اور اخلاقی غلبہ کے بل پر انکی کچھ مدد کرے
حالانکہ پیشتر یہ لوگ خود اس کی سخت اہانت کرتے تھے، اور اب بھی لوگ پکار
پکار کر کہتے ہیں کہ علم اپنے افلاس کی وجہ سے تہذیب نفس کا فرض نہیں انجام
دے سکتا اور اب ہماری قسمت کنیسہ کے ہاتھ میں ہے، یہ لوگ روم سے توبہ کرکر
کے پلٹتے ہیں اور ہم کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ ہم پھر وحی و الہام کی جانب
رجوع کریں، حالانکہ وہ اس بات کو بھولے بیٹھے ہیں کہ اب وقت گذر چکا، بے شبہ
ہم مانتے ہیں کہ خدا کا دریائے فیض پھر جوش میں آیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو توبہ و استغفار کی توفیق
ہوئی ہے تاہم جماعت پر اب اسکا فیض کا نہ کچھ اثر ہو سکتا ہے، اور نہ وہ ان واقعات کی

پیدا کرتی ہے جو ان زہاد کے قلوب میں اضطراب اور گھبراہٹ پیدا کررہے ہیں،
پس اب وہ کبھی ان معبودوں کی جانب مائل نہ ہوگی جن سے خود یہ لوگ پہلے نفرت
پیدا کراچکے ہیں اور جن کے اثر کے برباد کرنے میں ان لوگوں کو ایک خاص مداخلت
تھی نہر کے بند کو جب کہ وہ ٹوٹ چکا ہو باندھ دینا انسان اور خدا دونوں کی
طاقت سے باہر ہے،

لوگ کہتے ہیں کہ علم اپنی غربت اور افلاس کی وجہ سے تہذیب نفوس کا
فرض نہیں انجام دیسکتا حالانکہ واقعہ یہ ہے علم غریب و مفلس نہیں ہوا ہے اور
وہ اس اضطراب کے پیدا کرنے میں جو افکار کے اندر پیدا ہوگیا ہے، اور جماعت
کے تسلط کو ترقی دینے میں جو اضطراب کی بدولت بڑھ رہا ہے، بالکل بے گناہ
ہے، علم نے ہم سے صرف اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ وہ اسرار عالم کو کھولدیگا
یا کم از کم اشیا کی باہمی نسبتوں کو بتا دیگا، اس نے کبھی اس بات کا وعدہ نہیں کیا
تھا کہ وہ ہمیشہ امن و صلح کی ذمہ داری کرتا ہے علم جماد محض ہے کہ ہمارے خدمات
کا احساس اسے نہیں ہوتا اور بہرا ہے کہ ہماری چیخ پکار اس تک نہیں پہونچتی، یہ
صرف ہمارا فرض ہے کہ ہم ہمیشہ اس سے اتحاد اور دوستی قائم رکھیں، پس علم کی
روشنی کے سامنے جو توہمات مٹ گئے ہیں اُن کو ئی چیز دوبارہ اب ہمارے
سامنے نہیں لاسکتی،

تمام اقوام میں ایسی کھلی ہوئی اور ظاہری علامتیں پائی جاتی ہیں جن سے پتہ
چلتا ہے کہ جماعت کا اثر اور غلبہ آیندہ جلد جلد ترقی کریگا اور اب وہ کسی حد پر نہیں
ٹھہر سکتا ہم جماعت کے تابع فرمان ہیں اور ہمیں تمام وہ نتائج برداشت کرنا

ہیں، جو جماعت کے غلبہ سے پیدا ہوں گے، اس لئے اس بارے میں کچھ گفتگو کرنا بیکار ہے، ممکن ہے کہ عنانِ حکومت کا جماعت کے ہاتھوں میں آجانا تمدن مغرب کے زوال کا پیش خیمہ ہو اور مغرب میں طوائف الملوکی پیدا ہو جائے جس کی بابت خیال کیا جاتا ہے کہ اس مرتبہ کا طے کرنا ہر قوم کے لئے ضروری ہے، لیکن جو ہونے والا ہے ہو کر رہے گا،

بات یہ ہے کہ ابتک جماعتوں نے جو کام کئے ہیں، انکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ایوانِ تمدن کے منہدم کرنے میں ایک خاص مداخلت ہوتی ہے تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب کسی قوم کی اخلاقی قوتیں جنپر اسکی ترقی کا مدار ہے، کمزور ہوجاتی ہیں تو نیم شعور وحشی جماعتوں کے ہاتھوں اس قوم کا خاتمہ ہوجاتا ہے، برخلاف اس کے تمدن کی بنیاد قائم کرنے والے اور اس کو مضبوط کرنے والے وہ چند مخصوص لوگ ہوتے ہیں جو عالی دماغی اور دوربینی میں خاص امتیاز رکھتے ہیں، لیکن جماعت کا کوئی اس قسم کا فعل ابتک دیکھنے میں نہیں آیا، وہ صرف بگاڑنے کی قدرت رکھتی ہے، اور وحشیانہ حکومت کرتی ہے، بخلاف اس کے جن افراد کی بدولت قومیں ترقی پاتی ہیں وہ نہایت عزم واستقلال کے ساتھ عقلی احکام کی پابندی کرتی ہیں انکی نظر ہمیشہ مستقبل پر رہتی ہے علم وتہذیب ان کے زیور ہوتے ہیں اور عقل ان کی رہنمائی کرتی ہے، حالانکہ جماعتوں نے اس بات کا یقین دلادیا ہے کہ وہ اپنے اصلی رنگ میں رہکر ان وسائل پر عمل کرنے سے بالکل قاصر ہیں، جماعتوں میں تباہ کرنے کی جو قوت ہوتی ہے اسکی حالت ان بیماریوں کی سی ہے جو بہت جلد کمزور جسموں کو فنا کردیتی ہیں، اسی لئے جب کسی تمدن کی ہڈیاں کھوکھلی ہوجاتی ہیں تو جماعتیں اس پر غلبہ پاکر تمدن کی بنیاد

کو جڑ سے گرا دیتی ہیں، یہ جماعتوں کا اصلی فعل ہوتا ہے لیکن بادی النظر میں یہ دکھائی دیتا ہے کہ مختلف واقعات کے جمع ہونے سے زمین کا تختہ الٹ گیا،

ہم کو اپنے تمدن کے متعلق بھی یہی خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں اس کا بھی یہی حشر نہ ہو اگرچہ ابھی تک ہمیں اس کا کچھ علم نہیں، بہرحال یورپ کا کچھ ہی انجام ہو اب اسکے سوا کوئی چارہ نہیں کہ جس طرح بن پڑے ہم جماعت کی فرماں برداری کریں، کیونکہ بے عقلی کے ہاتھوں تدریجاً جماعت اس قدر خود سر ہو گئی ہے کہ اب اس کو روکنے والی کوئی قوت باقی نہیں رہی،

جماعتوں کا بیان بڑھتے بڑھتے طویل ہو گیا، حالانکہ ہمیں ان کی بابت بہت کم علم ہے، بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے علم النفس کی جانب توجہ کی انھوں نے جماعتوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور اسی لئے ہمیشہ ان کے حالات سے وہ ناواقف رہے البتہ تھوڑے دنوں سے ان کو کچھ اس جانب توجہ ہوئی ہے، مگر اب بھی انکی نگاہ جس حیثیت سے جماعتوں پر پڑتی ہے، وہ یہ ہے کہ جماعتیں ناروا افعال اور جرائم کا ارتکاب کرتی ہیں، بلاشبہہ یہ صحیح ہے کہ دنیا میں جرائم پیشہ جماعتیں پائی جاتی ہیں، لیکن ان کیساتھ دنیا میں نیک اور بہادر جماعتیں بھی ہیں، پس جماعتوں کو صرف ارتکاب جرائم کی نگاہ سے دیکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم کسی شے پر صرف ایک حیثیت سے نظر ڈالیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس طرح کسی شخص کے صرف ظاہری عیوب کے دیکھ لینے سے اس کے پورے اوصاف اور پورے حالات کا علم نہیں ہو سکتا، اسی طرح صرف اس بات کی واقفیت سے کہ جماعت کبھی ارتکاب جرائم کرتی ہے، جماعت کے پورے حالات کا علم نہیں ہو سکتا،

حالانکہ وہ لوگ جنھوں نے دنیا پر حکومت کی ہے اور جن کے ہاتھوں میں اقوام و ممالک کی عنان حکومت رہی ہے، بانیانِ مذاہب سے لیکر بانیان حکومت تک اور پیغمبران دین سے لیکر مدبرین سیاست تک، حتی کہ وہ لوگ جو چھوٹے چھوٹے قبائل کے سردار رہے ہیں، یہ سب ہمیشہ علم النفس کے ماہر ہوئے ہیں، یہ لوگ جماعت کی روح سے فطرتاً واقف ہوتے تھے اور اکثر اوقات یہ علم انکا صحیح نکلتا تھا، یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں نے بڑی بڑی حکومتوں کی بنیاد ڈالی، نپولین کو دیکھو کہ وہ ان قوموں کے نفسانی حالات سے وسیع واقفیت رکھتا تھا جو اس کے زیر اثر تھیں، لیکن پھر اس کو دیگر اجنبی قوموں کے حالات سے بالکل واقفیت نہ تھی اور یہی حالت اس کے بڑے بڑے مشیروں کی تھی وہ بھی اجنبی قوموں کے حالات سے ناواقف تھے، اس کے مشیر ٹالرانڈ نے ایک بار اس کو لکھا کہ اسپین کے باشندے غنیم سے شریفوں اور بہادروں کی طرح لڑتے ہیں، لیکن جب نپولین نے اسپین پر حملہ کیا تو اس کو ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا جو بالکل مطلق العنان وحشی تھے، اگر اس کو وہاں کے باشندوں کے جذبات سے کچھ بھی واقفیت ہوتی، تو بہت جلد اس کو اصل حالت کا پتہ لگ جاتا، یہی وجہ تھی، کہ نپولین نے جب اسپین اور روس کے ممالک پر حملے کئے، تو وہ ناکام رہا اور اس کو بہت جلد ہزیمت ہوگئی،

اس زمانہ میں جماعتوں کے نفسانی حالات سے واقف ہونا اس قدر ضروری ہوگیا ہے، کہ ہر بڑے سے بڑا سیاست داں اس جانب خاص توجہ کرتا ہے، نہ اس لئے کہ وہ جماعت پر اپنی حکومت اور سیادت قائم کرے (کیونکہ یہ بہت مشکل ہے) بلکہ اس لئے کہ اس ذریعہ سے وہ جماعت کے زور کو گھٹا سکے،

پس اگر ہم یہ بات دریافت کرنا چاہیں کہ جماعت پر نظام حکومت اور رسوم کا اثر کیوں کم پڑتا ہے، تو ہمیں سب سے پہلے جماعت کے نفسانی حالات اور اس کی روح سے واقفیت پیدا کرنا چاہئے، اس سے ہمیں یہ بات بھی معلوم ہو سکے گی کہ جماعت کو کسی رائے کے پیدا کرنے کی قدرت بالکل نہیں ہوتی، یہ باتیں اس کے مقررہ دائرہ سے بالکل خارج ہیں، نیز یہ کہ جماعت پر عقلی اصول اور قوانین کے ذریعہ سے حکومت نہیں کیجا سکتی بلکہ اس پر حکومت صرف ان ذرائع سے کی جا سکتی ہے جو اس پر اثر قائم کر سکیں، اگر کوئی کلکٹر یہ چاہے کہ لوگوں پر ایک جدید ٹیکس مقرر کرے تو اس کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ یہ ٹیکس بلحاظ اصول اقتصاد کے انصاف پر مبنی ہے یا نہیں، کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو بات انصاف سے زیادہ دور ہوتی ہے اسی کو لوگ زیادہ پسند کرتے ہیں، اور اب اگر یہ نیا ٹیکس بظاہر شدید زیرباری کا باعث نہ معلوم ہوگا تو یقیناً لوگ اسے پسند کریں گے یہی وجہ ہے کہ مقررہ ٹیکس کے ادا کرنے میں عوام کو کچھ دقت واقع نہیں ہوتی خواہ اسکی مقدار بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہ اسے قسط بقسط اپنی حاجتوں کو پورا کرتے وقت ادا کرتے رہتے ہیں اور چونکہ وہ اس بھاری ٹیکس سے مانوس ہوتے ہیں، اسلئے وہ ان کو کچھ نہیں کھلتا، لیکن اگر اس ٹیکس کے بجاے انکم ٹیکس یا اور کوئی ٹیکس لگا یا جائے جو انھیں ایکبارگی ادا کرنا پڑے تو اگرچہ اس کی مقدار مقررہ ٹیکس سے دس گنی کیوں نہ کم ہو تاہم وہ اپنی شکایتوں سے آسمان سر پر اٹھا لیں گے، کیونکہ اب بجاے معمولی رقم کے جسے وہ قسط بقسط ادا کرتے تھے، دفعتہً ایک ایسی مقدار کا بوجھ ان کے سر ڈالدیا گیا جو انھیں ایکبارگی ادا کرنا پڑیگی، اور یہی بات جماعت کی ضجریت طبع اور بے چینی کا باعث ہوتی ہے، ہاں البتہ اگر وہ بجاے شور و غل کے کفایت شعاری سے کام لیں،

تو کبھی ان کو یہ خفیف سا ٹیکس بھاری نہ معلوم ہو لیکن یہ ایک ایسا اصول ہے جو غور و فکر کا محتاج ہے اور یہی بات جماعت کی قدرت سے باہر ہے[1]،

مذکورۂ بالا بیان میں ہم نے ٹیکس کے تعین کی مثال جو دی ہے وہ ایک آسان مثال ہے جس کی صحت سے ہر شخص آسانی کے ساتھ واقف ہو سکتا ہے اور نپولین جیسے لوگ تو شاید ان امور سے ناواقف نہ ہوں گے لیکن وہ مصنفین جو اجتماعی زندگی کے حالات سے ناواقف ہیں ان کو ان باتوں کا علم نہیں کیونکہ ان کو یہ بات تجربہ سے نہیں معلوم ہوئی کہ لوگ ہمیشہ عقلی اصول اور قواعد کی پابندی نہیں کرتے ہیں،

اس مثال کے علاوہ ہم بہت سی مثالیں پیش کر سکتے ہیں جو علم روح الاجتماع کے اصول کے مطابق ہیں، اس علم سے ایسے بے شمار اخلاقی اور اجتماعی واقعات کی پوری توجیہ ہو جاتی ہے جنکی حقیقت سے واقف ہونے کا کوئی اور ذریعہ نہیں، اور ہم عنقریب اپنی جگہ پر اس بات کی وجہ بیان کریں گے کہ زمانہ حال کے بعض مؤرخین خصوصاً موسیو ٹائن انقلاب فرانس کے بعض واقعات کی توجیہ کرنے میں کیوں ناکامیاب ہے، اس کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ موسیو ٹائن نے جماعتوں کے نفسانی حالات سے واقفیت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ ان مشکل مباحث میں بھی اس نے مادیین کا وہی طرز اختیار کیا جو عموماً وہ واقعات کی توجیہ کرتے وقت اختیار کرتے ہیں، مادیین بہت کم اخلاقی قوی سے بحث کرتے ہیں،

---

[1] اس کی مثال ہندوستان میں ہاؤس ٹیکس کا واقعہ ہے جس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے مرادآباد میں ہندو و مسلمانوں کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوا اور بہت کچھ شور و غل مچایا گیا، آخر کار گورنمنٹ نے مجبور ہو کر اس تجویز کو ملتوی کر دیا، (مترجم)

حالانکہ انھیں قوتوں کی بنیاد پر تاریخ کی عمارت تعمیر ہوتی ہے،

جماعت کے نفسانی حالات کا معلوم کرنا بے حد ضروری ہے خواہ ہم اس کا علمی حصہ معلوم کریں یا صرف واقعات کی حقیقت دریافت کرلیں، بہر حال جس طرح علم زراعت کی واقفیت کسی قدر فائدہ مند ہوتی ہے، اسی طرح جو افعال انسان سے صادر ہوتے ہیں ان کے اسباب کا دریافت کرنا بھی فائدے سے خالی نہیں،

جماعت کے نفسانی حالات کے متعلق ہماری بحث بہت مختصر اور بطور گذشتہ تصانیف کے خلاصہ کے ہوگی، ناظرین صرف انھیں مسائل سے واقف ہوسکیں گے جو اس فن کے ابتدائی مسائل ہیں کیونکہ میری حالت تو یہ ہے کہ میں نے ایک ایسی زمین پر قدم رکھا ہے جو ایک مدت سے بنجر چھوڑ دی گئی تھی، اس لئے میں تو تمام اصول و فروع کا استقصا کرنے سے قاصر ہوں، البتہ دوسرے لوگوں کو چاہئے کہ ان مسائل میں خوب غور و خوض کرکے اصول و فروع کو ترتیب دیں،

بابِ اوّل

نفسِ اجتماعی کی تشریح و تمثیل

فصلِ اوّل

جماعت کے ممیزاتِ عمومی، قانونِ وحدتِ فکری

علمائے نفسیات کی اصطلاح میں جماعت کی کیا تعریف ہے، کثیر التعداد افراد کا اجتماع تشکیلِ جماعت کے لئے کافی نہیں ہے، جن افراد سے جماعت کی تشکیل ہوتی ہے، ان کے افکار و مشاعر میں اتحاد پیدا ہو جاتا ہے اور انکی شخصیتیں معدوم ہو جاتی ہیں، جماعت ہمیشہ ایک کیفیت نیم شعوری سے مغلوب رہتی ہے، حالتِ اجتماع میں کیفیت شعوری معدوم ہو جاتی ہے اور کیفیت نیم شعوری کا غلبہ ہوتا ہے، قوت عقلیہ انحطاط پذیر ہو جاتی ہے اور احساسات میں تغیر عظیم ہو جاتا ہے، جدید احساسات کے حسن و قبح کا اندازہ ان افراد کی حالتوں کے اعتبار سے ہونا چاہئے جن سے جماعت

کی تشکیل ہوئی ہے، جماعت باسانی شجاعت یا افعال ذمیمہ کی جانب

مائل کی جاسکتی ہے،

متعارف معنی کے لحاظ سے جماعت کا اطلاق ہر اس مجمع پر ہوتا ہے جو چند افراد پر مشتمل ہو، گو ان افراد کی جنسیتیں مختلف اور ان کے اجتماع کے اغراض جدا جدا ہوں لیکن علم نفسیات کے نقطۂ نظر سے اس لفظ کا اطلاق ایک بالکل مختلف معنی پر ہوتا ہے، مجامع کی بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ مجمع کی تشکیل جن افراد سے ہوتی ہے انکی ذاتی حیثیتیں اور انفرادی مشاعر و احساسات ایک غرض اصلی اور مقصد وحید کے اندر بالکل فنا ہوجاتے ہیں اور پورے مجمع پر ایک خاص حالت اور کیفیت طاری ہوجاتی ہے، اس وقت اس مجمع کی حالت دیگر مجامع سے مختلف ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس مجمع کے افراد میں وقتی طور پر ایک عام روح پیدا ہوجاتی ہے، اس حالت پر پہونچ کر افراد کا یہ مجموعہ ایک خاص اجتماعی صورت اختیار کرلیتا ہے، جس کے لئے مجھے زبان میں "مجامع نفسیہ" یا "مجامع منظمہ" سے زیادہ موزوں نام نہیں ملتا، اب یہ جماعت چونکہ ایک ذات بنجاتی ہے، اس لئے "ناموس وحدت فکری" کی مطیع ہوجاتی ہے،

غرض تقریر بالا سے واضح ہوگیا کہ علمائے نفسیات کی اصطلاح میں جماعت کا اطلاق ہمیشہ ان مجامع پر ہوتا ہے جنمیں "ناموس وحدت فکری" مع اپنے دیگر فروع و لوازم کے مؤثر اور عامل وحید ہو اور اگر کسی وسیع سرزمین پر ہزار آدمی بلا کسی خاص مقصد کے عارضی طور پر جمع ہوجائیں، تو وہ علم النفس کی اصطلاح میں جماعت نہ شمار کئے جائینگے بلکہ علمی اصطلاح کی بنا پر جماعت کی تشکیل کیلئے خاص مؤثرات کی ضرورت ہوتی ہے جنکی تشریح میں آگے چلکر کروں گا،

پس ذی شعور ذات کا معدوم ہو جانا، اور احساسات کا جماعت کے مقصد وحید کے اندر فنا ہو جانا علم النفس کے نقطۂ نظر سے جماعت کے یہ دو اصلی وصف ہیں، لیکن ان اوصاف کے نمودار ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بہت سے لوگ ایک جگہ اکھٹا ہوں، بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جماعت نفسیہ کے یہ اوصاف ہزاروں آدمیوں میں پائے جاتے ہیں، جو ادھر اُدھر منتشر ہوتے ہیں، اور ساری قوم میں کوئی زبردست واقعہ ایسا پیش آتا ہے، جو ان کے دلوں پر کوئی سخت اثر پیدا کر دیتا ہے، پس اگر وہ اتفاقیہ طور سے جمع ہو گئے، اور ان کے قلوب اس اثر سے متاثر ہیں تو اسی وقت وہ جماعت کا جامہ پہن لیں گے، پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جماعت صرف دس آدمیوں سے مرکب ہوتی ہے، اور کبھی سو آدمیوں پر بھی، جو اتفاقاً کہیں جمع ہو گئے ہوں، جماعت کا اطلاق نہیں ہوتا، کبھی پوری قوم جماعت ہوتی ہے، جب کہ قوم کے تمام افراد کسی ایک اثر سے متاثر ہو رہے ہوں، گو ان کا ظاہری اجتماع نہ ہو،

پھر جب کسی جماعت کی تشکیل ہو جاتی ہے، تو اس میں دو قسم کے مخصوص اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں:-

۱- ایک وہ جو عموماً تمام جماعتوں میں وقتی طور پر پائے جاتے ہیں، یہ اوصاف اِس قدر صاف اور کھلے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کا شمار ہر شخص آسانی سے کر سکتا ہے، اور

۲- دوسرے وہ اوصاف جو ان افراد کے لحاظ سے جن پر جماعت مشتمل ہے ہر جماعت میں مختلف ہوتے ہیں اور یہ اوصاف بعض اوقات جماعت کی قوت مدرکہ پر بھی اثر کرتی ہیں، اس بنا پر یہ ممکن ہے کہ ہم مختلف انواع پر جماعت کی تقسیم کریں، اور ہم آگے چلکر جب اس تقسیم کو بیان کریں گے، تو اس موقع پر یہ بھی بیان کر دیں گے کہ وہ جماعتیں

جو مختلف عناصر سے مرکب ہوتی ہیں اور وہ جنکی تشکیل متشابہ عناصر سے ہوتی ہے (مثلاً خاندان گروہ۔ ذاتیں) ان دونوں میں چند عام اور جامع اوصاف پائے جاتے ہیں جو بعض کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں، اور بعض اوصاف وہ ہوتے ہیں جن سے باہم ان کو امتیاز حاصل ہوتا ہے،

لیکن قبل اس کے کہ ہم جماعت کے اقسام سے بحث کریں، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے ان اوصاف کی تشریح کردیں جو ہر جماعت میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں، اس میں یہ فائدہ ہے کہ جس طرح علمائے طبیعیات پہلے ان خواص اور اوصاف سے بحث کرتے ہیں جو ایک جاندار کے تمام افراد میں پائے جاتے ہیں پھر اس کے بعد وہ ان اوصاف کا ذکر کرتے ہیں جو اس جاندار کے انواع و اصناف میں امتیاز پیدا کرتے ہیں، اسی طرح ان کی اتباع میں نفسیات میں بھی پہلے ان اوصاف کی تشریح ہوجائیگی جو ہر جماعت میں بالاشتراک پائے جاتے ہیں پھر ان اوصاف کی وضاحت کردیجائیگی جو ہر ہر قسم کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اسطرح علم نفسیات جماعت علم طبیعیات کے پہلو بہ پہلو رہے گا،

لیکن جب ہم جماعتوں کے اوصاف کی باریک اور دقیق تشریح کرنا چاہتے ہیں، تو چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بڑی مشکل تو یہ ہے کہ جماعت جن افراد پر مشتمل ہوتی ہے، بعض کے اوصاف عمومی اور کیریکٹر کو متعین کرنا پڑا ادق طلب کام ہے حالت یہ ہے کہ خود افراد کی زندگی کچھ اس طرح بے ثبات واقع ہوئی ہے کہ افسانوں اور قصوں کے اندر تو خیر ان کے کیریکٹر میں کوئی تغیر نہیں نظر آتا، لیکن چونکہ انسان کے قوائے مدرکہ میں یہ استعداد موجود ہے کہ ماحول اور گردوپیش میں تغیر واقع ہونے پر اس کے کیریکٹر میں

تغیر ہوجائے، اِس لئے، اس کی زندگی بے ثبات اور ناپائدار حوادث اور کیریکٹر کا مجموعہ ہوتی ہے اور ماحول میں کسی نئے تغیر کے وقوع پذیر ہونے پر اس کے کیریکٹر میں ایک انقلاب ہوجاتا ہے انقلاب فرانس کے موقع پر ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو حالت امن میں نہایت صلح پسند تھے لیکن وہ اس موقع پر خوفناک درندوں کے مانند ہو گئے پس جب افراد کے کیریکٹر کی ناپائداری کا یہ حال ہے تو جماعت کے کیریکٹر کو متعین کرنا تو بہت مشکل ہے، بالخصوص جبکہ جماعت کے نظام میں ان قبائل اور خاندانوں کے اختلافات کی بنا پر جن سے جماعت کی تشکیل ہوئی ہے، اختلاف ہوتا ہے، نیز یہ قبائل جن موثرات سے اثر پذیر ہوتے ہیں وہ بھی مختلف قسم کے ہوتے ہیں،

پس چونکہ یہ ناممکن ہے کہ ہم جماعت کے اوصاف اور کیریکٹر کی ایسی تشریح کریں جو ہر قسم کی جماعت پر صادق آسکے اس لئے ہم ان جماعتوں کو لیکر جن کا نظام مکمل ہوچکا ہے جماعتوں کے اوصاف عمومی سے بحث کریں گے، اور گو اس صورت میں صرف انھیں اوصاف کا حال معلوم ہوسکے گا جو جماعتوں میں کبھی کبھی پائے جاتے ہیں، اور ان اوصاف کا حال معلوم نہ ہوگا جو غیر تغیر پذیر ہیں، لیکن اگر یہ پیش نظر رکھ لیا جائے کہ وہ جماعت جس کا نظام مکمل ہوچکا ہے، اسمیں ان اوصاف عمومی کے ساتھ ساتھ جو تمام جماعتوں میں پائے جاتے ہیں بعض خاص اور نئے اوصاف بھی ہوتے ہیں، جو دیگر جماعتوں میں نہیں ہوتے اور یہی جماعت ناموس وحدت فکری کے تابع ہوتی ہے، غرض مکمل صورت میں جماعت کا اطلاق اسی جماعت پر ہوسکتا ہے، تو اس وقت یہ بالکل صاف ہوجائے گا کہ ہم نے اس قسم کی مکمل جماعت کو دیگر جماعتوں کے اوصاف عمومی کی تشریح کرنے کے لئے نظیر کیوں قرار دیا ہے،

پھر جماعت کے اوصاف عمومی میں بعض وہ اوصاف ہیں جو جماعت کے ساتھ ساتھ افراد منتشرہ میں بھی پائے جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو جماعت کے ساتھ خاص ہوتے ہیں، اور افراد میں نہیں پائے جاتے، لیکن چونکہ جماعت کے ان اوصاف کو جو اسی کے ساتھ خاص ہوتے ہیں اہمیت حاصل ہے، اس لئے ہم پہلے انھیں اوصاف کو بیان کریں گے،

جماعتوں کو جن باتوں میں امتیاز ہوتا ہے، ان میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ جماعت میں ایک عام روح ایسی پائی جاتی ہے، جس کی بدولت اس کے ہر ہر فرد سے جو اعمال سرزد ہوتے ہیں یا ہر ہر فرد اس حالت میں جو کچھ سمجھتا بوجھتا ہے، وہ اس کے خلاف ہوتا ہے، جو حالتِ انفراد میں وہ سمجھتا بوجھتا یا کرتا تھا، غرض افراد کے بعض مشاعر اور خیالات ایسے ہوتے ہیں جو صرف اس وقت قوت سے فعل میں آتے ہیں، جب وہ جماعت کے اندر شامل ہو کر جماعت میں اپنے تئیں فنا کر دیتے ہیں، اور یہ مشاعر و خیالات ان مشاعر و خیالات سے بالکل الگ ہوتے ہیں جن کا ظہور حالت انفرادی میں ہوتا ہے، پس مختصر طور پر جماعت اس ذات کا نام ہے جو مختلف عناصر و افراد سے اِس طرح مرکب ہوئی ہو کہ اس کا کوئی جزر اپنی حالت پر برقرار نہ رہا ہو، یا بالفاظ دیگر جماعت اس نفس ذاتی کا نام ہے جس کا نظام طبعی مختل ہو گیا ہو لیکن اگر جماعت کی اس حالت کو کسی تشبیہ سے سمجھنا چاہو تو اپنے جسم کے ان خلایا اور جراثیم کی حالت پر غور کرو جن کی باہمی ترکیب سے تمھارا جسم پیدا ہو گیا ہے، دیکھو ان جراثیم اور خلایا میں سے ہر ہر خلیہ اپنی انفرادی حالت میں کس طرح ایک دوسرے سے مختلف تھا لیکن باوجود اس کے جب یہ باہم مخلوط ہو گئے تو ان کی باہمی ترکیب سے تمھارا جسم مُتشکّل طور پر پیدا ہو گیا، جس کے ذاتی اوصاف ان خلایا کے اوصاف سے بالکل مختلف ہیں، پس ہربرٹ اسپنسر جیسے نکتہ رس عالم کی رائے کے خلاف، ہمارے رائے یہ ہے کہ وہ عناصر و افراد

جن سے جماعت کی تشکیل ہوتی ہے، ان میں کوئی قدرِ مشترک وصف ایسا نہیں ہوتا جو سب پر غالب آجاتا ہو، بلکہ جماعت میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ یہ ہے، کہ ایک مخلوط کیفیت اور جدید اوصاف پیدا ہوجاتے ہیں، یعنی ہمارے نزدیک جماعت کی حالت جواہر کیمیاویہ کی ایسی ہے، کہ جب دو جوہروں کو باہم مخلوط کردو تو ان کے اجتماع سے ایک نیا جسم پیدا ہوجائے گا جس کے خواص ان خواص سے بالکل مختلف ہوں گے جو ہر ہر جوہر کے تھے، پس جماعت میں بھی، افراد کے مخلوط ہونے کی وجہ سے اسی قسم کے نئے اوصاف اور خواص پیدا ہوجاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کسی فرد کی اجتماعی اور انفرادی حیات کا فرق آسانی سے نظر آجاتا ہے، البتہ اس بات کا سبب ذرا مشکل سے سمجھ میں آتا ہے، کہ یہ فرق کیوں پیدا ہوگیا،

لیکن اگر قاعدۂ ذیل کسی شخص کے پیشِ نظر رہے تو اس فرق کا سبب بھی دریافت کرنا مشکل نہیں، وہ قاعدہ جس کو زمانۂ حال کے علمائے نفسیات نے مشاہدہ سے ثابت کیا ہے، وہ یہ ہے، کہ جس طرح جسمانی حیات کیفیات نیم شعوری کے ایک بڑے حصہ پر مشتمل ہوتی ہے اسی طرح انسان کی حیاتِ نفسی کا بھی بڑا حصہ کیفیات نیم شعوری کے ماتحت ہوتا ہے اور انسان کی حیاتِ نفسی کیفیات نیم شعوری کے مقابل میں کیفیات شاعرہ پر بہت کم مشتمل ہوتی ہے، بلکہ ہمارے وہ اعمال و افعال جن کے متعلق ہم یقین کرتے ہیں کہ ہمارے ارادہ سے صادر ہوئے ہیں وہ بھی درحقیقت ان کیفیات نیم شعوری کے معلول ہوتے ہیں جو ہم میں تاثیرِ وراثت سے پیدا ہوتی ہیں، اور کیفیات نیم شعوری کا یہ مجموعہ ہمارے آبائی روایات اور تقلیدات پر مشتمل ہوتا ہے، جن سے روحِ جماعت کی ترکیب ہوتی ہے، پس ہمارے ارادی افعال کے پیچھے ایسے اسباب ہوتے ہیں جن میں ہمارے ارادہ کو بالکل دخل نہیں ہوتا اور ان کی آڑ میں بہت سے ایسے اسباب ہوتے ہیں جو ہماری نظر سے پوشیدہ رہتے ہیں، غرض ہمارے وہ افعال و اعمال جو ہم سے روزمرہ بالقصد

د بارادہ صادر ہوتے ہیں وہ بھی ایسے مخفی اسباب کے معلول ہوتے ہیں جو بالکل ہماری نظر و فہم سے دور رہتے ہیں،

پس ایک قبیلہ اور ایک قوم کے تمام افراد ان کیفیات نیم شعوری میں برابر کے حصہ دار ہوتے ہیں جن سے اس قوم یا قبیلہ کی روح کی تکوین ہوتی ہے لیکن ان افراد کو باہم امتیاز جو ہوتا ہے وہ ان کیفیات شعوری کی بنا پر ہوتا ہے جو کسی مخصوص تربیت و تعلیم یا استثنائی وراثت کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہوں، یہی وجہ ہے کہ ایک قوم کے وہ افراد جو عقل و فہم اور دماغی خصوصیات میں مختلف درجہ کے ہوتے ہیں، یعنی جن کی حیات شعوری ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتی ہے انکے میلانات جذبات اور مشاعرہ میں ہمرنگی پائی جاتی ہے یعنی ان کی حیات نیم شعوری میں کسی طرح کا تفاوت نہیں ہوتا ہے بلکہ قوم کا وہ طبقہ بھی جو بلحاظ علم و فضل کے ممتاز ہوتا ہے طبقہ عوام سے ان امور میں جنکا تعلق شعور سے ہے (مثلاً دین اور سیاست وغیرہ) بالکل مختلف نہیں ہوتا، ایک ریاضی داں اور ایک بوٹ فروش کے مابین گو عقلی حیثیت سے کتنا ہی تفاوت ہو، لیکن ان کے طبائع میلانات اور جذبات میں یا تو بالکل تفاوت نہیں ہوتا یا بہت کم ہوتا ہے،

افراد کی طبیعتوں کا یہ حصہ جو نیم شعوری کیفیت کا محکوم ہوتا ہے پوری جماعت پر حاوی ہوتا ہے اور اس کے تمام حرکات و سکنات میں پیش پیش رہتا ہے، اسی کی بدولت جماعت میں اگر افراد کی عقلی خصوصیتیں ماند پڑجاتی ہیں انکی تخصیصیں جماعت کی روح کے آگے فنا ہوجاتی ہیں، جماعت کی عمومی خصوصیتوں کے آگے افراد کی انفرادی خصوصیتیں شکست کھاجاتی ہیں اور حیات شاعرہ پر حیات نیم شعوری کا غلبہ ہوجاتا ہے،

پس چونکہ جماعت سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ اسکی حیات نیم شعوری کے معلول ہوتے ہیں، اس لیئے یہ راز بھی ہمپر کھل جاتا ہے کہ جماعت سے کسی وقت وہ کام نہیں ہوسکتے جنکے لیئے

فکر بلند اور عقل راجح کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ جماعت جو عقلمند لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے
اور وہ جس میں غیر تعلیم یافتہ اور احمق لوگ شامل ہوتے ہیں ان دونوں جماعتوں سے کسی امر کے متعلق
جو فیصلے صادر ہوتے ہیں ان میں باہم کوئی فرق نظر نہیں آتا، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ جماعت میں
شامل ہو کر ان عقلمند اور تعلیمیافتہ لوگوں سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ جماعت کے اوصاف عامہ
اور کیفیت نیم شعوری کے معلول ہوتے ہیں جنھیں وہ اور عام لوگ دونوں مساوی اور برابر کے
حصہ دار ہیں، اس لئے جماعت پر جس چیز کا غلبہ ہوتا ہے وہ ذکاوت اور علم نہیں ہے بلکہ جہالت
اور حماقت ہے، اور عموماً یہ جو سمجھا جاتا ہے کہ والاتر سے زیادہ ایک مجمع کی راے صائب [illegible] غلط ہے
بلکہ تنہا والاتر کی راے مجمع کی راے سے صائب ہوتی ہے، مجمع عقلمند نہیں ہوتا [illegible] اس مجمع سے
زیادہ عقلمند ہے جس کا وہ ایک فرد ہے،

لیکن اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اوپر کی تقریر سے تو یہ معلوم ہوا کہ جماعت
کے ہر ہر فرد سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں وہ کیفیت نیم شعوری اور جماعت کے ان اوصاف
سے متاثر ہو کر سرزد ہوتے ہیں جو کل افراد میں مشترک طور پر یکساں پائے جاتے ہیں،
اور اس کا صاف نتیجہ صرف یہی ہے کہ جماعت میں کوئی نئے اوصاف نہیں ہوتے بلکہ ایک
مشترک وصف ہوتا ہے جو تمام افراد میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے جیسا کہ اسپنسر کا مذہب ہے
پھر یہ جدید اوصاف جنکا تذکرہ بار بار اوپر ہو چکا ہے کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوتے ہیں؟
یہی سوال ہے، جسکا جواب میں ذیل میں نہایت تفصیل کے ساتھ دونگا،

بات یہ ہے کہ یہ جدید اوصاف جو جماعت کی تشکیل کے وقت افراد میں پیدا ہو جاتے
اور جنکا وجود حالت انفرادی میں نہیں ہوتا، جماعت میں ان کے پیدا ہو جانے کے بعد متعدد
اسباب ہوتے ہیں!!۔

(۱) سب سے پہلا سبب یہ ہے کہ کوئی فرد جب جماعت میں شامل ہوتا ہے، تو اس میں اس قسم کی شجاعت اور دلیری پیدا ہو جاتی ہے، کہ جن افعال کے ارتکاب سے وہ حالت انفرادی میں ہچکچاتا ہے اب ان کے کر بیٹھنے کی نہ صرف وہ جرأت کرنے لگتا ہے، بلکہ چونکہ جماعت میں داخل ہو کر افراد سے ان کے اعمال و افعال کی مسئولیت بالکل اُٹھ جاتی ہے اس لیے جماعت کا ہر ہر فرد مسئولیت سے بے خوف ہو کر ایسے افعال کے ارتکاب کی جرأت کر بیٹھتا ہے جن سے مسئولیت کا خوف، حالت انفرادی میں، اس کو باز رکھتا تھا،

(۲) دوسرا سبب جس کی بدولت جماعت میں جدید اوصاف پیدا ہوتے ہیں، یہ ہے کہ جس اثر سے کوئی ایک فرد متاثر ہوتا ہے، اس کا تعدیہ تمام افراد میں یکبارگی ہو جاتا ہے، اور اس اثر سے تمام افراد یکدم اثر پذیر ہو جاتے ہیں، تعدیۂ اثر ایک ایسی چیز ہے جس کے علل و اسباب کا بتانا مشکل ہے، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تعدیۂ اثر مسمریزم کی طرح ایک عجیب مؤثر شے ہے، کہ ہر فرد اُس سے اثر پذیر ہو کر اپنے ذاتی اور شخصی مصالح کو اجتماعی مصالح پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، اور یہ ایسی بات ہے جو انسانی فطرت کے خلاف ہے، اور انفرادی حالت میں کوئی انسان اس جذبہ کا محکوم نہیں ہو سکتا،

(۳) تیسرا سبب جو سب سے زیادہ اہم ہے، اور جس کی بدولت جماعت میں جدید اوصاف پیدا ہوتے ہیں، اثر پذیری کی استعداد ہے، جو ہر انسان میں پائی جاتی ہے،

اس استعداد اور قابلیت کی حقیقت کو سمجھانے کے لئے ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وظائف اعضائے انسانی کے متعلق بعض ان اکتشافات کا ذکر کریں جو حال میں تحقیق کئے گئے ہیں، ایک بڑی تحقیق، جو حال میں ظاہر ہوئی ہے، یہ ہے کہ:-

(۱) ہر انسان میں یہ استعداد پائی جاتی ہے کہ مختلف ذرائع سے اگر اس کے شعور لو

حس پر اثر ڈالا جائے، تو اس کے اعصاب حسی گویا سن ہو جاتے ہیں، اور وہ ہر اس بات کی تعمیل کرنے لگتا ہے جس کا اسے حکم دیا جائے، یہی استعداد ہے جس کی بنا پر ہر ہر انسان سے بعض اوقات ایسے افعال صادر ہونے لگتے ہیں جو اس کے معمولی کیریکٹر کے خلاف ہوتے ہیں،

(۲) لیکن تجربہ سے تحقیق کیا گیا ہے کہ نیم شعوری اور اثر پذیری کی استعداد جو انسان کی انفرادی زندگی کا ایک خاصہ ہے، اس وقت زیادہ قوت پکڑتی ہے جب کوئی فرد جماعت میں شامل ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اس وقت اس کی حالت قریب قریب اس شخص کے مماثل ہوتی ہے جو مسمریزم کے عمل سے معمول کیا گیا ہو، مسمریزم کے عمل کا اثر معمول پر جو کچھ ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ معمول کے دماغی اعصاب سن ہو جاتے ہیں، اور وہ حیات نیم شعوری کے تابع ہو کر عامل کے احکام کی تعمیل کرنے لگتا ہے، اس کی حیات شعوری پر حیات نیم شعوری کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور ارادہ مفقود، اور تمیز و حس کی قوت معدوم ہو جاتی ہے، اور اس کے افکار و مشاعر اس خاص دائرہ کے اندر محدود ہو جاتے ہیں جو عامل نے اس کے لئے کھینچ دیا ہو،

قریب قریب یہی حالت افراد کی اس وقت ہوتی ہے جب وہ جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں، اس وقت ان کو اپنے افعال کا شعور بالکل نہیں باقی رہتا اور چونکہ وہ اپنے بعض مخصوص اوصاف سے معرا ہو جاتے ہیں، اس لئے اب ان میں ان کی جگہ پر بعض دوسرے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں، جماعت میں افراد کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ گویا ان پر مسمریزم کا عمل کر دیا گیا ہے، اور اب وہ اُن احکام کی تعمیل کر رہے ہیں جو جماعت کی جانب سے ان کو دیئے جائیں، بلکہ اطاعت و انقیاد اور اثر پذیری کا یہ مادہ جو جماعت کے اندر

شامل ہو کر افراد میں پیدا ہو جاتا ہے، اس مادہ سے بہت زیادہ ہوتا ہے جو مسمریزم کے معمول میں ہوتا ہے، جماعت کا ہر فرد جماعت کے طلسم سے مسحور ہو کر اپنے دوسرے ساتھی پر وہی اثر کرتا ہے جو خود اس پر ہوا ہے، یہاں تک کہ اس باہمی تفاعل سے ہر فرد پر ایک بیخودی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور بڑھتے بڑھتے یہ اثر اس اثر سے بڑھ جاتا ہے جو مسمریزم کے معمول پر پڑتا ہے، اور یہ اثر اتنا قوی ہوتا ہے کہ بہت کم لوگ اس کی مقاومت کر سکتے ہیں، البتہ اگر اس کی مقاومت ہوتی بھی ہے تو اس وقت جب کہ ایک غرض سے دوسری غرض کے جانب جماعت کو ملتفت کرنا منظور ہو، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دفعتہً کوئی مبارک خیال جماعت کے ذہن میں آیا اور یکایک جماعت افعال شنیعہ کے ارتکاب سے باز آگئی،

حاصل کلام یہ ہو کہ حیات شاعرہ کی شکست اور حیات نیم شعوری کا غلبہ، اثر پذیری کی بدولت تمام افکار و مشاعر کا ایک مرکز پر اتحاد و اجتماع، اور عمل کی جانب فطری رغبت یہ اوصاف ہوتے ہیں جو جماعت میں شامل ہو کر ہر ہر فرد میں پیدا ہو جاتے ہیں، اس حالت میں انسان اپنے ارادہ سے کچھ نہیں کرتا بلکہ اس کی قوت ارادی بالکل سلب ہو جاتی ہے،

یہی سبب ہے کہ جماعت میں داخل ہوتے ہی انسان تہذیب و تمدن کے اس درجہ سے گر جاتا ہے جس پر حالت انفرادی میں تھا، اگر حالت انفرادی میں اس کے اخلاق پاکیزہ اور اس کی عقل پختہ تھی، تو اب حالت اجتماع میں آکر اس کے برعکس وہ سادہ لوح، اور شہوات و جذبات کا فرماں بردار بنجاتا ہے، اب اس میں وحشی انسانوں کی طرح قساوت، شجاعت، اور دلیری، یہ تمام اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں، اگر پہلے وہ الفاظ کے اثر سے مرعوب نہوتا تھا، تو اب اس میں، نہ صرف یہی بات پیدا ہو جائے گی کہ وہ الفاظ کے اثر سے جلد مرعوب

ہونے لگے گا، بلکہ اب وہ مرعوب ہوکر ایسے افعال کا ارتکاب کر بیٹھے گا جو اس کے ذاتی
منافع کے خلاف اور اس کے معمولی کیریکٹر کے عکس ہونگے، غرض کہ جماعت کے اندر انسان کی
حالت ریگ کے ذروں کے مشابہ ہوتی ہے، کہ ریگ کے ذروں کو ہوا جہاں چاہتی ہے اڑا لیجاتی ہے،

یہی تمام اسباب ہیں جن کے باعث ججوں اور جیوریوں کی جماعتوں سے ایسے ایسے
فیصلے صادر ہوتے ہیں جو اگر ان میں سے الگ الگ ہر ہر فرد کے سامنے پیش کئے جائیں
تو وہ اس کی مخالفت کرے، اور یہی وجہ ہے کہ نیابی مجالس ایسے ایسے قوانین پاس کرتی ہیں
جنکو حالت انفرادی میں مجالس نیابی کا کوئی ممبر تسلیم نہیں کر سکتا،

انقلاب فرانس کے لیڈروں کو دیکھو کہ ان میں سے ہر ایک حالتِ امن میں اپنی اپنی
جگہ پر کیسا روشن خیال اور سلیم الطبع تھا، لیکن جب سب یکجا ہو کر ایک جماعت بن گئے
تو افعال شنیعہ کا ارتکاب کرنے لگے، بہت سے ایسے لوگوں کو پھانسی پر چڑھایا جو
بالکل بے قصور تھے، یہاں تک کہ آخر میں ان لوگوں نے اپنے ذاتی
منافع کا بھی لحاظ نہ کیا، اور اپنی عزت اور نیک نامی کے حق سے بھی تنزل
اختیار کیا،

پس حاصل یہ کہ جب افراد جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں، تو صرف یہی نہیں ہوتا
کہ ان کا ذاتی استقلال فنا ہو جاتا ہو، بلکہ ان کے افکار و مشاعر میں بھی سرے سے انقلاب عظیم
ہو جاتا ہے بخیل اسراف پسند، متشکک زود اعتقاد، پرہیزگار بدکار، اور بزدل شیر دل بنجاتے ہیں،
۴ راگست ۱۷۸۹ء کو جب امرا نے اپنے امتیازات اور حقوق سے تنازل اختیار کیا ہے
تو اس وقت یہی انقلاب تھا جو ان کے جذبات میں پیدا ہو گیا تھا، اور جس کے اثر سے وہ
مسحور ہو گئے تھے، حالانکہ اگر حالت انفرادی میں ان سے اسکی درخواست کی جاتی تو

شاید چراغ پا ہو جاتے،

غرض تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ افراد کی قوت ادراکی گو جماعت کی قوت ادراکی سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے، لیکن افکار و مشاعر اور ان اعمال و افعال کے لحاظ سے جو جماعتوں سے صادر ہوتے ہیں، جماعت کی حالت افراد سے مختلف ہوتی ہے، کبھی جماعتیں افراد سے زیادہ نیک اور کبھی ان سے زیادہ بد ہوتی ہیں اور یہ حالت یا ان افراد کے طبائع سے پیدا ہوتا ہے جن سے انکی تشکیل ہوتی ہے اور یا ان مختلف ہیجات و عوامل سے جو جماعت پر مؤثر ہوتے ہیں، یہی حقیقت ہے جسکو ان مصنفین نے نظر انداز کر دیا ہے جو جماعت پر صرف اسکی مجرمانہ حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں، یہ بلاشبہہ صحیح ہے کہ جماعتیں اکثر اوقات جرائم اور افعال شنیعہ کا ارتکاب کرتی ہیں لیکن دوسرے وقت ان سے دلیری اور شجاعت کے اوصاف بھی ظاہر ہوتے ہیں،

جماعت کے قائدین جس جانب جماعت کو مائل کریں گے اسی جانب جماعت مائل ہوگی، اگر تم جماعت کو مجد و فخر نصرت دین اور اعلاے کلمۃ اللہ کی جانب بلاؤ تو وہ اسی طرح تمھاری صدا پر لبیک کہیگی جس طرح وہ سنہ ۱۷۹۳ء میں "حمایت وطن" کی صدا پر لبیک کہکر بر سر پیکار ہو گئی تھی، پس جماعت کو کسی خیال پر آمادہ عمل کر دینا تمھارا فرض ہے، اگر تاریخ کے صفحات میں جماعت کے ان کارناموں کو تلاش کرو جو اس نے حالت سکون و اطمینان میں انجام دیے ہیں، تو تمھیں اس قسم کا واقعہ ایک بھی نہ ملیگا، سکون و اطمینان کو بالاے طاق رکھکر ایک بار نفوس جماعت میں اضطراب و ہیجان پیدا کر دو، پھر دیکھو جماعت کیا کیا گل کھلاتی ہے،

فصل دوم

جماعت کے حسیات، اخلاق، جذبات

(۱) جماعت کی اثر پذیری، تلون مزاجی، اور غیظ و غضب،

جماعت مہیجات، اور عوامل خارجیہ کے قابو میں ہوتی ہے، اور وہی اس کے تغیرات کے باعث ہوتے ہیں، وہ مہیجات جن سے جماعت اثر پذیر ہوتی ہے، اس قدر قوی ہوتے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں منفعت ذاتی کا جذبہ فنا ہوجاتا ہے، جماعت کا کوئی فعل غور وفکر اور ارادہ پر مبنی نہیں ہوتا، جماعت پر قومی عادات کا اثر،

(۲) جماعت کی اثر پذیری، اور زود اعتقادی،

چند عوامل خارجیہ کے اثر کی بنا پر جماعت بعض خیالی باتوں کو حقیقت سمجھنے لگتی ہے، تمام افراد جماعت کے ذہنوں میں ایک قسم کی خیالی اشباح کیوں پیدا ہوتی ہیں اور ان کو عالم وجاہل سب یکساں طور پر کیوں تسلیم کرلیتے ہیں، ان اشباح کی بعض مثالیں جن سے افراد جماعت اثر پذیر ہوتے ہیں، یہ بحث کہ جماعت جو شہادتیں پیش کرتی ہے، وہ قابل قبول نہیں ہوتیں، یہ بحث کہ کسی واقعہ کی صحت پر متعدد

شہادتوں کا اتفاق اس واقعہ کی صحت کی دلیل نہیں ہو سکتا، کتب تاریخی کی قدر و قیمت،

(۳) جماعت کی مبالغہ پسندی، اور سادہ لوحی،

جماعت شک و تردد سے نابلد ہوتی ہے اور ہمیشہ یک طرفہ رائے قائم کرتی ہے، جماعت کے احساسات اور جذبات ہمیشہ نہایت قوی اور حد سے متجاوز ہوتے ہیں،

(۴) جماعت کا تعصب، اور قدامت پسندی،

جماعت میں مذکورۂ بالا اوصاف کے پائے جانے کی وجہ جماعت ہمیشہ اپنے سے قوی شخص کے آگے سر تسلیم خم کرتی ہے، فتنہ پردازی کا میلان جو کبھی کبھی جماعت سے ظاہر ہوتا ہے وہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ قدامت پسند نہیں ہوتی، جماعت کے احساسات ترقی اور انقلاب کے مانع ہوئے ہیں،

(۵) جماعت کے اخلاق و عادات،

جماعت کے اخلاق و عادات کبھی افراد کے اخلاق و عادات سے ترقی یافتہ اور کبھی انحطاط پذیر ہوتے ہیں، اس کے مختلف اسباب اور امثلہ، یہ بحث کہ جماعت کسی منفعت ذاتی کے خیال پر آمادۂ عمل نہیں ہوتی، حالانکہ افراد کے اعمال کا بیشتر حصہ اسی خیال پر مبنی ہوتا ہے، تہذیب اخلاق میں جماعت کی حالت اور درجہ،

فصل سابق میں ہم نے بالاجمال نفس اجتماعی کے خصوصیات کا ذکر کیا تھا، اب

اوراق ذیل میں ہم انھیں سابق بیانات کو کسی قدر تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے،

جماعت کی بہت سی خصوصیتیں، مثلاً قابلیتِ غیظ و غضب، ضعف عقلی، فقدان ملکۂ انتقاد، اور غلبۂ جذبات وغیرہ، اکثر ان افراد میں بھی پائی جاتی ہیں جن کا نشو ونما مکمل نہیں ہوتا، مثلاً عورت، بچہ، مجنوں وغیرہ، لیکن یہ بحث کہ یہ اوصاف جو عورتوں، بچوں اور ناقص الشعور افراد میں پائے جاتے ہیں جماعت میں انکا پایا جانا کن اسباب کی بناپر ہے دائرۂ کتاب سے خارج ہے، اس لئے میں اس کو یہاں چھیڑنا نہیں چاہتا، علاوہ بریں ان اسباب کے دریافت کرنے کی ان لوگوں کو تو بالکل حاجت نہیں جو فطری اور ناقص الشعور افراد کے نفسانی حالات سے بخوبی واقف ہیں اور جنکو اس قسم کے افراد کی نفسانی حالتوں کا بالکل علم نہیں وہ اس بحث سے کوئی مفید نتیجہ نہیں اخذ کرسکتے،

پس اب ہم ذیل میں ان اوصاف کی تشریح کرتے ہیں جو اغلباً تمام جماعتوں میں پائے جاتے ہیں،

(۱)

جماعت کی تلون مزاجی، قابلیت غیظ و غضب

ہم نے پہلے جہاں جماعت کے خصوصیات امتیازی کا ذکر کیا تھا وہاں یہ بھی بیان کیا تھا کہ اس کے اعمال کا بیشتر حصہ کیفیات نیم شعوری کا معلول ہوتا ہے اور اس کے اعمال و افعال میں نخاع کی تاثیر دماغ کی تاثیر سے بہت زیادہ ہوتی ہے یعنی حالت اجتماع میں افراد پر بجائے کیفیت شعوری کے کیفیت نیم شعوری کا غلبہ ہوتا ہے، اور یہ خصوصیت ایسی ہے جسمیں جماعت کے ساتھ وحشی انسان اور ناقص الشعور افراد بھی شریک ہیں، اس بناپر

وہ افعال جو جماعت سے صادر ہوتے ہیں بعض اوقات گو تنقیدی حیثیت سے کامل ہوتے ہوں مگر چونکہ عقل کو [illegible] رہنمائی میں بالکل دخل نہیں ہوتا، اس لئے افراد جماعت کے دائرہ میں آکر ان [illegible] کی اطاعت کرنے لگتے ہیں جو ان کو عمل کی جانب مائل کر رہے ہوں پس جماعت ہمیشہ ان مہیجات و عوامل کی قید میں مقید رہتی ہے، اور ان موثرات خارجیہ کے سامنے سر نیاز جھکاتی ہے جو وقتاً فوقتاً اس پر اپنا اثر ڈالتے اور اس کے تقلبات و تغیرات کے باعث ہوتے ہیں، ہاں اگرچہ افراد کی حیات میں بھی اکثر یہی سانحہ پیش آتا ہے، اور وہ بھی موثرات کے حلقہ میں چاروں طرف سے گھر جاتے ہیں، لیکن ان کی عقل ان کو مضرات سے آگاہ کرتی رہتی ہے، اس لئے وہ کبھی مؤثرات کے دام میں نہیں پھنستے، یہی بات ہے جسکی بنا پر علم وظائف اعضاء کے ماہرین نے یہ کلیہ قائم کیا ہے کہ افراد اپنے اعصاب کو قابو میں رکھ سکتے ہیں اور جماعت نہیں رکھ سکتی،

لیکن وہ مؤثرات اور عوامل خارجیہ جن سے جماعت اثر پذیر ہوتی ہے چونکہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، اس لئے جماعت کے اعمال و افعال میں بھی تنوع ہوتا رہتا ہے، موثرات کے اسی اختلاف و تنوع کے باعث کبھی جماعت مجسمہ رحمت بن جاتی ہے اور کبھی پیکر قہاریت، کبھی بزدلی کا اظہار کرتی ہے اور کبھی میدان عمل میں شجاعت کے ساتھ اقدام کرتی ہے، لیکن باوجود اس کے وہ ہمیشہ اس طرح حد سے گذر جاتی ہے کہ کبھی منافع ذاتیہ حتی کہ حفظ ذات کے جذبہ سے بھی، متاثر نہیں ہوتی، اور چونکہ جماعت کے مؤثرات مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور وہ ہر ایک سے برابر اثر پذیر ہوتی ہے، اس لئے اس کے اعمال و افکار میں ہمیشہ انقلاب ہوتا رہتا ہے، یہی وجہ ہے، کہ اکثر تم نے دیکھا ہوگا کہ جماعت دردناک سے دردناک کام کو چھوڑ کر یکبارگی شفقت آمیز کام

کو انجام دینے لگتی ہے۔ ایک وقت جماعت سے قساوتِ قلبی اور بے رحمی کے افعال ظاہر ہوتے ہیں تو دوسرے وقت وہ نہایت نرم دل اور انصاف پسند بن جاتی ہے، دنیا میں جب کبھی مذاہب کی تائید کے لئے خونریزی ہوئی ہے، تو جماعت ہی نے اس کا بیڑا اُٹھایا ہے، جماعت کی اس قوی طاقت کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں کچھ زمانہ پیشتر ایک بغاوت کے دوران میں جماعت نے جو جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اور جن کی بدولت یکبارگی ایک جنرل نے ایک نمایاں شہرت حاصل کی ہے، وہ ابھی کی بات ہے، اگر یہ جنرل اپنی صدا بلند کرتا، تو لکھوکھا آدمی اس کی مدد کے لئے جان دینے پر آمادہ ہو جاتے[1]

یہی بات ہے کہ جماعت سے کوئی فعل بالقصد وارادہ صادر نہیں ہوتا، اور گو اس کا میلان متناقض مشاعر کے جانب ہر دم ہوتا رہتا ہے، لیکن ہمیشہ وہ اسی شعور سے اثر پذیر ہوتی ہے جس نے وقت فعل کے اس پر غلبہ پالیا ہو، اس بارے میں جماعت کی حالت درختوں کے پتوں سے کس قدر ملتی جلتی ہے کہ جب تند ہوا چلتی ہے تو پتے پراگندہ ہو جاتے ہیں اور جب فضا میں سکون طاری ہوتا ہے تو پھر وہ ٹھہر جاتے ہیں، ہم آگے چل کر جہاں جماعت کی اثر پذیری سے بحث کریں گے وہاں اس قسم کی مثالیں بکثرت پیش کریں گے،

[1] غالباً مؤلف کا اشارہ جنرل بولنگر کی جانب ہے جو گذشتہ صدی میں ایک مشہور فرنچ کمانڈر تھا، لوگ اسقدر اس کے شیفتہ ہو گئے تھے کہ آخر کار وہ فتنہ و فساد کے خوف سے تمام عام مجامع اور مجالس سے کنارہ کش ہو گیا، اگر وہ کچھ زمانہ اور زندہ رہتا تو ایک بار نپولین کے زمانہ کا نقشہ لوگوں کی آنکھوں میں پھر جاتا اور فرنچ افواج اس کی ماتحتی میں ایک بار پھر اندازہ سے زیادہ کارہائے نمایاں انجام دیتیں۔ (مترجم)

جماعت کی اس متلون المزاجی کی بدولت اس پر قابو پانا، اور اس کی قیادت کرنا سخت مشکل ہے خصوصاً اس حالت میں جب اس کو تھوڑا سا تسلط حاصل ہو گیا ہو، یہاں تک کہ اگر روزانہ زندگی کے ضروریات پوشیدگی کے ساتھ نظام قائم نہ رکھیں، تو نیابی حکومتوں کا قیام بھی دشوار ہو جائے، کیونکہ جس طرح جماعت سرعت سے کسی بات کا ارادہ کر لیتی ہے اسیطرح سرعت کے ساتھ اس ارادہ سے عدول بھی کر جاتی ہے، اور جس طرح وہ طویل مدت تک غور و فکر کی زحمت نہیں برداشت کر سکتی، اسی طرح اس کا ارادہ بھی وقتی اور آنی ہوا کرتا ہے،

لیکن جماعت کا خاصۂ امتیازی صرف یہی نہیں ہے کہ وہ از حد متلون مزاج اور اثر پذیر ہوتی ہے، بلکہ باوجود ان اوصاف کے وہ ایک وحشی انسان کی طرح اپنے ارادہ کے درمیان کسی چیز کا حائل ہونا بھی گوارا نہیں کرتی اور اس ناگواری کے احساس میں جو بات اس کی مساعدت کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ کثرتِ افراد کی بنا پر اس کو بے انتہا طاقت کا شعور پیدا ہو جاتا ہے، اور جماعت میں شامل ہو کر افراد کے ذہنوں سے "ناممکن" اور "محال" کا خیال بالکل نکل جاتا ہے، انفرادی حالت میں ایک شخص کسی محل میں آگ لگانے کے خیال سے ہچکچائیگا، اور اگر وہ اس فعل پر مجبور کیا جائے تو وہ اس کی مقاومت کریگا اور اس سے اس فعل کا کبھی صدور نہ ہوگا بخلاف اس کے جب وہ جماعت میں شامل ہو جاتا ہے تو پہلے سے بے انتہا طاقت کا احساس کرنے لگتا ہے، اور کثرتِ تعداد کے خیال سے شجاع بن جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے ارادہ میں اس قدر مضبوط ہو جاتا ہے، کہ اگر اس کے راستہ میں مشکلات حائل ہوتی ہیں، تو وہ سختی سے ان کا مقابلہ کرتا ہے، انسان کی جسمانی حالت اگر ابدی غصہ کی متحمل ہوتی، تو ہم کہتے کہ جماعت کی طبعی حالت دائمی غصہ ہے،

لیکن باوجود اس کے، یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جماعت کے مذکورۂ بالا اوصاف یعنی تلون مزاجی، اثر پذیری، اور قابلیتِ غیظ وغضب وغیرہ پر قبائل کے ان موروثی خصائص کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے، جو ہمارے تمام اعمال وافعال کی بنا ہوتے ہیں، اور گو یہ ضرور ہے کہ ہر جماعت میں کم وبیش اثر پذیری اور تلون مزاجی کی قابلیت پائی جاتی ہے، لیکن اقوام کے موروثی خصائص کے اختلاف وتنوع کی بنا پر جماعت کی اِن خصوصیتوں میں بھی تفاوتِ درجات ہوتا ہے، بعض قومیں اپنے موروثی خصائص کی بنا پر بے انتہا متلون مزاج ہوتی ہیں اور بعض قوموں میں تلون کا اثر کم پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر لاطینی اور سیکسن انگلش قوموں کو لو، لاطینی قوم عورتوں کی طرح اس قدر متلون مزاج اور اثر پذیر واقع ہوئی ہے کہ ایک ذرا سی بات پر ساری قوم میں غیظ وغضب کی بجلی دوڑ جاتی ہے بخلاف انگریز قوم کے کہ اس کا پائے ثبات مشکل سے مشکل وقت میں بھی بہت کم لغزش کھاتا ہے، ہمیں وہ واقعہ خوب یاد ہے جب ایک ٹیلیگرام کی بنا پر جس میں ہمارے سفیر کی فرضی اہانت کا واقعہ مندرج تھا، ہماری قوم میں اس قدر ہیجان پیدا ہوا کہ فوراً ہولناک جنگ برپا ہو گئی، اور پھر جب لانگسون میں ہماری فوج کو شکست ہوئی تو اس وقت کے جوش کا کیا پوچھنا تھا، فوراً وزارت میں انقلاب ہو گیا، حالانکہ اسی زمانہ میں انگریزوں کو بمقام خرطوم سخت شکست ہوئی، لیکن انگریزوں کے ثبات وعزم کو دیکھو کہ اس واقعہ سے انگریزی رائے عام میں نہ کوئی ہیجان پیدا ہوا اور نہ وزارت میں کوئی تغیر واقع ہوا،

غرض یوں تو ہر جماعت عورتوں اور ناقص الشعور افراد سے مشابہ ہوتی ہے لیکن لاطینی قوموں میں یہ خصوصیت دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ پائی جاتی ہے، اسی وجہ سے جو شخص

ان قوموں کا اعتماد حاصل کرتا ہے، وہ تھوڑی سی مدت میں ترقی پاجاتا ہے، لیکن ہمیشہ اسے یہ خوف لگا رہتا ہے کہ ایک معمولی قصور کے سرزد ہونے پر اس کی یہ تمام ترقی ملیامیٹ ہوجائیگی اور وہ اوجِ رفعت سے گر جائیگا،

(۲)

اثر پذیری اور زود اعتقادی

جماعت کی تعریف کرتے ہوئے ہم نے بیان کیا تھا کہ اس کا مخصوص وصف یہ ہے کہ اس میں نہایت شدت کے ساتھ اثر پذیری کی استعداد پائی جاتی ہے اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ حالتِ اجتماع میں تعدیۂ اثر کس طرح وقوع پذیر ہوتا ہے، نیز ہم یہ بھی بیان کرچکے ہیں، کہ جماعت کے تمام احساسات ومشاعر کا ایک مرکز پر جو اتحاد واجتماع ہوتا ہے اس کا کیا سبب ہے، غرض گذشتہ بیانات سے خوب اچھی طرح واضح ہوچکا ہے کہ جماعت پر گو اطمینان وسکون کے کتنے ہی آثار طاری ہوں، تاہم وہ اپنے خاصۂ اثر پذیری کی بدولت ہمیشہ اس بات کے لئے آمادہ رہتی ہے کہ ادھر کوئی مؤثر اس پر اپنا اثر ڈالے، اور وہ اس کا اثر قبول کرے، اور صرف یہی نہیں، بلکہ جوں ہی اس اثر کا تعدیہ تمام افراد پر ہوچکتا ہے، تمام افراد اس اثر سے متاثر ہوکر مشغول کار ہوجاتے ہیں، پھر افراد کو اس سے غرض نہیں رہتی کہ یہ مقصد جس کے حاصل کرنے کے لئے وہ ایک متاثرانہ شان سے بیتاب نظر آتے ہیں، کس قسم کا ہے، بلکہ وہ اس اثر سے اس قدر مسحور ہوجاتے ہیں کہ اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتے اور جان، مال، دولت غرض ہر عزیز سے عزیز شے کی قربانی کرنیکے لئے

آمادہ ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ افراد میں اس آمادگی اور مستعدی کے پیدا کرنے کے لئے اس کی ضرورت بھی نہیں ہوتی کہ عقلی استدلال سے اس مقصد کی برتری اور اباحت یا اسکی قباحت اور حرمت کو ثابت کیا جائے، جیسا کہ انفرادی حالت میں ہوتا ہے، بلکہ اس آمادگی اور مستعدی کے پیدا کرنے کا اصلی دار مدار اس مؤثر کی ذات اور کیفیتِ تاثیر پر ہوتا ہے جس نے افراد کو اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے آمادہ کیا ہے،

لیکن چونکہ جماعت ہمیشہ احساسات نیم شعوری کے تابع ہوتی ہے، یعنی یہ کہ بسہولت تمام مؤثرات کے اثر کو قبول کر لیتی ہے، اور ان افراد کے مثل جو عقل سے اثر پذیر نہیں ہوتے مغلوب [illegible] اور ملکۂ انتقاد، اور قوت ممیزہ سے بے بہرہ ہوتی ہے، اس لئے اس کی شان سے یہ ہے کہ زود اعتقاد اور سریع التصدیق ہو، اس قانون کو ذہن میں رکھنے سے اس بات کا سبب جلد سمجھ میں آجاتا ہے، کہ ناممکن اور غیر معقول قصے اور خرافات اس قدر جلد لوگوں میں کیوں منتشر ہو جاتے ہیں، اور قبولیت عامہ کیوں حاصل کر لیتے ہیں؟[1]

پھر ان خرافات کے اختراع و انتشار کا اصلی سبب صرف یہی نہیں ہے کہ جماعت زود اعتقاد اور سریع التصدیق ہوتی ہے، بلکہ ان قصوں کی مقبولیت کا ایک سبب نفس اجتماعی کا ایک یہ خاصہ بھی ہے کہ جماعت جب کسی واقعہ کا ادراک کرتی ہے تو ہمیشہ

---

[1] جو لوگ محاصرۂ شہر پیرس کے زمانہ میں موجود تھے، ان کو جماعت کی زود اعتقادی اور سرعت تصدیق کی بہت سی مثالوں کا علم ہوگا، چنانچہ ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک شب اتفاق سے ایک مکان کی کھڑکی سے لوگوں کو چراغ کی روشنی نظر آئی لوگ یہ سمجھے کہ اس مکان میں کوئی جاسوس ہے اور وہ روشنی کے ذریعہ سے جرمنوں کو راہ بتا رہا ہے باوجودیکہ ادنیٰ توجہ سے یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا تھا، کہ غنیم جو کوسوں دور ہے اس چراغ کی روشنی کو کیونکر دیکھ سکتا ہے لیکن لوگوں نے اس افواہ پر یقین کر لیا، (مولف)

اس کا اعتقاد صور خیالی کے ذریعہ سے ہوتا ہے، جو جماعت کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں
واقعات کی اصلی حقیقت کو کچھ سے کچھ کر دیتی ہیں، ایک واقعہ جو نہایت سادہ ہوتا ہے جماعت کے
مخیلہ میں آکر اس کی صورت بالکل بدل جاتی ہے، اور اس کی اصلی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جماعت
صرف ان ہی واقعات کا ادراک کر سکتی ہے، جو تمثیلی رنگ میں اس صورت سے اس کے سامنے
پیش کئے جائیں کہ شدتِ مبالغہ کی بدولت ان واقعات کی ذہنی صورت اور اصل حقیقت کے
مابین کوئی ادنیٰ علاقہ بھی باقی نہ رہا ہو، اس حالت کا ادراک ہم بخوبی اس وقت کر سکتے
ہیں جب ہم اپنے ذہن میں ان اجنبی ذہنی اشکال وصور کی یاد تازہ کریں جو کبھی کسی واقعہ کا تصور کرتے
وقت ہمارے ذہن میں پیدا ہوئی تھیں، البتہ ہمارے اور جماعت کے مابین جو فرق ہوتا ہے، وہ
یہ ہے کہ ہماری عقل ہم کو اس مناسبت اور تفارق سے آگاہ کرتی رہتی ہے، جو ان ذہنی صور
اور اصل واقعات کے درمیان ہوتا ہے، لیکن چونکہ جماعت کی قدرت سے یہ تمیز باہر ہوتی ہے
اور جو کچھ اس کے ذہن میں آتا ہے اسے وہ بلا نقد کئے ہوئے اصل حادثہ کے جانب منسوب
کرنے کی عادی ہے، اس لئے، وہ خود کسی شے اور اس کی ذہنی صورت کے باہمی فرق کا ادراک
نہیں کر سکتی، بلکہ تمام اُن خیالات اور ذہنی صورتوں کو جذب وہضم کر لیتی ہے جو اس کے
ذہن میں پیدا ہوں، حالانکہ اغلباً ان ذہنی صور کو اصلی واقعات سے کوئی نسبت نہیں ہوتی،

پھر چونکہ وہ افراد جن سے جماعت کی تشکیل ہوتی ہے، ان کے امزجہ باہم بالکل مختلف
اور متبائن ہوتے ہیں، اس لحاظ سے ہونا تو یہ چاہئے کہ ذہنی اشباح جو کسی واقعہ کے تصور کے وقت
جماعت پیدا کر لیتی ہے، افراد کے اختلافِ طبائع کی بنا پر مختلف قسم کی ہوں، لیکن تجربہ
سے اس کے خلاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ ذہنی صورتیں مختلف ہوں بالکل
یکساں ہوتی ہیں، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ پہلے جماعت کے کسی ایک فرد کے ذہن میں کسی واقعہ کا

تصور کرتے وقت ایک ذہنی صورت پیدا ہوتی ہے جو مثل خمیر کے ہوتی ہے، اور اس کے بعد قانون تعدیہ کی بنا پر اسی خمیر کے آب و گل سے باقی افراد کے ذہنوں کے اندر بھی یہی ذہنی پیکر اور یہی خیالی مرقع تیار ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ قبل اس کے کہ تمام صلیبیوں کو بیت المقدس کی چار دیواری پر سینٹ جارج کی صورت نظر آنی فطری بات تھی کہ سب سے پہلے کسی ایک فرد کے تخیل میں یہ تصویر آئی ہوگی، اس کے بعد جماعت کی اثر پذیری اور تعدیۂ اثر کی خصوصیتوں نے اس تخیل کو ایک جسم مرئی کی صورت میں لا کر تمام افراد کے پیش نظر کر دیا ہوگا،

یہی حالت ان تمام ذہنی صورتوں کی ہوتی ہے جنکو تاریخ نے روایت کے ذریعہ سے ہم تک پہونچایا ہے، اور جن پر اس وجہ سے حقیقت کا ملمع چڑھا ہوا ہے کہ لکھوکھا آدمیوں نے بیک وقت اپنی آنکھوں سے انکا مشاہدہ کیا،

لیکن اب یہاں پر یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ آخر جماعت میں بہت سے افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو عقل و ذکاوت سے بہرہ مند ہوتے ہیں، وہ کس طرح ان ذہنی اشکال و اشباح کی حقیقت کو تسلیم کر لیتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جماعت کی اس خصوصیت یعنی اثر پذیری اور زود اعتقادی میں عقل و ذکاوت بالکل کام نہیں دیتی اور عالم و جاہل دونوں کی حالت اس بارے میں بالکل یکساں ہوتی ہے کہ وہ جب تک جماعت میں شامل رہتے ہیں تعقل و تمیز کی قدرت نہیں رکھتے، اور اگرچہ معترض یہ کہہ سکتا ہو کہ یہ خیال کہ جماعت میں عالم و جاہل دونوں مساویانہ حیثیت سے تعقل و تمیز کی صلاحیت نہیں رکھتے مغالطۂ محض ہے، مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اپنے دعوی کے اثبات کے لئے ہمیں بہت سے تاریخی واقعات دہرانا پڑیں گے جن کے لیے ایک دفتر کی حاجت ہے، لیکن چونکہ ہم ناظرین کو غیر مدلل قضایا کے سامنے

تاریکی میں نہیں چھوڑنا چاہتے، اس لئے، اپنے دعوی کے ثبوت میں متعدد شہادتیں سپرد قلم کرتے ہیں،

سب سے پہلے ہم وہ واقعہ نقل کرتے ہیں جو ہمارے دعوی کی جلی شہادت ہے، کیونکہ اس واقعہ میں خیالی صورت جن افراد کے ذہنوں میں پیدا ہوئی ہے، وہ مختلف قسم کے لوگ تھے، ان میں جاہل بھی تھے اور عالم بھی، یہ واقعہ ایک بحری لفٹنٹ جولین فیلکس نے اپنی کتاب "بحری سفرنامہ" میں درج کیا ہے، اور اس سے قبل مجلہ علیئہ (سائنٹفک میگزین) میں بھی شایع ہوچکا ہے، وہ لکھتا ہے :-

"آہن پوش جہاز بیل پول سطح آب پر جہاز لیپرسو کو جو ایک سخت طوفان کے باعث گم ہوگیا تھا تلاش کر رہا تھا، موسم خوش گوار اور آفتاب نور افگن تھا کہ ناگاہ چلتے چلتے ایک جھنڈی دکھائی دی جو ایک غرق ہونے والی کشتی کے جانب اشارہ کر رہی تھی، جہاز پر جتنے آدمی تھے سب نے دیکھا کہ ایک جہاز جو آدمیوں سے پُر ہے، غرق ہو رہا ہے، اور لوگ شور و غل مچا رہے ہیں، یہ سب کچھ گو تخیل تھا لیکن کپتان نے فوراً ایک کشتی ان ناامیدوں کے بچانے کے لئے سمندر میں چھوڑ دی، ہم جتنا قریب ہوتے جاتے، آدمیوں کی چیخ پکار زیادہ سنائی دیتی، لیکن جب منزل مقصود پر پہونچے، تو وہاں بجز درختوں کے جو برگ و بار سے لدے ہوئے تھے اور کچھ نہ تھا، نہ کوئی جہاز غرق ہوا تھا، اور نہ کسی آدمی کا پتہ تھا، جوں ہی اصل حقیقت آشکارا ہوئی تخیل رفو چکر ہوگیا"

اس واقعہ سے بڑھکر کیا کوئی دوسری مثال پیش کیجا سکتی ہے جو جماعت کی اس خلاق قوت مصورہ کے وجود پر کافی ضمانت ہو سکے، اور جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ جماعت کس عجیب و غریب طریقہ سے ایک خیالی صورت اپنے ذہن میں پیدا کرلیتی ہے، اور اس کی صحت پر اس شدومد سے یقین کرتی ہے کہ اس کے متعلق شک و ابہام کی گنجائش ہی نہیں رہتی، دیکھو اس واقعہ میں ایکطرف ایک جماعت حالتِ انتظار و استعداد میں محو تھی، اور دوسری جانب شاہد مقصود کی ایک جھلک اسے دکھائی دی، خیال تو کرو کہ یہ کتنا قوی مؤثر تھا جس کے اثر سے جہاز پر جتنے لوگ تھے سب مسحور ہو گئے، اور سب نے اس خیالی صورت کو واقعہ سمجھ لیا،

پھر جماعت کا ایشار کی اصلی حقیقت کو نہ سمجھنا، اور واقعات کو غیر مربوط تخیلات کی شکل میں منتقل کرنا، اس کے لئے کچھ اس کی بھی ضرورت نہیں کہ جماعت کی تشکیل ایک جم غفیر سے ہوئی ہو، بلکہ جب چند افراد اکٹھا ہو جاتے ہیں، تو گو یہ سب کے سب اکابر علما سے ہوں، لیکن جماعت کی تشکیل ہوتے ہی ان میں بھی وہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جو عموماً جماعتوں میں پائے جاتے ہیں، ان میں کا ہر فرد ایسے اوصاف کا جامہ پہن لیتا ہے، جو اگرچہ اسکی خصوصیت علمی کے بالکل خلاف ہوتے ہیں لیکن تشکیلِ جماعت کے لئے ضروری ہیں، اور ان میں کا ہر فرد فی الفور محروم التمیز اور مسلوب العقل ہو جاتا ہے، اس حقیقت کی ایک عجیب و غریب مثال ایک وہ واقعہ ہے جو ایک مشہور ماہر نفسیات موسیو ڈیوی کے حیرت انگیز طلسمی اعمال کے متعلق مشہور ہے، جسے ہماری زبان کے مشہور رسالہ ,, روزنامہ علم النفس،، نے اپنی ایک قریبی اشاعت میں شائع کیا ہے، وہ واقعہ ہے کہ ایک بار موسیو ڈیوی نے یورپ کے سائنس داں ماہرین کو جنہیں انگلستان کا مشہور عالم مسٹر ویلس بھی تھا اس بات کی دعوت دی کہ وہ ایک جگہ جمع ہو کر اسکے حیرت انگیز طلسمی اعمال کا مشاہدہ کریں، جب سب لوگ جمع ہو گئے، تو موسیو ڈیوی نے ان کے سامنے کچھ چیزیں پیش کیں،

اور ان کو اجازت دی کہ ان اشیاء پر جہاں جہاں چاہیں مہر لگادیں، پھر ان کے سامنے موسیو ڈیوی نے تمام وہ طریقے استعمال کیے جو فن استخدام ارواح اور فن تجسیم ارواح میں استعمال کیے جاتے ہیں یہ اعمال اس قدر حیرت انگیز تھے کہ ان کو دیکھکر سارے مجمع نے جو اکابر علماء پر مشتمل تھا، موسیو ڈیوی کو اس مضمون کے سارٹیفکیٹ دیئے کہ جو باتیں اس وقت ہمارے سامنے گذریں وہ طاقت بشری سے بالاتر تھیں، لیکن جب یہ سارٹیفکٹ موسیو ڈیوی کے ہاتھ میں آگئے اس وقت اس نے مجمع کے سامنے اقرار کیا کہ یہ سارے کا سارا کھیل صرف ایک شعبدہ تھا۔ اس واقعہ کا راوی کہتا ہے کہ موسیو ڈیوی کے حیرت انگیز اعمال کے مشاہدہ کرنے سے جس بات پر حیرت ہوتی ہے، وہ اسکی مہارت اور صفائی نہیں ہے، بلکہ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے اس کو سارٹیفکٹ کس طرح دیدیئے، اور اس بات پر کہ سارٹیفکٹ دینے والوں نے ایسے بہت سے واقعی افسانے بیان کیے جو سب کے سب جھوٹ تھے، جو باتیں ان لوگوں نے اپنے روایت کردہ واقعات کے متعلق بیان کیں وہ اگر صحیح مان لی جائیں تو پھر ان واقعات کو شعبدہ کہنا غلط ہوگا، نیز اس بات پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ موسیو ڈیوی کو اس قسم کے اعمال کی کس طرح جرأت ہوئی، حالانکہ وہ محض شعبدہ تھے، اور ایک مجمع پر ان کا اسقدر شدید اثر پڑا کہ جو اس وقت تم نہیں دیکھ سکتے، وہ انھوں نے دیکھ لیا، یہ کون سا اثر تھا؟ یہ اسی قسم کا اثر تھا جو مسمریزم کا عامل معمول پر ڈالتا ہے، پھر جب کہ مذکورۂ بالا واقعہ سے یہ معلوم ہوگیا کہ اس قسم کا اثر روشن دماغ لوگوں پر بھی ڈالا جاسکتا ہے، تو اب جماعت کی معمولی عقلوں میں اس تاثیر کے عمل سے کون انکار کرسکتا ہے،

غرض مذکورۂ بالا دعوے کے ثبوت میں ہمارے پاس متعدد شہادتوں کا ایک انبار موجود ہے جنکا نقل کرنا موجب تطویل ہوگا البتہ ذیل کے واقعہ کا ذکر کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے،

مصنف کتاب کو مرتب کر رہا تھا کہ اخبارات میں زور و شور کے ساتھ یہ خبر شائع ہوئی کہ دو لڑکیاں دریائے سین میں غرق ہو گئیں، اور ان کی لاش دریا سے نکال کے مجمع کے سامنے رکھی گئی تو متعدد شاہدوں نے ان کی شناخت کی، یہ شہادتیں اس قدر زبردست تھیں کہ آخر کار ججوں کو بھی ان شہادتوں کا یقین آگیا اور اُنھوں نے دونوں کے دفن کئے جانے کی اجازت دیدی، لوگ دفن کا سامان کر ہی رہے تھے کہ وہ لڑکیاں جن سے یہ لاشیں مشابہ تھیں اور جن کے شبہ پر شاہدوں نے گواہی دی تھی، اتفاقیہ طور پر آگئیں، اور اب یہ معلوم ہوا کہ تمام شاہدوں کو شبہہ ہو گیا تھا، حالانکہ ان لاشوں اور زندہ لڑکیوں کے مابین کچھ یوں ہی سی مشابہت تھی، جو مغالطہ شاہدوں کو یہاں ہوا، وہ بعینہ وہی ہے جس کا اوپر کی مثالوں میں تذکرہ کیا جا چکا ہے، اور وہ یہ ہے کہ پہلے شاہد اول کے ذہن میں ایک معمولی تشابہ کی بنا پر یہ خیال گذرا کہ یہ غرق شدہ لاشیں غالباً فلاں اور فلاں کی بیٹیوں کی ہیں، اور محض اس خیال کے پیدا ہوتے ہی اِس نے گواہی دیدی، پھر بقیہ شاہد بھی تعدیۂ اثر کی بنا پر اُس کے اثر سے متاثر ہو گئے، اور اُنھوں نے بھی اپنی شہادتوں سے شاہدِ اول کی تائید کی،

ان واقعات میں جماعت کی اثر پذیری کا پہلا درجہ یہ ہوتا ہے، کہ پہلے ایک شخص کے ذہن میں چند مبہم مشابہتوں کی بنا پر ایک خیال پیدا ہوتا ہے، اور اس شدت سے اس کے ذہن میں گھر کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی رائے یہی ہے، پھر اس کے بعد اسی خیال سے کچھ لوگ اور اثر پذیر ہونا شروع ہوتے ہیں، پس اب اگر وہ پہلا شخص جس کے سامنے پہلے واقعہ گذرا ہے، سریع التاثر ہے، تو بس اس کے لئے اتنی ہی بات کافی ہوتی ہے کہ لاش میں جو اس کے سامنے پیش کی گئی ہے، کوئی علامت ایسی پائی جاتی ہو جو کسی دوسرے زندہ شخص

کے جسم میں بھی پائی جاتی ہے، اور جسے یہ شخص پہلے دیکھ چکا ہے، بس اتنے سے تشابہ پر اس شخص کو یقین ہو جائیگا کہ یہ جسم وہی پہلا جسم ہے خواہ واقع میں ان دونوں جسموں میں کوئی مشابہت بھی ہو یا نہ ہو، اور اب اس تخیل کا اثر اس قدر قوی ہو جاتا ہے کہ حد ادراک میں اس کے قدم رکھتے ہی قوت ممیزہ بالکل مسلوب ہو جاتی ہے، اور ملکۂ انتقاد بالکل فنا ہو جاتا ہے، اس حالت میں یہ شخص وہ نہیں دیکھتا جو اس کی نظر کے سامنے ہوتا ہے، بلکہ وہ دیکھتا ہی جو اس کے تخیل کے اندر ہوتا ہے،

اسی واقعہ سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ اور ہے، اور اس میں بھی شاہدوں نے اسی قسم کی غلط شناخت کی جیسی کہ اس واقعہ میں کی تھی، بلکہ اس واقعہ میں حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ایک عورت اپنے بیٹے کی غلط شناخت کرتی ہے، یہ واقعہ گو کسی قدر پرانا ہو گیا ہے تاہم اخبارات میں اب اس کا ذکر آیا ہے، وہ واقعہ حسب ذیل ہے:-

"شہر پیرس میں ایک مقام پر کسی بچہ کی لاش پڑی ہوئی ملی، اتفاقاً ایک دوسرا لڑکا اُدھر آنکلا، اور اس نے بیان کیا کہ یہ میرے ایک ہمدرس دوست کی لاش ہے، دوسرے دن اسکی ماں طلب کی گئی، وہ لاش کو دیکھتے ہی چلا اُٹھی کہ یہ میرا بچہ ہے، جو ماہ جولائی سے لاپتہ ہو گیا تھا، لوگ اسے پکڑ لے گئے اور اب اسے قتل کرکے اس مقام پر چھوڑ گئے، اس عورت کا نام چاونڈریٹ تھا، اس کے بعد اس کی ماں کے بہنوئی کو اطلاع ہوئی جس نے آکر بیان کیا کہ ہاں یہ میرے بھانجے فلیبر کی لاش ہے، اس کے بعد ججوں نے مزید شہادتیں اور طلب کیں جنمیں اس لڑکے کے اسکول ماسٹر کی شہادت بھی تھی، اسکول ماسٹر نے لاش کی گردن میں سونے کا تمغہ دیکھ کر کہا

کہ ہاں یہ لڑکا اسی عورت کا ہے، اور اس کی شناخت یہ ہے کہ اس لاش کے

گلے میں جو تمغہ پڑا ہوا ہے، یہ وہی ہے جو اس بچہ کو اسکول سے انعام میں ملا تھا،

کیا کسی دعوی کی تائید میں اس سے زیادہ قطعی الدلالت شہادت آسانی سے

تصور میں آسکتی ہے؟ لیکن واقعاتِ مابعد سے ثابت ہو گیا کہ یہ تمام ذخیرۂ شہادت

مجموعۂ خرافات تھا، چھ ہفتہ کے بعد پتہ لگا کہ واقعتہً جس لڑکے کی یہ لاش

تھی وہ پیرس کا تھا ہی نہیں، اور یہ لاش شہر بورڈو کے ایک لڑکے کی

ہے جسے ایک کمپنی شہر پیرس میں اٹھا لائی ہے چنانچہ بالآخر خالہ، اُستاد،

کلاس فیلو، اور دیگر معزز گواہوں میں سے سب نے اپنی غلط شناسی

کا اعتراف کیا[1]،،

لیکن واقعاتِ بالا کے متعلق یہ پیش نظر کر لینا بھی ضروری ہے کہ اس قسم کی غلط شہادتیں عموماً عورتیں اور بچے اور وہ افراد پیش کرتے ہیں جو دوسروں سے زیادہ سریع التاثر اور زود اعتقاد ہوتے ہیں،

اس حقیقت کو پیش نظر رکھکر ہمیں اس قسم کی تمام شہادتوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو جائیگا جو عموماً عدالتوں میں پیش ہوتی ہیں، عام طور پر تمام ججوں کی متفقہ شہادت ہے کہ سن طفولیت میں آدمی جھوٹ نہیں بولتا، حالانکہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ لوگ اگر نفسیات سے کسی قدر واقف ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ آدمی اس عمر میں ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے، گو اسکا جھوٹ معصومانہ ہوتا ہے، لیکن وہ جھوٹ ضرور بولتا ہے،

ہاں تو ہم پھر اپنے گذشتہ بیان کی جانب رجوع کرتے ہیں، ہم کہہ رہے تھے کہ جماعت

---

[1] اخبار "اکلیر" ۲۱ اپریل ۱۸۹۵ء،

کے اقوال اور شہادتیں عموماً سب سے زیادہ غلط ہوتی ہیں اور جماعت کی شہادت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شہادت جو جماعت پیش کر رہی ہے ایک فرد کا خیال ہے جو تمام افراد کے ذہنوں میں متعدی ہو گیا ہے، اس قسم کی مثالیں کہاں تک پیش کیجائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کی شہادت پر یقین کرنے سے ہمیں احتراز کرنا چاہیئے! اس کلیہ کی ایک بڑی مثال یہ ہے کہ سب جانتے ہیں کہ **واٹرلو** کے واقعہ میں کس قدر لوگ شریک تھے لیکن ابتک اختلافِ آرا کے باعث یہ پتا نہ چلا کہ اس حملہ کا کمانڈر کون تھا، یہاں تک کہ مشہور انگریز جنرل **لارڈ ولزلی** نے اچھی کتاب شائع کی ہے، اسمیں تصریح کی ہے، کہ راویوں نے واقعات کی روایت میں سخت دھوکے کھائے ہیں حتی کہ جنگ **سیڈان** کے ان واقعات کی روایت میں بھی جنکی صحت پر ہزاروں آدمیوں کا اجماع ہو چکا ہے[1]،

---

[1] اس میں بالکل شک نہیں کہ ہمیں کسی جنگ کی اصلی حقیقت کا کچھ علم نہیں ہوتا، اور اس بارے میں جو کچھ ہمارے معلومات ہوتے ہیں، وہ یہ ہوتے ہیں کہ غالب کون اور مغلوب کون ہوا، اور اس کے علاوہ ہمیں کسی بات کا علم نہیں ہوتا، میرے خیال میں ڈی ہارکوٹ نے جنگِ سولفرینو کی بابت جو کچھ لکھا ہے وہ ہر جنگ پر صادق آتا ہے وہ لکھتا ہے:-

"قائدینِ عساکر اپنی اپنی رپورٹیں متعدد سپاہیوں کے اقوال کی بنا پر پہلے تحریر کرتے ہیں انھیں پورٹ لوگ سنا کر کھکر ذمہ دار افسر احکام جاری کرتے ہیں اور آخری رپوٹ تحریر کرتے ہیں لیکن یہ تحریر جب قائدِ عام (فیلڈ مارشل) کے سامنے پیش کیجاتی ہے، تو وہ جھلا کر کہتا ہے کہ یہ رپوٹ تم نے غلط لکھی ہے، اسکے بعد وہ خود اس رپورٹ کے بجائے اپنی رپوٹ مرتب کرتا ہے جسمیں اصلی حقیقت کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے"

جنگ مذکور کے متعلق ڈیوک ہارکورٹ نے یہ واقعہ اس غرض سے تحریر کیا ہے کہ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مشہور واقعات کی اصلی حقیقت دریافت کرنا بہت مشکل ہے حتی کہ ان واقعات کی حقیقت بھی جو فوراً ضبطِ تحریر میں آئے جائیں، (مؤلف)

غرض جماعتوں کی شہادتیں جسم قسم کی ہوتی ہیں، واقعات بالا سے ان کی قدر وقیمت کا خوب اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے، لیکن باوجود اس کے یہ عجیب بات ہے کہ منطقیین نے متعدد اشخاص کے کسی مسئلہ پر متفق ہو جانے کو ان قطعی دلائل میں سے شمار کیا ہے جو کسی امر کے ثبات کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں، بخلاف اس کے نفسیات سے جو بات ہمیں ان کے متعلق معلوم ہوتی ہے اور علم النفس جس جانب ہمیں ہدایت کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ شک اور اصلی شک کی گنجایش انھی وقائع میں ہوتی ہے جنکو ایک جم غفیر نے روایت کیا ہو، اور اس بنا پر منطقیین کی خدمت میں ہمارا مشورہ یہ ہے، کہ وہ ذرا تکلیف کر کے متواترات کی بحث پر ایک عمیق نظر اور ڈالیں تاکہ اس بحث کی اچھی طرح تنقیح ہو جائے، یہ کہنا کہ اس واقعہ کو بیک وقت متعدد لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، یا فلاں واقعہ کے متعلق شہادت عینی کا یہ بیان ہے، اس کا اغلبًا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہوتا ہے کہ جماعت جو شہادت پیش کر رہی ہے اصل میں واقعہ اس سے بہت مختلف ہے،

غرض اس پوری بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تاریخی کتابوں کو صرف اس نگاہ سے دیکھنا چاہیئے کہ گویا ان کو وہم وخیال نے تصنیف کیا ہے، اور بہت سے ایسے خرافات اور خیالی واقعات ان میں مندرج ہیں جنکا وقوع مشکوک ہے، اور جن پر بعد کو بہت سے حاشیے چڑھائے گئے ہیں، اس بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ واقعات تاریخی کی ترتیب وتدوین میں اپنے وقت عزیز کے خون کرنے سے یہ بہتر ہے کہ انسان کسی دوسرے ذلیل کام میں مشغول رہے، صفحات تاریخ میں جن اعاظم رجال کے کارنامے درج ہیں، ان کی حالت یہ ہے کہ قوموں کے وہم وخیال نے انکی اصلی حقیقت کو کچھ سے کچھ کر دیا ہے، ہیرکلیز، بدھ، اور دیگر تاریخی اشخاص کے کارنامے صرف قوموں کے وہم وخیال کے نتائج ہیں، ان کی اصلی زندگی کچھ اسقدر زیادہ اہم نہ تھی،

جتنی بعد کو کر دی گئی، اور حقیقت یہ ہے کہ چونکہ بڑے سے بڑا شخص بھی جماعت کو اثر پذیر کرنے میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا، تاوقتیکہ وہ اپنی زندگی کو ایک مافوق العادت صورت میں دنیا کے سامنے پیش نہ کرے، اس لئے اسکی زندگی کے واقعات کا بعد کو کچھ سے کچھ ہو جانا ایک ناگزیر امر ہوتا ہے،

پھر ان مراحل کو طے کرنے کے بعد دوسری نحوست یہ پیش آتی ہے کہ باوجودیکہ یہ قصے اور کارنامے کتابوں کے اندر محفوظ کر دیئے جاتے ہیں، لیکن جماعت کا بدقسمت تخیل یہاں بھی انکا پیچھا نہیں چھوڑتا اور وہ برابر ان میں تحریف کرتا رہتا ہے، مثال میں دیکھو کہ وہ خونخوار یہواہ جسکا تذکرہ تورات میں ہے، اور وہ یہواہ جو محبت کا دیوتا ہے، اور جسکا ذکر سینٹ پیٹر نے کیا ہے، ان دونوں میں کتنا فرق ہے؟ پھر یہ دیکھو کہ وہ **گوتم بدھ** جسکی پرستش **چین** میں ہوتی ہے، اور وہ **بدھ** جسکی پرستش **جاپان** اور **ہندوستان** میں ہوتی ہے، ان دونوں میں اب کونسی مشابہت باقی رہی ہے،

اعاظم رجال کے حالات و واقعات میں جماعت کا بدقسمت وہم و تخیل جس طرح تحریف سے کام لیتا ہے، اس کے لئے کچھ زیادہ مدت گذرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ یہ انقلاب چند سالوں کے اندر اندر دیکھتے ہی دیکھتے ہو جاتا ہے، ہم نے اعاظم رجال میں سے اس بڑے شخص کی تاریخ پڑھی ہے جس نے پچاس برس سے بھی کم مدت میں مختلف صورتیں بدلیں، **آل بوربون** کے زمانہ میں نپولین کی تصویر لوگوں کے ذہنوں میں یہ تھی کہ وہ ایک مجسم انسانیت، آزاد بفکر، اور بیکسوں کا غمگسار ہے، اور اگر شاعروں کا قول درست ہو، تو وہ ایسا شخص ہے جسکی یاد بیکسوں کی جھونپڑیوں میں مدتوں تازہ رہے گی، پھر تیس برس کے بعد وہی نپولین ایسا پلٹا کہ اب وہ لوگوں کو استبداد کا دیوتا، ظالم و جفاکار، اور لوگوں کی آزادی سلب

کرنے والا، نظر آنے لگا، لیکن اس کے بعد ہم نپولین کو ایک دوسرے ہی رنگ میں پاتے ہیں، یوں ہی انقلاب ہوتے ہوتے ایک زمانہ وہ آئیگا کہ اس زمانہ کے لوگ متناقض خیالات و آراء سے گھبرا کر سرے سے اس کے وجود ہی سے انکار کرنے لگیں گے، جیسا کہ اس وقت بعض لوگ گوتم بدھ کے وجود میں شک کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بھی یونانی پہلوان ہیرکلیز کی طرح ایک خیالی انسان تھا، البتہ لوگوں کو احوالِ جماعت کی واقفیت کی بدولت جتنا جتنا یہ معلوم ہوتا جائیگا کہ تاریخ صرف خرافات اور توہمات اور خیالی واقعات کے باقی رکھنے کی کوشش کرتی ہے، اسیقدر وہ کسی امر کے متعلق شک ظاہر کرنے اور اصلی حقیقت کے پوشیدہ رہنے کی وجہ سے عمیق حزن وغم زیادہ محسوس کرتے جائیں گے،

(۳)
جماعت کی مبالغہ پسندی، سادہ لوحی

مشاعرِ جماعات خواہ کسی طرح کے ہوں: یعنی مفید ہوں یا غیر مفید، مضرت رساں ہوں یا فائدہ رساں، نیک ہوں یا بد، ہر صورت میں ان کے دو مخصوص اوصاف ہوتے ہیں: نہایت سادگی اور بے انتہا مبالغہ آمیزی لیکن جس طرح اور دیگر خصائص کے اعتبار سے افراد جماعت اور وحشی انسانوں کے باہم بہت کم فرق ہوتا ہے، اسی طرح ان دو خصائص میں بھی افرادِ جماعت اور وحشی انسان بہت کچھ ایک دوسرے سے مشابہ ہوتے ہیں، وحشی انسانوں کے افراد جماعت بھی فاقد التمیز ہوتے ہیں، انکی نظر تمام اشیاء پر یکساں پڑتی ہے، اور اشیا کے باہمی فروق کا ادراک نہیں کر سکتے، جماعت اپنے مشاعر و احساسات میں مبالغہ پسند کیوں واقع ہوئی ہے؟ اسکا

بڑا سبب یہ ہے کہ ہر احساس جو اس میں پیدا ہوتا ہے، جماعت کے خاصۂ اثر پذیری کی بدولت تمام افراد میں پھیل جاتا ہے، اور پھر تمام افراد جو ایکدم اس کو قبول کر لیتے ہیں، تو اس وجہ سے اور اسے قوت حاصل ہو جاتی ہے،

جماعت کی مبالغہ پسندی اور سادہ لوحی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ جماعت شک و تردد سے ناآشنائے محض، اور عورتوں کی طرح بہت زیادہ انتہا پسند ہوتی ہے جماعت کو اوّل تو کسی امر کے متعلق شک و شبہہ لاحق ہی نہیں ہوتا لیکن جب کسی امر کے متعلق اس کے ذہن میں شک پیدا ہوتا ہے، تو نہایت قوت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، حالت انفرادی میں گو انسان کبھی کسی امر کا اقرار کرتا اور کبھی کسی بات سے نفرت کا اظہار کرتا ہے، کبھی کسی بات کو مانتا اور کبھی کسی بات کے متعلق شک کرتا ہے، لیکن جماعت میں شامل ہو کر اسے جب کسی بات سے نفرت پیدا ہوتی ہے تو نفرت حقد شدید، شک انکار شدید، اور رغبت نفرت کی صورت اختیار کر لیتی ہے،

یوں تو تمام جماعتیں مبالغہ پسند اور انتہا پسند ہوتی ہیں، لیکن خصوصیت سے یہ وصف ان جماعتوں میں زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، جنکی ترکیب مختلف اصناف کے افراد سے ہوتی ہے چونکہ ان جماعتوں میں توازنِ اعمال مفقود ہوتا ہے، اس لئے ان جماعتوں سے وہ اعمال سرزد ہوتے ہیں جنکا صدور ایک فرد سے بالکل محال ہوتا ہے کیونکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ نتیجہ بد میں وہی اکیلا مبتلا نہ ہوگا، پھر جماعت جس قدر زیادہ افراد سے مرکب ہوتی ہے، اسی قدر اسمیں یہ اعتقاد شد و مد سے پیدا ہوتا ہے، یہاں آکر بزدل، نامرد، جاہل اور حاسد اپنے اپنے انحطاط اور ضعف کو فراموش کر کے ایک وقتی خیال کی بنا پر وحشی اور خوفناک بن جاتے ہیں،

لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ جماعت کا غلو مشاعر عموماً بداخلاقی میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے اور

یہی وصف (یعنی بداخلاقی) ہے جو اس زمانہ کے لوگوں نے اپنے اجداد سے ورثہ میں پایا ہے،
یہی بداخلاقی کے مشاعر ہیں جنکو افراد حالت انفرادی میں عقاب اور سزا کے خوف سے
اپنے ذہنوں سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جماعت میں آکر اسی قسم کے مشاعر کا زیاد
زور ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ بُرے سے بُرے کام اور بداخلاقی کی جانب جماعت کا
مائل کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے،

لیکن اگر ہوشیاری کے ساتھ اس کی قیادت کیجائے، تو اکثر اس سے عمدہ او بہتر
افعال بھی سرزد ہوتے ہیں، بلکہ عظائم اعمال کے انجام دینے کی صلاحیت اس میں افراد
کچھ زیادہ ہی زیادہ پائی جاتی ہے ہم عنقریب اس مسئلہ کے متعلق اس مقام پر بحث کریں گے
جماعت کے اخلاق کا ذکر آئے گا،

چونکہ جماعت اپنے مشاعر و احساسات میں حد درجہ مبالغہ پسند ہوتی ہے، اس لئے اس پر
انھی مشاعر و احساسات کا اثر ہو سکتا ہے جو مبالغہ سے پُر، اور حدِ اعتدال سے متجاوز ہوں
اور اسی لئے خطباء جو قوم کے قلوب کو اپنی جانب مائل کرتے ہیں، ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ
پہلے غیر معتدل اور مبالغہ آمیز تاکیدات اور تمثیل بیانی کے ذریعہ سے جماعت کے جذبات کو مشتعل
کردیں کیونکہ جماعت کے جذبات میں اگر اشتعال پیدا کیا جا سکتا ہے، تو صرف اسی ذریعہ سے کہ مبالغہ
تاکیدات کا استعمال کیا جائے اور عقلی استدلال سے بھی بات کے ثابت کرنیکی کوشش
نہ کیجائے، یہی اور صرف یہی ذرائع ہیں جن سے خطباء جماعت کے جذبات کو مشتعل کر سکتے ہیں،

لیکن جماعت کے جذبات کو مشتعل کرنا تو ایک طرف جماعت اپنی مبالغہ پسندی کیوجہ سے
خود رہنماؤں اور قُوّاد سے بھی اس بات کی منتظر و متوقع رہتی ہے کہ ان سے بھی جماعت ہی
کے ایسے افعال صادر ہوں، نیز یہ کہ ان کے القاب مفخم اور ان کے معنوی و صوری فضائل بہ

زور اور عظمت ہو، اسی کا نتیجہ ہے، کہ جماعت تھیٹر اسٹیج پر ناٹکوں کے ہیروز (ابطال) کی بابت شجاعت اور ایسے محاسنِ اخلاق کی متوقع رہتی ہے جو اب تک عالم وجود میں نہ آئے ہوں لیکن اکثر لوگ جماعت کے اِس جذبہ اور میلان کو جس کا اظہار جماعت سے تھیٹر ہال میں ہوتا ہے، تھیٹر کے اُن خصوصیات کی جانب منسوب کرتے ہیں، جنکی وجہ سے تماشہ بینوں میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، بلاشبہہ اسٹیج کی تنظیم و ترتیب بھی ایک مخصوص فن ہے جسکے آئین و ضوابط مرتب ہیں تاہم وہ ایسے قواعد ہیں جو ذوق سلیم اور قوانین منطقیہ سے جوڑ نہیں کھاتے، اور واقعہ یہ ہے کہ گو فنِ خطابت عام لوگوں میں بہت انحطاط پذیر اور گرا ہوا ہے لیکن جماعت کو مخاطب کرنا کوئی معمولی فن نہیں ہے، اس کے لئے بھی مخصوص اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے، اکثر انسان جب کسی ڈراما کو اُٹھا کر دیکھتا ہے، تو اس کی مقبولیت کو دیکھکر حیرت میں آجاتا ہے، یہاں تک کہ تھیٹر کے منیجر بھی جنکی خدمت میں یہ ڈرامے پیش کئے جاتے ہیں، خود انکی مقبولیت کے بابت سوچ میں پڑ جاتے ہیں، بات یہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ خود ڈراموں کی بابت کوئی حکم نہیں لگا سکتے، تاوقتیکہ یہ ڈرامے تماشہ بینوں کی ایک جماعت کے سامنے کئے نہ جائیں[1]،

---

[1] مذکورہ بالا بیان سے ہمیں اس بات کا سبب بھی معلوم ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ بعض اوقات تقریباً تمام تھیٹر کی کمپنیاں جس ڈرامے کے کھیلنے سے انکار کرجاتی ہیں، وہی ڈراما پھر کچھ عرصہ کے بعد جب کھیلا جاتا ہے تو مقبولیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے، موسیو کوپی کے ڈرامے "تاج و تخت کی قربانی" کی مقبولیتِ عام سے ہر شخص واقف ہے، باوجودیکہ دس سال تک تمام تھیٹر کمپنیاں اسکے کھیلنے سے انکار کرتی رہیں اور باوجودیکہ اس کے مصنف کی ادبی قابلیت ہر شخص پر روشن تھی، یہی حال دوسرے ڈرامے "لا مارین دی شارل" کا بھی ہوا، ایک بار تمام کمپنیوں نے اسکے کھیلنے سے (باقی در صفحہ آئندہ)

اگر اس بحث پر گفتگو کرنے کا موقع ہوتا، تو میں قومی اخلاق و عادات کی شدتِ تاثیر کے بابت بھی بہت تفصیل سے گفتگو کرتا، جماعت کے جذبات و احساسات میں قومی اخلاق و حسیات کو جو اہمیت حاصل ہے، اس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات اگر ایک ڈرامے کو کسی شہر میں مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے تو وہی ڈراما جب دوسرے شہر میں کھیلا جاتا ہے تو اس کی جانب کوئی توجہ بھی نہیں کرتا، اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ چونکہ قومی عادات و حسیات کو جماعت کے جذبات و حسیات میں بہت بڑا دخل ہوتا ہے، اس بنا پر دوسرے شہر میں جب یہ ڈراما کھیلا گیا تو شاید حسیات قومی کے اختلاف کی وجہ سے وہ اس شہر کے تماشہ بینوں کے جذبات کو مشتعل کرنے میں جو اسکی کامیابی کا راز تھا، ناکام رہا اور اس لئے اسے کسی نے پسند نہ کیا،

اب آخر میں مجھے یہ بیان کرنے کی تو شاید حاجت نہ ہو گی کہ جماعت کی مبالغہ پسندی کا اثر صرف اس کے مشاعر و احساسات تک محدود رہتا ہے، اور قوت عاقلہ تک متعدی نہیں ہوتا اس لئے کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ افراد کی قوت عاقلہ جماعت میں شامل ہو کر بہت جلد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶) انکار کر دیا تھا، لیکن پھر جب ایک ایجنٹ نے زر کثیر خرچ کر کے اس کا ساز و سامان مکمل کیا، تو پھر وہ ایسا مقبول ہوا کہ تقریباً دو سو بار فرانس میں، اور ہزار سے زیادہ مرتبہ لندن میں کھیلا گیا، اگر ہم نے پہلے یہ نہ بیان کر دیا ہوتا کہ تھیٹر کمپنیوں کے منیجروں کی نظر تماشہ بینوں پر پڑتی رہتی ہے، تو اس بات کا سبب آسانی سے سمجھ میں نہ آسکتا کہ بعض اوقات تھیٹر کی کمپنیاں کسی ڈرامے کے کھیلنے سے پہلے ہی سے کیوں انکار کر دیتی ہیں، اور اتنی فاش غلطی ان سے کس طرح سرزد ہوتی ہے، حالانکہ وہ دنیا کے بڑے ماہر ہوتے ہیں اور پھر ڈراموں کے ایکٹ کرنے میں ان کے بہت سے مقاصد بھی مضمر ہوتے ہیں جسکا نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ اس قسم کے احکام لگانے میں عجلت نہ کرتے، اس عنوان پر میں مکمل بحث نہیں کر سکتا، کیونکہ اس موضوع پر وہ شخص صرف بحث کر سکتا ہے جو مسیو کوبی کی طرح نفسیات اور ٹکنیک دونوں فنون میں مہارت رکھتا ہو

انحطاط پذیر ہوجاتی ہے اور اسی باعث افراد اپنی قوت عاقلہ سے کسی طرح کا کام نہیں
لے سکتے، اور اب انکے افعال پر صرف ان کے جذبات و احساسات کا اثر پڑتا ہے
(یہ بات ایک بہت بڑے فاضل جج موسیو تارڈ کے تجربہ میں بھی آئی ہے جبکہ وہ جماعت کے
مجرمانہ افعال کی تفتیش و تحقیق کر رہے تھے) اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ جماعت ہمیشہ مشاعر و
احساسات ہی کے دائرہ میں رہکر ترقی یا تنزل اختیار کرتی ہے،

(۴)

جماعت کی قدامت پسندی تعصب

ہم بیان کر چکے ہیں کہ جماعت کے مشاعر و احساسات میں ہمیشہ سادہ لوحی اور
انتہا پسندی کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے، اسی بنا پر جماعت کو جو عقائد یا خیالات تلقین کیے جاتے
ہیں، ان کو یا تو وہ بالکل تسلیم کر لیتی ہے یا سرے سے انکا انکار کر دیتی ہے، انکار و اقرار
کے متضاد جلوے یا تردد و شک کے آثار جو اکثر انفرادی حالت میں نظر آتے ہیں جماعت میں انکا
پایا جانا محال ہے، یہ حقیقت کسی شہادت کی محتاج نہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ دینی معتقدات اپنے
اپنے مخالف پہلو کے ابطال میں کسقدر زوردار اور قلوب پر غلبہ حاصل کرنے میں کس قدر طاقتور
ہوتے ہیں،

لیکن چونکہ کسی امر کی حقیقت یا ابطال اعتقاد کی بابت جماعت کے سامنے باب شک
مسدود ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ ہی جماعت اپنی طاقت و قوت کے متعلق شعور تام رکھتی ہے
اس لئے اظہار تعصب کے ساتھ ساتھ اس کا تسلط اور غلبہ بھی اس قدر قوت پکڑ جاتا ہے کہ
اسے کسی قسم کے مناظرہ یا بحث مباحثہ کی تاب نہیں رہتی، افراد مناظرہ اور مجادلہ کی

طاقت رکھتے ہیں، لیکن جماعت نہ صرف یہ کہ ہمیشہ مناظرہ کے وقت سپر انداز ہو جاتی
ہے، بلکہ غیض و غضب کا اظہار کرنے لگتی ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی خطیب کسی مجمع کو
مخاطب کرتے ہوئے مباحثہ یا مناظرہ شروع کرنا چاہتا ہے، تو سامعین کی جانب سے فوراً اس کی
طعن و تشنیع شروع ہو جاتی ہے اور سب و شتم اور غضب و غصہ کی آوازیں بلند ہونا شروع
ہوتی ہیں پھر اگر وہ اس پر اور مصر ہوتا ہے تو بلا کسی تاخیر کے مستوجب عتاب ہو جاتا ہے، اور
اور اگر اس مجمع کو پولیس کا خوف نہ ہو، تو شاید وہ اس کے قتل کرنے میں بھی دریغ نہ کرے،

متعصبانہ جوش اور تسلط حاصل کرنے کا شوق، گو یہ دونوں اوصاف جماعت میں
یکساں پائے جاتے ہیں لیکن قومی اخلاق و عادات کا اثر جس طرح جماعت کے دیگر اوصاف میں ہمیشہ نمایاں رہتا ہے
اسی طرح قومی اخلاق و عادات کے اختلاف کی بنا پر جماعت کے دیگر اوصاف میں ہمیشہ نمایاں رہتا ہے اسی طرح قومی اخلاق
و عادات کے اختلاف کی بنا پر ہر قوم میں یہ دونوں اوصاف بھی ہمیں مختلف درجے کے نظر آتے ہیں اور قوموں کے یہ
اوصاف بھی دیگر اوصاف کی طرح موروثی مؤثرات کے تابع اور زیر اثر رہتے ہیں، لاطینی جماعتوں میں یہ دونوں جذبے
اپنے موروثی مؤثرات کے ماتحت اس قدر اعلیٰ مرتبۂ کمال پر پہونچ گئے ہیں کہ افراد کی
روح استقلالی جو اینگلو سیکسن قوم کا ایک ممتاز خاصہ ہے، قوم کے شوق تسلط کے آگے بالکل
پژمردہ ہو گئی ہے، یہاں تک کہ اب لاطینی جماعتیں، افراد کے استقلال کو برقرار رکھنے
کے بجائے صرف جماعت ہی کے مجموعی استقلال کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتی ہیں،
اور چونکہ استقلال کی اس نوع کا ایک اہم اور ممتاز خاصہ یہ ہوتا ہے کہ قوموں میں اپنی
مخالف رائے کے فنا کرنے اور اپنی مخالف جماعت کو بجبر اپنے موافق بنانے کا جذبہ
اور میلان پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے حریت و استقلال کی یہی صنف ہے، جسے عموماً ہر
زمانہ میں مخصوص خیالات کے جذبہ داروں اور معتقدوں نے دنیا میں رواج دینے

کی کوشش کی ہے لاطینی قوموں میں جب سے انقلابِ فرانس نے محکمۂ تفتیش کو ختم، قائم ہوا ہے اسوقت سے لیکر ابتک ہمیشہ یہ قومیں لفظِ حریت کا یہی مفہوم سمجھتی رہی ہیں، اور ہمیشہ ان قوموں نے انفرادی استقلال کے بجائے جماعت کے مجموعی استقلال کی پرستش کی ہے،

غرض شوقِ تسلط اور تعصب یہ دو باتیں ہیں جنسے جماعت خوب واقف ہوتی ہے اور بوقت ضرورت ان سے کام بھی لیتی ہے، جماعت کے نزدیک قوت و طاقت ہی قابلِ احترام چیزیں ہیں، اس لئے وہ کبھی احسان سے متاثر نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے نزدیک احسان کرنا دراصل ضعف کی علامت ہے، اور اسی بنا پر وہ ان لوگوں کی قیادت قبول نہیں کرتی جو لینت اور نرمی کے خوگر ہوں، بلکہ ہمیشہ وہ جفاکاروں اور استبداد پسندوں کے تابع فرمان رہتی ہے، جماعت نے ہمیشہ جفاکاروں اور ظالموں ہی کی یاد تازہ رکھنے کے لئے انکے اسٹیچو قائم کئے ہیں، اور جب کسی جفار کو اپنے پاؤں سے روندا ہے، تو صرف اس لئے کہ اس کا اقتدار گھٹ گیا تھا، غرض کہ نفوسِ جماعت میں ہمیشہ جن لوگوں کے متعلق برتری اور عظمت کا اعتقاد پیدا ہوتا ہے، وہ وہی لوگ ہوتے ہیں جنکا دبدبہ قیصر کی طرح زبردست ہوتا ہے جنکی سطوت سے جماعت کے دلوں میں ہیبت طاری ہوتی ہے، اور جنکا رعب لوگوں کو مغلوب کرلیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جماعت ہمیشہ اس تہیہ میں رہتی ہے، کہ اِدھر حکمراں کی طاقت و قوت میں فرق آئے اور ادھر وہ فوراً علمِ بغاوت بلند کردے، اور وہ اگر جھکتی بھی ہے تو اسکے سامنے جو مضبوطی سے اس پر اپنا اقتدار قائم کرلیتا ہے، اور جہاں اسے کمزوری لاحق ہوئی، بس فوراً جماعت اپنے مخصوص مشاعر کے ماتحت بجائے سرگرمِ اطاعت ہونیکے مصروفِ پیکار، اور بجائے سرِ تسلیم خم کرنے کے مشغولِ کارزار ہوجاتی ہے،

غرض جماعت کا اصلی خاصہ یہ ہے کہ وہ بجز مخصوص حالتوں کے ہمیشہ اپنے رہنماؤں کی

مطیع و فرماں بردار رہے، لیکن نفس اجتماعی کے خصائص اور اس کی حقیقت کے سمجھنے میں ان لوگوں نے سخت دھوکا کھایا ہے، جو یہ خیال کرتے ہیں کہ جماعت کی اصلی اسپرٹ انقلاب انگیزی اور شورہ پشتی ہے، ان کو جس بات سے شبہہ لاحق ہوا وہ یہ ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ جماعت حد سے زیادہ قسی القلب اور سنگدل واقع ہوئی ہے، اس لئے انھوں نے خیال کیا کہ انقلاب انگیزی جماعت کی سرشت میں داخل ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جماعت سے شورہ پشتی کے زہریلے مادہ کا پھوٹ پڑنا، یا اعمالِ تخریب کا ظاہر ہونا، محض وقتی ہوتا ہے، ورنہ جماعت سے زیادہ کوئی شئے عواملِ وراثت اور آثارِ میراث پر قناعت کرنے والی نہیں پائی جاتی، اور اسی لئے جماعت ہمیشہ اپنی قدیم حالت کے نباہنے اور برقرار رکھنے کی بے انتہا کوشش کرتی ہے اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، تو وہ خود شورہ پشتی سے تنگ آجائے اور اطاعت و فرمانبرداری کرنے لگے، دیکھو! نپولین کے زیر قیادت جس جماعت نے ہنگامۂ محشر خیز برپا کیا تھا وہ نپولین کیچھرے زیادہ سخت ہاتھوں کی گرفت میں کیونکر آگئی؟ حالانکہ اس سے زیادہ نشۂ جمہوریت میں بدمست اور آمادۂ پیکار کون جماعت ہو سکتی تھی؟

پس اگر ہمیں اس بات کا علم نہ ہو کہ جماعت کا اصلی میلان ہمیشہ قدامت پرستی کے جانب ہوتا ہے، تو ہمیں دنیا کی تاریخ خصوصاً خانہ جنگیوں کی تاریخ کے سمجھنے میں سخت دقت پیش آئے، یہ بلاشبہہ صحیح ہے، اور واقعات سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے کہ جماعت کبھی کبھی اپنے مخصوص رسوم و آئین اور ضوابط کے اسمار اور ان کی ظاہری صورتوں میں تغیر کر دیتی ہے، یہاں تک کہ سطحی نظر میں یہ معلوم ہونے لگتا ہے، کہ قومی آئین و ضوابط میں انقلاب ہو گیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان اصول و ضوابط کا اصلی عنصر اور خمیر، جو اقوام کی مختلف ضروریات کے مطابق ان کو وراثتہً حاصل ہوتا ہے، اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوتا اور پیہم انقلابات بعد

حوادث کا اثر ہمیشہ ان رسوم و آئین کی ظاہری صورتوں ہی تک محدود رہتا ہے، حاصل یہ ہے کہ جذبۂ قدامت پرستی کو وحشی انسانوں کی طرح اقوام کے طریقِ کار میں بھی بہت بڑی اہمیت حاصل ہے، اور جماعت کبھی رشتۂ قدامت پرستی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتی، بلکہ تقلید اور قدامت پرستی کے نشہ میں وہ اسقدر مدہوش ہو جاتی ہے، کہ ہر جدید شے کے ساتھ جو اس کے احوالِ معیشت اور طرزِ بود و باش میں تغیر کرنا چاہے، اسے بغض و عناد ہو جاتا ہے، موجودہ زمانہ کی طرح اگر کہیں جمہور کا تسلط اسوقت بھی قوت پذیر ہو گیا ہوتا جب میکانک دستکاریوں، کہربا اور ریلوں کی اختراع عمل میں آ رہی تھی، تو یہ مخترعات یا تو کب کی ختم ہو گئی ہوتیں اور یا انکی قیمت کا بازارِ جماعت میں انسانی خون سے بہت زیادہ اندازہ لگایا جاتا، اسے موجودہ تمدن کی خوش قسمتی تصور کرو کہ جماعت کا اقتدار اس وقت ترقی پذیر ہوا ہے جب تمام بڑی بڑی علمی اور صنعتی اختراعات دنیا میں رواج پا چکی ہیں، ورنہ انکی کامیابی میں بے انتہا دقتیں حائل ہوتیں، اور کسی طرح دنیا میں انکا عام رواج نہ ہو سکتا،

(۵)

جماعت کے اخلاق،

اگر ہم لفظ "اخلاق" سے صرف یہ مراد لیں کہ جن باتوں کو عام لوگ اچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان کو اختیار کرنا اور نفس کو اسکی خواہش اور ذلیل باتوں سے روکنا، تو اس معنی کے لحاظ سے بیشک جماعت نہایت بدخلق ہوتی ہے، لیکن ہم اگر اخلاق کے ضمن میں یہ بات بھی داخل کر لیں کہ وقتی طور پر بعض عمدہ باتیں اختیار کر لینا، مثلاً ایثار اور اخلاص وغیرہ تو اس وقت ہم یہ کہہ سکیں گے کہ جماعت خوش اخلاقی اور اعلیٰ اوصاف سے بھی مزین ہوتی ہے،

لیکن بعض ماہرینِ نفسیات نے جو جماعت پر صرف اس کی مجرمانہ حیثیت سے نگاہ ڈالتے ہیں، مطلقاً یہ حکم لگا دیا ہے کہ جماعت کے اخلاق ہمیشہ انحطاط پذیر ہوتے ہیں، اس کا باعث صرف یہ ہے کہ

اُنھوں نے جماعت کے اخلاق پر یکطرفہ نظر ڈالی ہے، یعنی اُنھوں نے صرف یہ دیکھ لیا کہ وہ شر و فساد کی جانب زیادہ مائل ہوتی ہے، اور اسی بنا پر انھوں نے کہدیا کہ جماعت ہمیشہ بد اخلاق ہوتی ہے بلاشبہہ جماعت کے اخلاق کا زیادہ تر حصہ شر و فساد ہی پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن بات یہ ہے کہ ادوار گذشتہ کی سخت مزاجی اور درشتی کا بچا کھچا اثر ہم میں سے ہر ایک کے قلب میں کچھ اس طرح پیوست ہو گیا ہے کہ گو افراد تو بعض مصائب کے خوف سے اس اثر کے اشارہ پر کام کرنے سے دہشت کھاتے اور سمٹتے ہیں، لیکن جماعت کو تو مسئولیت اور بازپرس کا کچھ خوف نہیں ہوتا اس لئے وہ علی الاعلان مسئولیت کے قیود سے محفوظ و مصئون رہکر اسی گذشتہ طریق کار پر نہ صرف عامل ہوتی ہے، بلکہ اپنی خواہش کے مطابق مشغول کار ہونے پر اور شیر دل ہو جاتی ہے، دیکھو تو سہی، وہ ان خلاف انسانیت اعمال کے ارتکاب کرنے پر کس قدر جری ہے، کہ جب اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے اس کے اپنے ابنائے جنس نہیں ملتے، تو کس طرح وہ جانوروں کو مختلف ایذائیں دینے کی کوشش کرتی ہے حقیقت میں جماعت کا جذبۂ ایذا رسانی، اور صیادوں کا شوق صید و شکار، دونوں یکساں اور متناسب جذبات ہیں، اسے جب غصہ آتا ہے تو بلا جذبۂ شفقت سے متاثر ہوئے، وہ اپنے ابنائے جنس کو چیرنے پھاڑنے لگتی ہے، اور یہ جس وقت مبتلائے جنون ہوتے ہیں تو اپنے دوستوں کے مجمع کے ساتھ کس سنگدلی سے سگین بسن کا شکار کرتے ہیں، حالانکہ ایک فلسفی کی نگاہ میں دونوں کی وقعت ایک جنگلی بھیڑئے سے کچھ کم نہیں،

غرض، باوجودیکہ جماعتیں بعض اوقات قتل و غارت، آتش زنی، جرائم اور ہر قسم کے افعالِ شنیعہ کا ارتکاب کر گذرتی ہیں، لیکن ان میں مخلصانہ اعمال، ایثار منافع ذاتی اور بکثرت بہترین اعمال کے انجام دینے کی بھی صلاحیت افراد سے زیادہ ہی زیادہ پائی جاتی ہے، بلکہ جماعت کو جب کبھی دین یا وطن کی خاطر قربانی کرنے کے لئے دعوت دیگئی ہے، تو وہ نہایت

ذوق وشوق کے ساتھ اس پر آمادہ ہو گئی ہے، تاریخ کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ افراد نے نہیں بلکہ جماعت ہی نے ہمیشہ نزاہت، اخلاصِ عمل، اور عظائمِ اعمال کی مسلم الثبوت مثالیں پیش کی ہیں، کتنی جماعتیں تھیں جنھوں نے اپنی جانوں اور روحوں کو محض ان معتقدات کے خاطر جو انھیں تلقین کئے گئے تھے، موت کا شکار بنا دیا! بڑی بڑی جماعتوں کو جانے دو، چھوٹی چھوٹی جماعتیں بھی جو اعتصاب اور اسٹرائک کے ذریعہ سے مظاہرہ کرتی ہیں، تو انکا یہ مظاہرہ اس غرض سے نہیں ہوتا کہ انکی قلیل اجرت میں جو ان کے لئے ناکافی ہوتی ہو اضافہ کر دیا جائے، بلکہ ان کا یہ مظاہرہ اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ انھیں کہیں سے اس ایثار اور قربانی کی جانب دعوت دیگئی ہے، جو ان کے مظاہرہ کی روح رواں ہو، مصلحت ذاتی کا خیال گو افراد کے لئے تہییج و تحریک کا باعث ہوتا ہو لیکن جماعتیں کبھی اس خیال کی بنا پر نہ مشغولِ پیکار ہوئی ہیں اور نہ آسانی سے انھیں اس پر آمادہ کیا جا سکتا ہے تا وقتیکہ انھیں مقصودِ حقیقی سے آگاہ نہ کیا جائے،

جماعت کی خوش اخلاقی اور سلامت روی کا یہ حال ہو کہ بعض اوقات کمینوں اور اوباشوں کی شمولیت سے بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ انکی شمولیت بعض اوقات جماعت کے محاسنِ اخلاق کو اور چمکا دیا کرتی ہے، موسیو ٹائن نے ماہ ستمبر کی شورہ پشت جماعت کے متعلق لکھا ہو کہ اس نے جتنا مالِ غنیمت لوٹا تھا، وہ سب جماعت کے سامنے لاکر رکھدیا، حالانکہ وہ مال قیمتی اشیاء پر مشتمل تھا، اسی طرح جس جماعت نے قصر ٹولیری پر ۱۸۴۸ء کی بغاوت کے دوران میں حملہ کیا ہو، اس کے متعلق بھی تاریخ میں مذکور ہے کہ اس نے بھی قصر کی کسی نفیس شئے کو ہاتھ نہیں لگایا، حالانکہ قصر میں بہت کچھ تھا، اور وہ جماعت غصہ میں بیتاب ہو رہی تھی، جماعت کی خوش خلقی بعض اوقات اسقدر ترقی کر جاتی ہے کہ وہ جماعتیں بھی جو اوباشوں سے مرکب ہوتی ہیں اکثر خلافِ تہذیب

منظر کو دیکھکر یا ناشائستہ الفاظ کو سنکر اپنے آپے میں نہیں رہتیں،

پس مذکورۂ بالا بیان سے ظاہر ہوا کہ جس طرح جماعتوں سے قبیح اعمال سرزد ہوتے ہیں، اسی طرح جماعتیں اپنے اعمال سے بعض اوقات محاسنِ اخلاق کے نمونے بھی پیش کرتی ہیں، اور اس قسم کی مثالیں دو ایک نہیں، بلکہ اگر یہ کہنا صحیح ہے کہ ایک خیالی اور وہمی محورِ نظر کے خاطر قربانی کرنے کے لئے اخلاص مطلق اور ایثار کی سخت ضرورت ہوتی ہے، تو پھر یہ بھی صحیح ہوگا کہ عقلائے زمانہ سے زیادہ جماعتیں ہمیشہ قربانی کی اس قسم کی مثالیں پیش کرتی رہی ہیں، گو ان اعمال کا ظہور جماعتوں سے قصداً نہ ہوتا ہو، لیکن قصد و ارادہ کو ہمارے دعوے سے کوئی لگاؤ نہیں، علاوہ بریں، اگر سچ پوچھو تو واقعہ یہ ہے کہ جماعت سے غیر ارادی اعمال جو صادر ہوتے ہیں، انکی شکایت ہمیں نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ اگر جماعتیں کہیں اپنی عقل سے کام لینے لگیں اور اپنے منافع کا انھیں احساس پیدا ہو جائے تو تمدن کا تختہ الٹ جائے اور عالم میں سراسیمگی اور پراگندگی پھیل جائے،

فصل سوم

جماعت کے قوائے عقلی،
قوتِ عقلی، قوتِ فکری، تخیل آرائی،

(۱) جماعت کی قوت فکری، جماعت کے اساسی اور تبعی افکار کا فرق، یہ بحث کہ ذہن جماعت میں متناقض فکروں کا اجتماع کیونکر ہوتا ہے، جماعت کسی خیال کو اس وقت تک جذب نہیں کرسکتی تاوقتیکہ اپنے خیال کے مطابق اس میں تغیر نہیں کرلیتی ہے، جماعت پر کسی خیال کے اثر کرنے کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ خیال عقلی پہلو سے صحیح بھی ہو،

(۲) قوت عقلی، جماعت عقلی استدلال سے کبھی اثر پذیر نہیں ہوتی جماعت کی قوتِ عقلی ہمیشہ انحطاط پذیر ہوتی ہے، جماعت کا عقلی استدلال ہمیشہ قیاس تمثیلی پر مبنی ہوتا ہے،

(۳) تخیل آرائی، جماعت کا شدت تخیل، جماعت اپنے ذہن میں ایسی صورتیں اور اشباح پیدا کرلیتی ہے جنکو اصلی واقعہ سے کوئی نسبت نہیں ہوتی، جو چیز جس قدر عجوبہ ہوگی اسی قدر جماعت پر زیادہ اثر کریگی، اسی قسم کے کرامات اور پادر ہوا قصے ہر تمدن کی بنیاد ہوتے ہیں، جماعت کا تخیل ہمیشہ قوموں کے

رجالِ سیاست کا دست و بازو رہا ہے، کسی حادثہ سے جماعت کو اثر پذیر کرنے کیلئے اس کو جماعت کے سامنے کس رنگ میں پیش کرنا چاہیے،

(۱)
جماعت کی قوت فکری

ہم نے اگلی تصنیف میں نہایت تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی تھی کہ قوموں کی ترقی میں افکار اور خیالات کا کتنا اثر ہوتا ہے، اور اس باب میں انکی کیا اہمیت ہے، اور یہ بھی بیان کر دیا تھا کہ ہر تمدن کی بنا چند افکار اساسی پر ہوتی ہے، جو تجدد اور تغیر کی صلاحیت نہیں رکھتے، نیز اسکی بھی تشریح کر دی تھی کہ افکار و خیالات نفوسِ جماعت پر کیونکر تسلط حاصل کرتے ہیں، اور وہ کونسی طاقت ہوتی ہے جو نفوسِ جماعت پر اثر کرتے وقت انمیں پیدا ہوجاتی ہے، پھر ہم نے اسکی بھی وضاحت کر دی تھی، کہ بڑے بڑے سیاسی انقلابات اس وقت واقع ہوتے ہیں جب ان اساسی افکار و خیالات میں کوئی تغیر یا انقلاب ہوجاتا ہو، سابق تصنیف میں ہم ان تمام امور کی بخوبی وضاحت کر چکے ہیں، اسلئے ہم یہاں پر دوبارہ ان مضامین کا اعادہ نہ کرینگے، بلکہ نہایت اختصار کیساتھ صرف یہ بتا دینگے کہ اس قسم کے افکار اور خیالات جماعت کے ذہن میں جب پیدا ہوتے ہیں تو کیا صورت اختیار کرتے ہیں، اور ان افکار و خیالات کا جماعت پر کتنا اثر پڑتا ہو،

جماعت جن افکار و خیالات سے عموماً اثر پذیر ہوتی ہے، انکی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) ایک وہ وقتی افکار و خیالات جو بعض وقتی حوادث اور واقعات کے اثر سے جماعت کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، مثلاً کسی مذہب یا کسی ذات کے ساتھ غلو اعتقاد وغیرہ،

۲- وہ اساسی اور غیر فرعی افکار و خیالات جو مخصوص ماحول اور وراثت وغیرہ کی بنا پر

جماعت کے ذہن میں پیدا ہو کر رسوخ حاصل کرتے ہیں، ان اساسی اور غیر فرعی افکار کی مثال میں ہم زمانہ قدیم کے معتقدات مذہبی اور زمانۂ حال کے جمہوری اور اجتماعی خیالات کو پیش کر سکتے ہیں، جو مخصوص ماحول اور مخصوص وراثت کے نتائج ہیں،

اساسی افکار و خیالات کی حالت اُس پانی کی سی ہوتی ہے جو دریا میں سکون کیساتھ بہتا رہتا ہے، اور فرعی افکار اُن چھوٹی چھوٹی موجوں کے مثل ہوتے ہیں، جو دریا کے پانی کو تھپیڑے دے دیکر پیدا ہوتی اور مٹتی رہتی ہیں، اور جو باوجود اپنی قلت وضعف کے آنکھ کے سامنے خود دریا سے زیادہ نمایاں ہوتی ہیں،

اب اس زمانہ میں وہ تمام اساسی افکار و خیالات، جو ہمارے اجداد کے دستور العمل تھے، درجہ بدرجہ مضمحل ہو ہو کر اپنے رسوخ اور قوت کو برباد کر رہے ہیں، اور ان کے زوال کیساتھ اس نظام معاشرت اور نظام حکومت کی بنیادیں بھی ہل گئی ہیں جو ان اساسی افکار وعقائد پر مبنی تھے، اور انکی جگہ پر ہر روز نئے نئے خیالات اور عقائد پیدا ہوتے جاتے ہیں جنمیں نشوونما کی صلاحیت ہمکو بہت کم نظر آتی ہے تاہم ان ہی پر جماعت کے مستقبل کا مدار ہے،

پھر وہ افکار و خیالات جو جماعت کو تلقین کئے جاتے ہیں، اس وقت تک کوئی نتیجہ خیز رسوخ نفوسِ جماعت میں نہیں پیدا کر سکتے، تا وقتیکہ ان کو ایک دلفریب اور سادہ شکل میں نہ پیش کیا جائے، اور یہ صرف اسی صورت سے ہو سکتا ہے، کہ جماعت کو جن خیالات کی تلقین کیجا رہی ہے، انکی حقیقت تصاویر و اشباح یا تشبیہ و استعارات کے ذریعہ سے اسکو سمجھائی جائے تاکہ وہ ذہن میں خوب پیوست ہو جائیں، پھر جب ان خیالی تصاویر کے ذریعہ سے کوئی حقیقت جماعت کے ذہن نشین ہو جاتی ہے، تو باوجودیکہ ان ذہنی اشباح اور خیالی تمثیلات و تشبیہات میں کوئی باہمی تعلق ایسا نہیں ہوتا کہ ایک خیالی تصویر کے ذریعہ سے دوسری خیالی تصویر کی جانب

ذہن کا انتقال ہوسکے، لیکن جماعت کی حالت یہ ہوتی ہے، کہ اس کے ذہن کو ایک خیالی تصویر سے دوسری خیالی تصویر کی جانب نہ صرف انتقال ہوتا ہے، بلکہ وہ ان مختلف اور متناقض تصاویر سے اثر پذیر بھی ہوتی ہے، اور یہی بات ہو کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جماعتیں ان متضاد اور متناقض ذہنی تصاویر سے اثر پذیر ہوکر متضاد اور متناقض افعال کا ارتکاب کرنے لگتی ہیں،

لیکن جماعت کے افعال و اعتقادات میں جو تناقض پایا جاتا ہے وہ صرف جماعت ہی کیساتھ مخصوص نہیں ہی، بلکہ اس قسم کا تناقض اکثر افراد کے اعمال و اعتقاد میں بھی نظر آتا ہے، میں وحشی انسانوں کے متعلق نہیں کہتا، ان کے اعمال و اعتقادات میں اگر تناقض پایا جائے تو محل تعجب نہیں ہے، مجھے تو اس تناقض و تضاد کا مشاہدہ اکثر ان ہندوستانی روشن خیال لوگوں کے اعتقادات میں بھی ہوا ہے جنھوں نے ہمارے یوروپین مدارس میں تعلیم پائی ہے، ان لوگوں کے خیالات میں میں نے یہ عجیب تناقض پایا کہ گو ہماری تربیت کے اثر سے ان کے موروثی اعتقادات پر اجنبی افکار نے غلبہ حاصل کرلیا ہے، لیکن ان کے موروثی اعتقادات کا استیصال نہیں ہوا ہے، یہی تناقض خیالات ہے جسکی وجہ سے گو بعض اوقات ہم افراد کو متضاد اعمال کا ارتکاب کرتے ہوئے تو پاتے ہیں لیکن میرا خیال یہ ہے کہ افراد کے خیالات کے اندر اختلاف کی خلیج خواہ کتنی ہی وسیع ہوجائے، اس عملی تناقض کا اثر کبھی ظاہر سے تجاوز نہیں کرتا، بات یہ ہے کہ افراد سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں انکا مصدر حقیقی اور منبع اصلی صرف ان کے موروثی خیالات ہوتے ہیں اور اسی بنا پر افراد کے اعمال میں حقیقی تناقض صرف اس وقت نمودار ہوتا ہے، جب دو موروثی طاقتیں باہم متصادم ہوتی ہیں، میں اس مسئلہ پر طویل گفتگو کرنا نہیں چاہتا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ میرے خیال میں اس حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مختلف ممالک میں سیر و سیاحت کرکے قوموں کے موروثی اخلاق و عادات سے واقفیت تامہ حاصل کی جائے،

پھر جماعت میں کسی خیال کے پھیلانے کیلئے صرف اتنا ہی ضروری نہیں ہوتا کہ اسکی حقیقت کو ذہنی تصاویر اور تشبیہات کے ذریعہ سے جماعت کے ذہن نشین کرایا جائے، بلکہ جماعت میں کسی فکر و خیال کو اس وقت تک مقبولیت حاصل نہیں ہوتی تاوقتیکہ ترمیم و تغیر کرکے اسکو ذہن جماعت کے قریب نہ کردیا جائے، اس اصول کا مشاہدہ فلسفیانہ اور علمی خیالات میں آسانی سے ہوسکتا ہے، دیکھو کسی علمی خیال کو مقبولیت کا جامہ پہنانیکے لئے اسمیں کتنا تغیر کرنا پڑتا ہے، اور سرتاسر اسے جماعت کے مزاج عقلی کے مطابق بنانا پڑتا ہے، اور گو یہ ترمیم و تنسیخ مختلف اقوام کی حالت کے اعتبار سے عمل میں لائی جاتی ہے تاہم اسکا قدر مشترک یہ ہوتا ہے کہ خیالات کی سادگی اور سطحیت کا جامہ پہن لیتی ہے، سبب ہے کہ جب ہم اجتماعی نظر سے خیالات و افکار کو دیکھتے ہیں تو ان میں بلحاظ بلندی و پستی ہمیں کوئی فرق نظر نہیں آتا کیونکہ اب وہ جیسے ہی ذہن جماعت میں پیوست ہوئے، انکی عظمت تشریف لے گئی، اب اگر انکی کوئی حیثیت رہگئی ہے تو صرف یہ کہ جماعت پر انکا کسقدر اثر پڑتا ہے،

علاوہ بریں اجتماعی نقطۂ نظر سے تو کسی فکر و خیال کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، اجتماعی نقطۂ نظر سے جس بات کو اہمیت ہے وہ صرف یہ ہے کہ جماعت میں کسی فکر و خیال کے اشاعت پذیر ہونے سے اس جماعت کی حالت پر کیا اور کتنا اثر پڑتا ہے، ذرا دیکھو کہ قرون وسطی میں مذہبی معتقدات کو کس قدر اہمیت حاصل تھی، اور زمانۂ حال میں جمہوری اور اجتماعی خیالات کس درجہ برتر اور مافوق البحث خیال کئے جاتے ہیں، حالانکہ فلسفہ ان تمام خیالات کی انتہائی تغلیط کرتا ہے، اور باوجود اس کے زمانہ گذشتہ میں تو خیر ان خیالات کی جو اہمیت تھی وہ تھی، اب بھی انکا اثر ترقی پر ہے اور آئندہ بھی ایک عرصہ تک حکومتوں اور اقوام کی حیات و ممات میں انھیں خیالات کی تہییج و تحریک کو بڑا دخل رہیگا،

لیکن اب فرض کرو کہ ہمنے کسی فکر و خیال میں اقوام کے نفسانی حالات کے مطابق تغیر بھی

کر لیا، اور جماعت میں اس فکر و خیال کی اشاعت بھی ہو گئی، لیکن اب بھی اس فکر و خیال کا اثر جماعت پر اس وقت تک نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ جماعت کے ذہن میں پیوست ہو کر مقتضیات فکری اور احساسات غیر شعوری کی صف میں داخل نہ ہو جائے اور اس کے لئے تو ظاہر ہے کہ ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے،

غرض جماعت میں کسی فکر و خیال کے اشاعت پذیر ہونے کیلئے پہلے اس فکر و خیال کو مختلف مدارج طے کرنا ہوتے ہیں، اس کے بعد پھر کہیں جا کر وہ جماعت میں اشاعت پذیر ہوتا ہے، پس اب ناظرین کے ذہن میں یہ شبہہ نہ گذرے کہ جب کسی فکر و خیال کی صحت کا حال معلوم ہو گیا، تو کوئی وجہ نہیں کہ جماعت میں یہ خیال اشاعت پذیر نہ ہو، اور جماعت اسکا اثر نہ قبول کرے کیونکہ جماعت تو ایک طرف خود افراد کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ خیال جسکی اشاعت کی جارہی ہے، اسکی صحت و واقعیت کا حال معلوم کرنے کے بعد اگر سامعین روشن خیال ہوے تو وہ گو اسکی صداقت کا اعتراف کر لیتے ہیں لیکن چونکہ افراد پر انکے موروثی خیالات کا بڑا اثر ہوتا ہے، اس لئے تھوڑے عرصہ کے بعد انکا قدیم اعتقاد ان پر پھر غالب آجاتا ہے، اور اب اگر تم ان سے کچھ مدت کے بعد پھر ملو، تو وہ تمھارے سامنے اپنا وہی پہلا خیال پھر ظاہر کریں گے جس کے باطل کرنے کی تم ایکبار کوشش کر چکے ہو، وجہ یہ ہے کہ افراد ان افکار و خیالات کے پابند اور زیر فرمان ہوتے ہیں جو امتداد زمانہ سے ان کے ذہنوں میں راسخ ہو گئے ہیں اور انھیں خیالات کا اثر ان کے اعمال و افعال میں نمایاں رہتا ہے، پس جب افراد کی یہ حالت ہے تو جماعت کا کیا پوچھنا؟ وہ تو افراد سے زیادہ عوامل وراثت کی پرستار ہوتی ہے، اس کا اجنبی خیالات کو جذب و ہضم کر لینا تو نہایت دشوار ہے،

لیکن جب متعدد وسائل کی مدد سے کسی خیال کو نفوس جماعت میں رسوخ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر کوئی قوت اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی، اور اسوقت جو واقعات ظاہر ہوتے ہیں انکی اطاعت اور فرماں برداری ناگزیر ہوتی ہے، فلسفیانہ خیالات جو انقلاب فرانس کے باعث ہوئے تھے ایک مدت تک

مختلف منازل طے کرتے رہے، اور اس کے بعد جو انکو رسوخ حاصل ہوا، تو ان خیالات سے اثر پذیر ہو کر تمام قوم کی قوم معاشرتی مساوات حاصل کرنے اور حریت کی عظیم الشان بنیادیں قائم کرنیکے لئے یکبارگی اُٹھ کھڑی ہوئی، تمام تاج و تخت اُلٹ دیئے گئے، مغرب کا طبقہ زیر و زبر کر دیا گیا، اور بیس سال کی مدت تک ایک ایسی ہولناک جنگ کے شرارے ممالکِ یورپ کو خاکستر کرتے رہے، جس کے خیال تک سے تیمور لنگ اور چنگیز خاں کو لرزہ آتا ہو گا، ــــــ

ــــــ ایک ایسا ہولناک منظر جو ہمارے دائرۂ تصور سے باہر ہے!!

لیکن جس طرح نفوسِ جماعت میں کسی فکر و خیال کو ایک مدت دراز میں مختلف منازل طے کرنے کے بعد رسوخ حاصل ہوتا ہے، اسی طرح ذہنوں سے اس فکر کے ازالہ کے لئے بھی ایک مدت درکار ہوتی ہے، جو خیال ایکبار ذہنوں میں راسخ ہو جاتا ہے، اس کا ازالہ بھی اگر ہو سکتا ہے تو اسی صورت سے کہ جن ذرائع یا وسائل کی مدد سے اس خیال کو رسوخ حاصل ہوا تھا، اسی قسم کے قوی ذرائع اور عواملِ د[illegible]ت کی مدد سے اس خیال کو اپنی جگہ سے ملایا جائے یہی وجہ ہے کہ جن خیالات تک قوم کے اعلیٰ طبقہ اور علماء اور فلاسفہ کی رسائی پہلے سے ہو جاتی ہے، قوم کا ادنیٰ طبقہ ان خیالات تک ایک مدت دراز کے بعد رسائی حاصل کرتا ہے، اور گو عموماً رجالِ سیاست اپنے زمانہ کے خیالات اساسی کی خطا و صواب سے واقف ہوتے ہیں، لیکن چونکہ انکے پیش نظر یہ بات ہوتی ہے کہ یہ خیال قوم کے دماغوں میں رسوخ حاصل کر چکا ہے، اور قوم کی قیادت، بلا اس خیال کی مراعات کئے ہوئے، ناممکن ہے، اس لئے فرضِ قیادت انجام دینے کے لئے وہ ان اساسی خیالات کو چھوتے تک نہیں، گو وہ خود انکی صحت کا اعتقاد نہ رکھتے ہوں،

(۲)

قوت عقلی

جماعت کی قوت عقلی کے متعلق گو مطلقاً یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جماعت میں قوت عقلی سرے سے مفقود ہوتی ہے، یا جماعت عقلی استدلال سے بالکل اثر پذیر نہیں ہوتی، البتہ یہ ضرور ہے کہ جس قسم کے دلائل وہ کسی امر کی تائید میں قائم کرتی ہے یا جن دلائل سے وہ اثر پذیر ہوتی ہے وہ عموماً منطقی نگاہ سے گرے ہوئے ہوتے ہیں،

بلاشبہ یہ انحطاط پذیر دلائل بھی جو جماعت کسی امر کی تائید میں قائم کرتی ہے صحیح دلائل و براہین کی طرح اشیاء کی باہمی مماثلت پر مبنی ہوتے ہیں، لیکن اشیاء کی یہ مماثلت جو جماعت کے ذہن میں آتی ہے، وہ اسقدر سطحی ہوتی ہے کہ اسکی بنا پر جو قیاس قائم ہوتا ہے علمی نگاہ میں اسکی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی، جماعت کے استدلالات کی شان بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جسطرح ایک اسکیمو اپنے اس تجربہ کی بنا پر کہ برف شفاف ہے اور منہ میں جا کر گھلتی ہے یہ استدلال قائم کرتا ہے کہ چونکہ شیشہ بھی شفاف ہے اس لئے وہ بھی منہ میں جا کر پگھلے گا یا جس طرح ایک دیہاتی یہ سمجھتا ہے کہ بہادر شخص کا کلیجہ چبانے سے ہم میں بھی بہادری پیدا ہو سکتی ہے، یا جس طرح ایک مزدور کا قصہ ہے کہ اتفاق سے ایک پروفیسر نے اسکی مزدوری نہیں دی تو اس نے صرف اسی واقعہ کی بنا پر یہ کلیہ قائم کر لیا کہ تمام پروفیسر حقوق غصب کر لیتے ہیں،

غرض جماعت کے قیاسات اور استدلالات کی شان ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر اُن دو چیزوں کے مابین رابطۂ اتحاد یا علاقۂ علیت پیدا کر لیتی ہے جنمیں واقعتاً کوئی علاقہ اور رابطہ نہیں پایا جاتا، اس بنا پر اگر جماعت کے استدلالات کو کسی صنفِ استدلال میں داخل کیا جا سکتا ہے تو وہ استدلال تمثیلی ہے، اور چونکہ جماعت پر صرف اسی صنفِ استدلالات کا اثر پڑتا ہے اسی لئے وہ

لوگ بھی جو جماعت کی قیادت کرتے ہیں اسی قسم کے دلائل و براہین اس کے سامنے پیش کرتے ہیں، بخلاف منطقی دلائل کے کہ اول تو یہ دلائل اس کے فہم و ادراک سے بالاتر ہوتے ہیں پھر اگر کسی طرح جماعت کو انکا ادراک ہو بھی جائے تو وہ ان استدلالات سے ذرہ برابر اثر پذیر نہیں ہوتی پس اگر ان وجوہ کی بنا پر یہ کہا جائے، کہ جماعت کی قوتِ عقلی اور قوتِ استدلالی کمزور ہوتی ہے تو بجا ہے، لیکن اکثر یہ ہوتا ہے کہ جب ہم ان خطبوں کو اُٹھا کر دیکھتے ہیں جو اپنی بے نظیر مؤثرانہ اور ساحرانہ طاقت کیلئے مشہور ہوتے ہیں، تو ہمکو انکی رکاکتیں اور نقائص دیکھکر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس مجموعۂ خرافات نے بھلا جماعت پر کیا اثر ڈالا ہوگا، اسمیں تو صدہا نقص ہیں پھر کیا یہ ممکن ہے کہ ان نقائص کے باوجود جماعت اس سے اثر پذیر ہوئی ہو، ؟ لیکن بات یہ ہے کہ جماعت پر کسی خطبہ کا مؤثر ہونا، اور غیر معقول دلائل و براہین پر کسی خطبہ کا مشتمل ہونا یہ دونوں علیحدہ علیحدہ باتیں ہیں، یہ کوئی ضروری نہیں کہ جس خطبہ سے جماعت اثر پذیر ہوئی ہے وہ معقول دلائل و براہین پر بھی مشتمل ہو بلکہ اکثر تو اسکے خلاف یہ ہوتا ہے کہ جو خطبہ اپنے اندر جس قدر زیادہ غیر معقول دلائل کا ذخیرہ مخفی رکھتا ہے اسی قدر زیادہ اسکے مخفی اثر سے جماعت پر بے شعوری کی کیفیت طاری ہوتی ہے خطبوں اور لکچروں کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ علماء ان کے مطالعہ سے محظوظ ہوں اور اپنے معلومات عامہ میں ان کے ذریعے سے اضافہ کریں بلکہ انکی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ جسطرح بن پڑے مجمع پر اثر ڈال کر اسکو مدہوش کر دیا جائے، اگر خطیب اسمیں کامیاب ہو گیا تو خواہ اس کے دلائل کتنے ہی غیر معقول ہوں اسکی غرض حاصل ہو گئی اور اگر اب تم یہ چاہو کہ اس خطبہ کے مطالعے سے وہی اثر اپنے میں پھر پیدا کرو تو یہ ناممکن ہے اب صدہا بار بھی اسکے پڑھنے سے وہ اثر نہ پیدا ہوگا جو خطیب نے خطبہ دیتے وقت پیدا کر دیا تھا،

پس جب تقریر بالا سے خوب یہ بات ذہن نشین ہو گئی کہ جماعت کی قوت استدلالی ضعیف ہوتی ہے تو اب اس کے بعد مجھے یہ بتانے کی حاجت نہیں رہی کہ جماعت حق و باطل اور غلط و صحیح

کی تمیز کرنے سے بھی قاصر ہوتی ہے، اور جن افکار و خیالات کو وہ قبول کرتی ہے وہ کبھی واقعیت پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ انکادار و مدار اپنی مؤثرانہ طاقت پر ہوتا ہے جو ان کے اندر مخفی ہوتی ہے اور چونکہ جماعت کی قدرت سے یہ باہر ہے کہ اپنے کسی ذاتی خیال کی بنا پر وہ کوئی خاص نتیجہ اخذ کرے بالفاظ دیگر جماعت کا اپنا کوئی خاص خیال نہیں ہوتا، اس لئے عموماً وہ بعض خیالات کو نہایت آسانی کے ساتھ قبول کر لیا کرتی ہے،

(۳)

قوت تخیل،

جماعت میں ان وحشی انسانوں کی طرح جو غور و فکر کی صلاحیت نہیں رکھتے تخیل آرائی اور وہم پرستی کی قوت بہت زیادہ ہوتی ہے، اور اس کے ذہن میں کسی واقعہ یا کسی ذات کی جو تصویر آتی ہے، وہ اس سے اتنا اثر پذیر ہوتی ہے، کہ اگر اس تصویر کے بجائے خود وہ شی اسکی نظر کے سامنے آجائے تو شاید وہ اس سے اس قدر اثر پذیر نہو، جیسا کہ ہم بار بار بیان کر چکے ہیں، جماعت کی حالت مسمریزم کے معمول سے بہت کچھ مشابہ ہوتی ہے مسمریزم کے معمول کی طرح وہ کچھ دیر کے لئے فاقد العقل ہو کر اپنے ذہن کی ان پیدا کردہ تصاویر و اشباح سے اثر قبول کرتی ہے جو ذرا سے غور و تامل میں غیر معقول اور مہمل ثابت ہو سکتی ہیں لیکن چونکہ جماعت غور و فکر کی صلاحیت سے عاری ہوتی ہے، اس لئے اس کو یہ پتہ نہیں لگتا کہ ان تصاویر و اشباح میں کونسی غیر معقولیت ہے، بلکہ اس کے خلاف جو ذہنی تصویر معقولیت سے جتنی زیادہ دور ہوتی ہے، اس سے اسی قدر وہ زیادہ اثر پذیر ہوتی ہے،

یہی وجہ ہے کہ کسی واقعہ کے وہ حیثیات جنپر قصہ اور خرافات کا رنگ زیادہ چڑھا ہوتا ہے، جماعت پر انھیں کا زیادہ اثر ہوتا ہے، اگر ہم کسی تمدن کے عناصر کی دقیق تشریح

کریں تو ہمیں نظر آئے کہ بے بنیاد قصوں اور بے معنی خرافات کا اس تمدن کے مظاہر پر کتنا اثر تھا، یہ کچھ تمدن کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ تاریخ کی بھی یہی حالت ہے، واقعات تاریخی میں بھی خیال کو واقعہ پر اور وہم کو حقیقت پر بڑا غلبہ ہوتا ہے،

لیکن چونکہ جماعت کسی بات کا ادراک ان ذہنی تصاویر کے بغیر نہیں کر سکتی، اس لئے اسکو متاثر اور مشتعل کرنے کا اگر کوئی ذریعہ ہو سکتا ہے تو یہی ذہنی تصاویر ہیں، وعدہ و وعید، ترہیب ترغیب، تحریص و تخویف، غرض اشتعال انگیزی کے تمام مظاہر کے مطابق جماعت اگر کاربند ہو سکتی ہے تو اسی صورت سے کہ ذہنی تصاویر کے ذریعہ سے اس کو سبز باغ دکھایا جائے،

لیکن تخیل کو متاثر کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ تھیٹروں، ناٹکوں، اور تماشوں کے ذریعہ سے کسی خیال کو مجسم شکل میں جماعت کے سامنے پیش کیا جائے، یہ ایسا بہترین طریقہ ہے کہ افکار مجرد جو جماعت کے فہم و ادراک سے باہر ہوتے ہیں، اس ذریعہ سے انکی تصویر جماعت کی آنکھوں میں پھر جاتی ہے، اور جماعت کو اس فکر و خیال کی حقیقت کا نہ صرف پورا اندازہ ہو جاتا ہے، بلکہ یہ مجسم تصاویر نفوس جماعت میں ایک عمیق اثر چھوڑ جاتی ہیں، رومن قوم نے جو دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ بناض فطرت تھی، اس اصول کو یہانتک مرعی رکھا تھا کہ تھیٹر اسٹیج اسکی بزم تمدن کا زیب و زینت بنگیا تھا اور امن و سعادت کا جلوہ اسکو تھیٹر اسٹیج ہی پر نظر آنے لگا تھا، رومیوں کے بعد بھی یہ اصول ہمیشہ اہل دنیا کے پیش نظر رہا، اور آج اس اصول کو جو ترقی دیگئی اس کو ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تخیل کو متاثر کرنے کا یہ ذریعہ اس قدر کارگر ہوتا ہے کہ سارے کا سارا مجمع ان مناظر اور مجسم تصاویر سے ایکدم متاثر ہو جاتا ہے، اور گو ناٹک کے پلاٹ کے جانب سے ناظرین کتنی ہی بے لطفی کا اظہار کر رہے ہوں، مگر اسوقت تخیل کی بلند پروازی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ناظرین اس خیالی دنیا کے واقعات و حوادث سے متاثر ہو کر بیخودی کے عالم میں رو پڑتے ہیں، اور کبھی یہ اثر اتنا ترقی کرتا ہے کہ لوگ

غیر معمولی جذبات سے بے قابو ہو جاتے ہیں، اور ان سے بعض غیر معمولی افعال کا صدور ہونے لگتا ہے، ایک تھیٹریکل کمپنی ٹریجڈی کا پلاٹ اکثر کھیلتی تھی اسکی بابت اکثر یہ سننے میں آیا ہے کہ جس ایکٹر نے "بدمعاش خائن" کا پارٹ کیا تھا، وہ جب تھیٹر ہال سے باہر آیا تو پولیس اسکو گھیرے ہوئے تھی اس خوف سے کہ چونکہ اس نے ایک مجرم کا پارٹ کیا ہے، مبادا مجمع جوشِ غضب میں اسپر ٹوٹ پڑے ناٹکوں اور تماشوں میں جماعت کی یہ اشتعال پذیری اس بات کو بتاتی ہے کہ جماعت کے قوائے عقلی کسقدر کمزور ہوتے ہیں اور جماعت کو مشتعل کر دینا کسقدر آسان ہے، غرض جماعت میں ایک بہت بڑا نقص یہ بھی ہے کہ وہ کسی واقعہ اور اسکی ذہنی تصویر کے باہمی فرق کا ادراک نہیں کر سکتی ہے، اور یہی اس کے ضعفِ عقلی اور اشتعال پذیری کی بنا ہے۔

پس چونکہ جماعتیں اس وقت تک آمادۂ عمل نہیں ہوتیں تا وقتیکہ مختلف ذرائع سے انکے تخیل کو بیدار نہ کیا جائے، اسی لئے فاتحین اپنے اثر و غلبہ کی توسیع اور سلطنتیں اپنی قوت و سطوت کے ترقی دینے میں، ہمیشہ جماعت کے تخیل سے کام لیتی رہی ہیں اور قوموں کے تخیل ہی نے ہمیشہ روئے زمین کا کایا پلٹ کیا ہے، بڑے بڑے تاریخی واقعات جو وقوع میں آئے ہیں مثلاً بدھ مذہب کا ظہور، عیسائیت اسلام اور پروٹسٹنٹ مذاہب کی ترویج، یا گذشتہ زمانہ کے سیاسی انقلابات، اور زمانۂ حال کے اشتراکی فرقے، یہ سب واقعات ان مختلف تاثیرات کی قریب یا بعید مثالیں ہیں جو وقتاً فوقتاً انسانی تخیل پر اثر کرتی رہی ہیں

یہی بات ہے کہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے سیاست داں، حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو سب سے زیادہ استبداد پسند ہوتے ہیں، اپنی اپنی قوموں کے تخیلات و اعتقادات کا ہمیشہ احترام کرتے ہیں، اور انکے خلاف عمل پیرا ہونے سے گریز کرتے ہیں، انکے اندیشہ میں بھی کبھی یہ بات نہیں آتی کہ وہ ان اعتقادات کو پس پشت ڈالکر فرضِ قیادت انجام دیں اور اگر وہ ایسا کریں تو انکی ساری عزت خاک میں ملجائے، نپولین نے ایکبار حکومت کی مجلسِ شوریٰ میں کہا تھا:-

"تم جانتے ہو میں نے جنگ ونڈین میں کب فتح حاصل کی؟ اسوقت جب میں نے کیتھولک مذہب

اختیار کرلیا، پھر مجھے مصر میں اسوقت کامیابی حاصل ہوئی جب میں نے جامع ازہر میں اپنے اسلام کا
اعلان کیا، اسی طرح اٹلی میں اسوقت کامیاب ہوا جب میں عصمتِ پوپ کے مسئلہ کا قائل ہوگیا اور
• اگر میرے زیرِ سایہ کوئی یہودی خاندان بھی آباد ہوتا، تو یقیناً میں عبادتگاہ سلیمان کی بھی مجاوری کرتا"

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سکندرِ اعظم اور قیصر کے بعد سے ابتک عظمائے رجال میں بجز نپولین کے کوئی ایسا شخص نہیں پیدا ہوا جو اعتقادِ جماعت پر اثر ڈالنا اور اس سے کام لینا جانتا ہو، نپولین کے فتوحات اس کے خطبات، اس کے مکاتبات، غرض اس کے ہر ہر عمل سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ قلوبِ انسانی پر فتح حاصل کرنے کا مقصد ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھتا تھا، یہاں تک کہ جب وہ بسترِ مرگ پر پڑا ہوا کروٹیں بدل رہا تھا، اس وقت بھی یہی مقصد اس کے پیش نظر تھا،

جماعت کے اعتقاد و تخیل کو جن جن طریقوں سے متاثر کیا جاسکتا ہے، انکو تو ہم آگے چل کر بیان کریں گے، البتہ یہاں پر صرف اتنا بتادینا ضروری ہے کہ جماعت مؤثرات کے آگے کبھی دلائل و براہین کے پھیر میں آکر سرِ تسلیم خم نہیں کرتی، دیکھو انٹونی جبتک محض اپنے ساحرانہ کلام اور خطیبانہ انداز کے ذریعہ سے مجمع پر اثر ڈالنے کی کوشش کرتا رہا، کامیاب نہ ہوا، لیکن اس نے جوں ہی مقتول قیصر کی وصیت کو جیب سے نکال کر پڑھنا شروع کیا، اور مجمع کے سامنے قیصر کی لاش کو رکھکر زخموں کے نشان دکھانا شروع کئے، بس فوراً ہی جماعت اس حیرت انگیز منتر سے مسحور ہوگئی،

غرض جماعت کے تخیل پر جس چیز کا اثر پڑتا ہے، وہ اس ذہنی تصویر کا جو ایک مبہم انداز سے حیرت انگیز معجزانہ رنگ میں ایک خوش آیند اُمید کے ساتھ، یا عقاب کا خوف دلاکر جماعت کے سامنے پیش کیجاتی ہے، وہ سرتاسر راز ہی راز ہوتی ہے، لیکن باوجود اس کے، جماعت کا رشتۂ امید اس سے منقطع نہیں ہوتا، یہی ذریعہ ہے جو مختلف زمانوں کے پیغمبرانِ مذاہب اور انسانی فطرت کے نبض شناسوں نے اختیار کیا ہے،
جماعت کے تخیل کی حالت یہ ہے کہ بعض اوقات صدہا مجرمانہ افعال کا جماعت کے تخیل پر اتنا

اثر نہیں ہوتا جتنا ایک جرم کا ہوتا ہے، یا اکثر متعدد چھوٹے چھوٹے واقعات سے وہ جتنا اثر پذیر ہوتی ہے اتنا کسی ایک سخت واقعہ سے بھی نہیں ہوتی، وجہ یہ ہے کہ انبوہ کے دماغ پر کثرت و قلت، یا ضعف و قوت کا اثر نہیں ہوتا بلکہ اس کے دماغ پر کسی واقعہ کا اثر محض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے اندر کوئی ندرت یا کوئی حیرت انگیز بات اسکو نظر آجاتی ہے جس سے وہ متأثر ہو جاتی ہے، مثال میں دیکھو ابھی کچھ سال ہوئے پیرس میں جب وبا پھیلی ہے، اور پانچ ہزار نفوس ایک ہفتہ کے اندر نذر اجل ہو گئے، تو یہ جماعت کی نگاہ میں کتنی چھوٹی سی بات تھی، چونکہ لوگوں کو اسکا حال تھوڑا تھوڑا کر کے ان شمار و اعداد کے ذریعہ سے معلوم ہوتا تھا جو ہفتہ وار شایع ہوتے تھے، اس لئے انکو اسکی چنداں پروا بھی نہیں ہوتی تھی لیکن اگر اس کے بجائے کوئی ایسا حادثہ پیش آجاتا کہ ایک دن کے اندر اور ایک ہی شاہراہ پر بجائے پانچ ہزار آدمیوں کے صرف پانچسو جانوں کا نقصان ہو جاتا، یا مثلاً برج ایفل ایکدم آرہتا، تو دیکھتے کتنا شور و غل مچتا اور کتنا بڑا انقلاب ہو جاتا،

ایکمرتبہ بحر اٹلانٹک کے بیڑے کا ایک جہاز لاپتہ ہو گیا تھا جب ایک عرصہ تک اسکا پتہ نہ لگا تو عام طور پر یہ گمان غالب ہو گیا کہ یہ جہاز غرق ہو گیا اس خیال کا اتنا سخت اثر ہوا کہ تقریباً آٹھ روز تک پبلک پر انتشار کی کیفیت طاری رہی لیکن اس کے بعد ایکبار (سنہ ۱۸۹۴ء میں) سرکاری اعداد میں جب یہ خبر شایع ہوئی کہ ۸۵۰ بادبانی کشتیاں اور ۲۰۳ دخانی جہاز ایکبارگی غرق ہو گئے، اور جانوں اور غلہ کا جو نقصان ہوا وہ شمار میں نہیں آسکتا، تو اس خبر پر لوگوں نے کچھ خیال بھی نہ کیا، حالانکہ یہ نقصان پہلے نقصان سے بہت زیادہ تھا،

اس سے معلوم ہوا کہ تخیل جماعت پر خود واقعات کا اثر نہیں پڑتا بلکہ جس بات کا اثر پڑتا ہے، وہ یہ ہے کہ فلاں واقعہ کس طرح وقوع پذیر ہوا، نیز کسی واقعہ کو اگر رنگ آمیزی کیساتھ اسطرح بیان کیا جائے کہ اسکی مجموعی کیفیت سنکر جماعت مرعوب ہو جائے، تو یہ پیرایہ ادا بھی جماعت پر بہت زیادہ اثر کرتا ہے، پس اگر جماعت کی قیادت کرنا چاہو، تو سب سے پہلے جماعت کو اشتعال پذیر کرنا سیکھو، اگر تمھیں یہ نہیں آتا تو تم جماعت کی قیادت بھی نہیں کر سکتے،

فصل چہارم

جماعت کے افعال پر مذہب کا اثر

مذہب سے کیا مراد ہے، جماعت، جو مذہب قبول کرے اسکے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی معبود کی عبادت اور پرستش پر مبنی ہو، شعور مذہبی کے خصائص، جماعت کے مذہبی اعتقادات کی قوت اور غلبہ، سابق بحث کی چند مثالیں، جماعت جن معبودوں کی پرستش کرتی ہے وہ کبھی فنا نہیں ہوتے، بلکہ ہمیشہ نئی نئی صورتوں میں نمودار ہوتے ہیں، الحاد و دہریت کا دینی شکل میں کس طرح ظہور ہوتا ہے، تاریخی نقطۂ نظر سے مذہبی معتقدات کی کیا اہمیت ہے، یہ بحث کہ واقعۂ اصلاح مذہب واقعۂ سینٹ بارتھولیمو واقعۂ ہول (ارین آف ٹیرر) اور تمام سی قسم کے واقعات جماعتوں کے مذہبی مشاعر و احساسات کے نتائج ہوتے ہیں اور کبھی انکا ظہور افراد سے بالارادہ نہیں ہوتا،

ہم ابواب سابق میں بیان کر چکے ہیں کہ جماعت کی قوت عقلی نہایت ضعیف ہوتی ہے، اس لئے جو خیالات اسکو تلقین کئے جاتے ہیں انکو یا تو وہ بجنسہ قبول کر لیتی ہے، یا انکا سرے سے انکار کر دیتی ہے، نیز یہ کہ جو عوامل اسکی تہییج و تحریک کے باعث ہوتے ہیں ان سے جماعت اثر پذیر ہوتے ہی آمادۂ عمل ہو جاتی ہے، اور اگر ہوشیاری کیساتھ اسکو متاثر کیا جائے تو وہ اپنے پیش نظر مقصد کے خاطر قربانی کرنے پر بھی تلجاتی ہے، نیز ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ اسکو اپنے معتقدات اور اپنے مشاعر و احساسات کیساتھ الفت بلکہ ایک قسم کا تعصب ہوتا ہے، اور اسکی الفت اور میلان کا ظہور عبادت کے رنگ میں اور نفرت کا اظہار

بغض و تعصب کے پردے میں ہوتا ہے، غرض ان گذشتہ بیانات سے جماعت کے معتقدات اور حسیات پر کافی روشنی پڑ چکی ہے،

لیکن جماعت کے ان تمام احساسات و جذبات کی دقیق تعلیل کرنے کی غرض سے اگر ہم ان تمام بڑے بڑے سیاسی اور مذہبی انقلابات پر غائر نظر ڈالیں جو اب تک دنیا میں وقوع پذیر ہو چکے ہیں، نیز ان انقلابات کی آڑ میں جو مختلف عوامل پوشیدہ ہوتے ہیں انکی بھی جستجو کریں، تو ہمکو نظر آئیگا کہ ان حالات کے دوران میں جماعت ہمیشہ خیالات کا ایک مخصوص جامہ پہن لیتی ہے، اور اس دوران میں اسپر مخصوص خیالات کا غلبہ ہوتا ہے جن سے وہ اثر پذیر ہوتی ہے، اور وہی اس وقت اس کے اعمال کے محرک ہوتے ہیں، لیکن یہ مجموعۂ خیالات جو اس وقت جماعت پر حاوی ہوتا ہے اسکی تعبیر اگر ہو سکتی ہے، تو لفظ "مذہب" یا "دین"، "یا شعور دینی"، سے،

جماعت کا یہ شعور مذہبی جو اس وقت اس کے تمام اعمال و افعال کا باعث ہوتا ہے ہمیشہ چند سیدھے سادے اعتقادات پر مشتمل ہوتا ہے، جو حسب ذیل ہیں:-

(۱) کسی ایسی ذات کی عبادت کا خیال جو تمام افراد سے برتر تصور کی گئی ہو،

(۲) اس پوشیدہ ذات سے خوف کرنا اور اسکی کورانہ اطاعت و فرمانبرداری کرنا،

(۳) اس قوت کی تعلیمات و احکام کو بحث و مباحثہ سے مافوق سمجھنا،

(۴) ان تعلیمات کی اشاعت و ترویج کی جد و جہد کرنا،

(۵) جو لوگ ان تعلیمات کو نہ مانیں، ان سے دشمنی اور عداوت کا اظہار،

لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے، کہ جماعت کو کسی ان دیکھے معبود کے ساتھ اعتقاد پیدا ہوتا ہے اور وہ اسکی پرستش کرتی ہے، کبھی وہ کسی حجر یا شجر کو پوجنے لگتی ہے، اور کبھی اسکا معبود کوئی محیر العقول سیاسی یا مذہبی خیال ہوتا ہے جو اس کے اعتقاد کو اپنی جانب جذب کر لیتا ہے، مگر ان تمام صور توں میں

مذہبی شعور کی حالت یکساں رہتی ہے، اور جماعت ان سب سے یکساں متأثر ہوتی ہے، بشرطیکہ جماعت کو اپنے ان معبودوں کے اندر کوئی مخفی معجزہ یا خرق عادت نظر پڑا ہو، جماعت کا خیال اس قدر پست ہوتا ہے کہ وہ ہر اس محیر العقول خیال یا اس رہنما کو مافوق العادت تسلیم کرتی ہے جو اسکی توجہ کو اپنی جانب جذب کرے، یا جسکی کامیابی اس کے نزدیک ایک راز ہو،

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی اصلی دینداری یہ نہیں ہے کہ وہ کسی معبود کی پرستش کرتا ہے، بلکہ انسان میں اصلی دینداری کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے ارادہ، اپنی مرضی اور اپنی ذات کو اس معبود کی مرضی اور اس کے ارادہ پر چھوڑ دیتا ہے اور اپنی مرضی کو اسکی مرضی کے لئے بالکل فنا کر دیتا ہے جب یہ اعتقادی کیفیت انسان میں پیدا ہو جاتی ہے، تو اس وقت تمام دوسرے خیالات کے گرد و غبار سے اسکا شیشۂ دل پاک و صاف ہو جاتا ہے اور اسکے تمام اعمال و افعال کا محور اور مرجع وحید صرف وہی ذات ہوتی ہے جسکی رضاجوئی اور ذات پر اسنے اپنی مرضی اور شخصیت کو نثار کر دیا ہے،

لیکن جب دینی عقیدہ اور مذہبی خیال کا غلبہ ہوتا ہے، تو چونکہ اس غلبہ کے ساتھ تعصب اور غلو دینی کا پایا جانا بھی ضروری ہے، اس لئے ہر اس جماعت میں جو کسی مذہبی عقیدہ کی محکوم ہوتی ہے، یہ دونوں اوصاف بھی نمایاں طور پر پیدا ہو جاتے ہیں، واقعۂ انقلاب فرانس میں جب چند روزہ جمہوری حکومت قائم ہوئی ہے، تو اسوقت یعقوبی فرقہ کے عیسائیوں پر اسی قسم کا سودا سوار تھا، اور تعصب اور غلو دینی کا اثر ان کے ہر ہر فعل و عمل سے نمایاں ہوتا تھا، اور یہ تعصب کسی طرح اس مذہبی تعصب سے کم نہ تھا، جو کیتھولک فرقہ کے عیسائیوں سے محکمۂ انکویزیشن کے قائم کرنے کا باعث ہوا تھا،

غرض جب جماعت پر کسی خیال کا غلبہ ہوتا ہے، تو وہ دیوانگی، کورانہ اطاعت و انقیاد، اور وحشیانہ تعصب کے ساتھ مصروفِ عمل ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ کورانہ تقلید، اور وحشیانہ تعصب کا رنگ جماعت کے اعمال و افعال پر اسوقت تک نہیں چڑھ سکتا تاوقتیکہ جماعت کے معتقدات مذہبی جامہ نہ پہن لیں،

اس لئے جماعت کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے افعال کا صدور ہمیشہ مذہبی پردے میں ہوتا ہے، لیکن اس سودائے مذہبی کے پیدا ہونے کے لئے کچھ یہ ضروری نہیں کہ جماعت کو کسی خاص خیال یا کسی معبود ہی کے ساتھ اعتقاد پیدا ہوا ہو بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے، کہ جماعت جس حکمران کے آگے سرتسلیم خم کرتی ہے وہ بھی اسکی نگاہ میں معبود کا رتبہ حاصل کرلیتا ہے، اور جماعت اس وقت بھی وحشیانہ تعصب کے ساتھ اس حکمراں کی فرماں برداری کرنے لگتی ہے، نپولین کو دیکھو کہ تقریباً پندرہ برس تک جس خلوص کے ساتھ اسکی پرستش کی گئی ہے کیا اسکی نظیر کسی معبود یا کسی حکمراں کے حالات میں ابتک دیکھنے یا سننے میں آئی؟ اور جو نفوذ قلوب انسانی پر اسکو حاصل ہوا کیا اسکی کوئی مثال صفحات تاریخ میں مل سکتی ہے؟

قدیم زمانہ میں مختلف مذاہب اور حکومتوں کے جتنے بانی گذرے ہیں انھوں نے اپنی اپنی قوموں میں اسی طرح نفوذ پیدا کیا کہ جماعت کے ذہن میں تعصب کے جو دبے دبائے شرارے پہلے سے موجود تھے انکو بھڑکا دیا اور اس کے ذہن میں تعصب کی آگ کچھ اس طرح سے سلگادی کہ آخر کار جماعتوں کو بھی اپنی سعادت عبادت و اطاعت ہی سے وابستہ نظر آنے لگی، موسیو داسٹل دی کولنج نے رومی ممالک گال (فرانس) پر جو کتاب لکھی ہے اسمیں کیا خوب کہا ہے کہ ممالک گال میں رومی سلطنت کو قوت و طاقت کے بل پر استحکام نہیں حاصل ہوا بلکہ اسے صرف اس لئے استحکام حاصل ہوا کہ اس نے لوگوں کے ذہنوں میں اپنی بابت ایک دینی اعتقاد پیدا کردیا وہ لکھتا ہے:۔

"تاریخ ہمیں کوئی مثال کسی ایسی سلطنت کی نہیں نظر آتی جس سے اسکی رعایا نالاں ہو اور باوجود اس کے اسکا ستارۂ اقبال عروج پر رہا ہو بلکہ اسکے خلاف تاریخ سے ہمیں جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسی حکومتیں کبھی دیرپا نہیں ہوتیں اگر گال کے باشندے رومن حکومت کو ناپسند کرتے ہوتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ رومی

شہنشاہ کی ۳ پلٹنیں ایک لاکھ باشندگانِ گال کو زیر کرلیتیں ہ"

حقیقت یہ ہے کہ رومی نشان کے آگے سکیس اقوام سپر انداز جو ہو گئیں تو اسکی وجہ یہ تھی کہ شہنشاہ روم انکی نگاہ میں ایک معبود کے رتبہ پر پہونچ گیا تھا، اور چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں اسکے نام کی محرابیں اور طاق تعمیر کئے جاتے تھے، اور رومی حکومت میں ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک ایک جدید مذہب کی اشاعت کی گئی تھی جسکی بنا قیاصرۂ روم کی پرستش پر تھی، یہاں تک کہ مسیحیت کے ظہور سے کچھ مدت پیشتر سرزمین گال میں شہر لیون کے قریب قیصر اگسٹس کے نام کا ایک ہیکل تعمیر کیا گیا تھا جس کے مجاوروں کی سطوت اور ہیبت باشندگان گال کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی، اسے دیکھو اور سوچو کہ کیا یہ ہیبت کسی خوف کے باعث پیدا ہوئی تھی اگر اسکا باعث خوف تھا تو ساری قوم میں یہ ہیبت کس طرح پیدا ہو گئی؟ پھر یہ خوف متواتر تین صدیوں تک کس طرح برقرار رہا؟ اصل یہ ہے کہ اسکا باعث خوف نہ تھا بلکہ یہ کچھ اور ہی بات تھی جسکے سبب سے سارا ملک گال بلکہ شہر روم، ملک اسپین، یونان اور ایشیا یہ تمام ممالک قیاصرۂ روم کے ناموں کا کلمہ پڑھتے تھے،

زمانہ قدیم کو جانے دو، اپنے زمانہ کو دیکھو اس زمانہ میں گو نفوس پر غلبہ حاصل کرنیوالوں کے نام کے ہیکل اور عبادتخانے نہیں تعمیر کئے جاتے ہیں لیکن تم دیکھتے ہو کہ وہ لوگ جو اس زمانہ میں نفوذ حاصل کرلیتے ہیں، کس کثرت سے قومیں انکے مجسمے جابجا گذرگاہوں پر نصب کرتی ہیں، کس کثرت سے ان کے فوٹو لئے جاتے ہیں، اور کس ذوق شوق سے انکی تصویریں جابجا ہاتھوں ہاتھ بکتی ہیں، اور پھر پرستش کے جو طریقے آجکل رائج ہیں وہ میرے خیال میں عبادت کے ان طریقوں سے بدرجہا زیادہ مؤثر ہیں، جو اگلے زمانہ میں رائج تھے، حیات اجتماعی کا یہی اعتقادی پہلو ہے جسکو پیش نظر کرلینے سے، تاریخی واقعات کے سمجھنے میں جو دقتیں واقع ہوتی ہیں، وہ رفع ہو جاتی ہیں، ان لوگوں کے مقابلہ میں جو جماعت کے اعتقادی پہلو کو سرسری نگاہ سے دیکھتے ہیں، تاریخ کی یہ زبردست شہادت ہے کہ جماعتوں کو ہمیشہ

سب سے پہلے ایک معبود کی تلاش ہوتی ہے جس کیلئے وہ ہر وقت سرگرداں رہتی ہے، لیکن جب اس شاہد خیالی کا وصال نصیب ہو جاتا ہے، تو اس سے دیوانگی کے عالم میں عجیب و غیر محیر العقول حرکات صادر ہونے لگتے ہیں، یہ ہے تاریخ کا وہ زبردست تحکمانہ دعویٰ جسکے ثبوت کی شہادت تاریخ کے ایک ایک صفحہ سے ملتی ہے،

لیکن اس مسلم الثبوت تاریخی حقیقت کو فراموش کر کے بعض لوگ اس دعویٰ کی عمومیت سے انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جماعت کے افعال پر مذہب کا جو اثر تھا، وہ صرف زمانۂ قدیم کیلئے مخصوص تھا معبود اور عبادت یہ سب چیزیں زمانۂ قدیم کے خرافات ہیں جنکو اس زمانہ کی ترقی یافتہ عقلیں باور نہیں کر سکتیں، اس لئے مذہب کا اثر جماعت پر اب نہیں پڑ سکتا، اور نہ اب جماعت کسی معبود کی پرستش کر سکتی ہے، اب مذہب کا دور ختم ہو گیا اور مذاہب کے معبود جو زمانۂ سابق میں لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہنے کے باعث، جماعت کو اپنے دام میں پھنسا لیا کرتے تھے، اب بے نقاب کر دیئے گئے ہیں اس لئے جماعت اب زمانۂ سابق کی طرح ان معبودوں کے پھیر میں نہیں آئیگی، یہ ان لوگوں کا خیال ہے، جو سمجھتے ہیں کہ اس ترقی یافتہ دور میں علم کو مذہب پر اور عقل کو جذبات پر فتح حاصل ہو گئی ہے، اور علم کی روشنی کے سامنے توہمات کی تاریکی غائب ہو گئی ہے، یہ خیال قائم کرتے وقت شاید ان لوگوں کو نفس انسانی کا یہ عالمگیر قانون یاد نہیں رہا کہ جب عقل اور شعور کا باہم تصادم واقع ہوتا ہے تو عقل کو شعور پر کبھی فتح حاصل نہیں ہوتی، تم اپنی عقلوں کو علم کے تیزاب سے خواہ کتنا ہی صیقل کرو مگر جب عقل اور جذبات کا مقابلہ ہو گا، تو جذبات کی تاریکی کے آگے عقل کی تیز روشنی ہمیشہ مدھم رہیگی، عقل پر جذبات کا رنگ جو چڑھ جاتا ہے اسکا صیقل کسی تیزاب سے ممکن نہیں، بس علم کی ترقی مذہب کے اس اثر کو کبھی نہیں مٹا سکتی جو مذہب کو جماعت پر زمانۂ دراز سے حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ جماعت کو رجحان اپنے معبودوں کی جانب زمانۂ قدیم میں تھا، اسمیں اب بھی کوئی فرق نمودار نہیں ہوا، اور جماعت اب بھی سابق کیطرح

اپنے معبودوں کے نام پر قربان ہونے کیلئے تیار ہے، البتہ معبودوں کی جو کثرت زمانۂ سابق میں تھی اسمیں ضرور فرق آگیا ہے، لیکن مذہبی اثر و غلبہ کا مدار معبودوں کی کثرت و قلت پر نہیں بلکہ جماعت کے ان مذہبی جذبات اور اس کے اس رجحان قلبی پر ہے جسکا اظہار وہ اپنے معبودوں کیساتھ کرتی ہے اور اس قلبی رجحان اور مذہبی جذبہ میں کسی قسم کا ضعف نمودار نہیں ہوا ہے، دیکھو جب جنرل بولنگر کا فتنہ اٹھا ہے، تو اسوقت جماعت کا مذہبی جذبہ کس سہولت سے مشتعل ہوگیا تھا اور ایک ایک دیہات اور قصبہ میں اس جنرل کے مجسمے اور بت نصب کیئے گئے تھے، یہاں تک کہ عام طور سے لوگوں کے ذہنوں میں اسکی جانب سے یہ اعتقاد راسخ ہوگیا تھا کہ اسکو "مظالم اور مصائب و آلام سے نجات دینے پر قدرت تام حاصل ہے، پھر اس اعتقاد میں یہانتک ترقی ہوئی تھی، کہ لکھو کھا آدمی اس کے ساتھ جان دینے پر آمادہ ہوگیا تھا، اور اگر کہیں اسکے اخلاق و عادات اُسکی بڑھتی ہوئی شہرت کے مدو معاون ہوتے تو وہ تاریخ میں ایک عالیشان مرتبہ حاصل کرلیتا، اور اسکا نام لوح تاریخ پر سنہرے حروف میں کندہ کیا جاتا،

پس اب ہمکو اس بات کا بار بار دہرانا کچھ بیکار سا معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کو ایک دین اور مذہب کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے، اور جب تک کوئی مذہبی عقیدہ اسکے دماغ پر غلبہ حاصل نہیں کرلیتا، اس وقت تک اسکے قوائے عمل شل، اور اسکے اعضا بیجس و بے حرکت رہتے ہیں، پھر یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ اس مذہبی عقیدہ میں بھی، ان عقائد کی طرح جو الہامی مذاہب نے دنیا کو تلقین کئے ہیں روح و خدا جزا و سزا وغیرہ کی حقیقت تسلیم کی گئی ہو، اور یہ مذہب بھی دیگر مذاہب کی طرح اسی قسم کے عقیدوں پر مشتمل ہو، بلکہ اگر الحاد و دہریت کو بھی مذہبی رنگ میں لاکر جماعت کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اس مذہب کو بھی اسی جوش و خروش کیساتھ قبول کریگی جسطرح وہ دیگر الہامی مذاہب کو بلا چون و چرا تسلیم کرلیتی ہے، ایک جدید مذہب جو فلسفۂ ایجابی کے نام سے فرانس میں اب شایع ہوا ہے اس کے معتقدین جس کثرت کے ساتھ پیدا ہوتے جاتے ہیں وہ ہمارے دعوے کا ایک زبردست ثبوت ہے،

اس کے علاوہ نہلسٹ فرقہ کے ایک شخص کی سرگذشت جو ہم سے ایک وسیع خیال مفکر موسیو دستوئسکی نے بیان کی وہ بھی ہمارے دعویٰ کی مزید شہادت ہے :- اُس شخص کو ایک روز یہ خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کا گرجوں میں تصویروں اور بتوں کی پرستش کرنا قدیم زمانہ کے توہمات سے ہے، یہ خیال پیدا ہوتے ہی، اس نے بزرگانِ دین کی تصویروں کو جو ایک گرجے میں لٹک رہی تھیں پھینک دیا، شمعوں کو جو گرجے کے اندر جابجا روشن تھیں گل کر دیا اور ان تصاویر کی جگہ پر دہریہ فلاسفہ میں سے بوخنر اور مولیشاٹ کی تصانیف لاکر رکھدیں، اس کے بعد اسکی حالت میں پھر تغیر ہوا، تقوے کا جنون اس پر پھر سوار ہوا، اور اب اس نے انھیں کتابوں کے گرد موم کی شمعیں روشن کر دیں، اس واقعہ سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کے ان عقائد میں جو اسے ارثاً حاصل ہوتے ہیں کبھی تغیر نہیں ہوتا، البتہ کبھی کبھی ان عقائد کی صورت بدل جاتی ہے،

پس مذہب کو جماعت کے مشاعر و احساسات اور اعمال و افعال پر جو تسلط اور غلبہ حاصل ہے اسکی بنا پر میرا یہ خیال ہے کہ کوئی شخص اہم تاریخی واقعات کی حقیقت کو اسوقت تک بتمام وکمال نہیں سمجھ سکتا، تاوقتیکہ وہ اُن دینی معتقدات سے واقفیت نہ پیدا کرے جو ان واقعات کی آڑ میں مجمع کی قیادت کرتے ہیں، پھر بعض تاریخی واقعات تو ایسے گذرے ہیں جنکی توجیہ جماعت کے اعتقادی پہلو کے سوا، وہ کسی اور پہلو سے ہو ہی نہیں سکتی، یہی وجہ ہے کہ موسیو تائن نے جو ایک زبردست مؤرخ گذرا ہے گو واقعہ انقلاب فرانس کی تاریخ لکھتے ہوئے اس واقعہ کے تمام جزئیات پر مؤرخانہ اور محققانہ نظر ڈالی ہے، لیکن چونکہ اس نے جماعتوں کی اس نفسانی حقیقت کو، کہ جماعتیں ہمیشہ مذہبی جذبہ کی محکوم ہوتی ہیں، نظر انداز کر دیا، اس لئے بعض واقعات کے اسباب دریافت کرنے میں وہ ناکام رہا، یہاں تک کہ آخر کار اس نے یہ قطعی فیصلہ سنا دیا کہ چونکہ انقلاب فرانس کے بڑے بڑے نامور لیڈر خود غرض اور جفاکار تھے اور ان شورشوں کے پردے میں اپنے ذاتی اغراض حاصل کرنا چاہتے تھے، اس لئے جماعت کو بھونی

حصولِ مقاصد کا آلہ بنا رکھا تھا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ موسیو ٹائن کی یہ سخت غلطی ہے، اور انقلاب فرانس کی تاریخ خونریزیوں اور وحشیانہ اعمال سے جو لبریز نظر آتی ہو اسکی وجہ یہ نہیں ہو کہ ان خونریزیوں کے ذریعہ سے اس زمانہ کے لیڈر ذاتی اغراض حاصل کرنا چاہتے تھے، بلکہ ان واقعات کی اصلی حقیقت اسوقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی تاوقتیکہ پہلے یہ پیش نظر نہ کر لیا جائے کہ یہ انقلاب ایک جدید دینی عقیدہ اور مذہبی جذبہ کا نتیجہ تھا جو اس زمانہ کی عقلوں پر غالب آگیا تھا، واقعۂ اصلاح مذہب کار زار سینٹ بارٹلمی، فرانس کی حروب دینیہ، محکمۂ انکویزیشن، اور واقعۂ ہول، غرض اس قسم کے تمام واقعات اسوقت تک ظہور پذیر نہیں ہوتے تاوقتیکہ جماعتوں کا مذہبی جذبہ جماعتوں کی رہنمائی نہیں کرتا، یہ مذہب ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ وہ لوگ جو پہلے نہایت امن وسکون کے ساتھ بسر کر رہے تھے، ایکبارگی درندہ خصلت بن جاتے ہیں، امن وتہذیب کا خیال بالا ئے طاق کر دیا جاتا ہے، اور آتش وآہن کا استعمال شروع ہو جاتا ہے، کیا کوئی ظالم سے ظالم بادشاہ بھی لوگوں کے دلوں میں ایسا زبردست اعتقاد پیدا کر سکتا ہے کہ وہ خوشی خوشی دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑیں؟

پس جن مورخوں نے اس قسم کے واقعات کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہو کہ یہ فتنے چند خود غرض لیڈروں یا بادشاہوں کے ظلم وجور کی بدولت برپا ہوئے، انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ بادشاہوں اور لیڈروں کی قدرت سے یہ باہر ہے، کہ وہ انسانوں کو اپنی مرضی سے لقمۂ اجل بننے پر مجبور کر سکیں، پس واقعۂ ہول کے باعث روبسپیر یا ڈانٹن یا سینٹ جوسٹ نہ تھے، بلکہ ان افراد کے پردے میں جماعت کی روح کام کر رہی تھی جسپر ایک خاص مذہبی عقیدہ غالب آگیا تھا،

باب دوم

جماعت کے افکار اور معتقدات

فصل اول

معتقدات جماعت کے عوامل بعیدہ

ان مختلف عوامل کا بیان جو معتقداتِ جماعت کو پیدا کرتے ہیں، معتقدات جماعت سابق محنت کا نتیجہ ہوتے ہیں، مختلف مؤثرات کی تجدید جو ان معتقدات کو پیدا کرتے ہیں،

(۱) **قومیت کا اثر**: معتقداتِ جماعت پر قومیت کا کیا اثر ہوتا ہے، یہ بحث کہ قومیت اجداد کی میراث ہوتی ہے جو قوموں کو ترکہ میں ملتی ہے،

(۲) **قومی روایات کا اثر**:۔ یہ بحث کہ قومی روایات قومی روح کا خلاصہ ہوتے ہیں، اجتماعی حیثیت سے قومی روایات کی کیا اہمیت ہے، قومی روایات تھوڑا عرصہ گذرنے کے بعد قوم کے لئے مضرت رساں ثابت ہوتے ہیں،

قومیں اپنے قومی روایات کی بے انتہا حفاظت کرتی ہیں،

(۳) **زمانہ کا اثر**: معتقدات جماعت کی ترقی وتنزل میں زمانہ کو بڑا دخل ہوتا ہے، یہ بحث کہ کسی شورش کے بعد جس سے قومی نظام درہم وبرہم ہوگیا ہو زمانہ کی وساطت سے پھر قومی نظام کی کس طرح اصلاح ہوتی ہے،

(۴) **نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت کا اثر**:- نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت کے اثر کے بارے میں موجودہ زمانہ کے علماء سے غلط فہمیاں ہوئی ہیں، درحقیقت جماعت پر انکا اثر بہت ضعیف ہوتا ہے، نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت خود قومی روح کے نتائج ہوتے ہیں، قوموں کے لئے یہ کوئی آسان کام نہیں ہے کہ جو نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت وہ چاہیں اختیار کرلیں، قوموں کے نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت کی پیدایش کس طرح ہوتی ہے بعض نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت، گو عقلی پہلو سے مہمل ہوتے ہیں، لیکن بعض قوموں کے لئے نہایت ضروری ہوتے ہیں،

(۵) **تعلیم وتربیت کا اثر**:- تعلیم وتربیت کے بابت موجودہ زمانہ میں غلط فہمیاں ہوئی ہیں، تعلیم وتربیت کے اثر کی تائید میں چند اعدادی تفصیلات لاطینی تربیت اخلاق کی مضعف ہے، یہ بحث کہ تعلیم سے کیا اثرات پیدا ہوتے ہیں، مختلف اقوام کی مختلف مثالیں،

ابواب سابق میں ہم نفس اجتماعی کے قوائے ذہنی کی تفصیل بیان کرچکے، ہمیں یہ بھی معلوم ہوچکا کہ اس کے مشاعر وجذبات کیا کیا ہیں، اس کے فکر کرنے کا کیا طرز ہے، اور وہ استدلال کسطرح کرتی ہے

غرض بیانات سابقہ میں نفس اجتماعی کے مظاہر کی تشریح تفصیل کے ساتھ گذر چکی ہے، اب اس باب میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جماعت کے اعتقادات اور افکار کس طرح پیدا ہو کر نفوس جماعت میں رسوخ حاصل کرتے ہیں، وہ کون سے عوامل ہیں جو افکار جماعت کی پیدایش کے باعث ہوتے ہیں، اور قوموں پر ان عوامل کا کیا اثر پڑتا ہے؟

وہ مؤثرات و عوامل جو معتقدات جماعت کی پیدایش کے باعث ہوتے ہیں انکی دو قسمیں ہیں،

(۱) مؤثرات و عوامل بعیدہ،

(۲) مؤثرات و عوامل قریبہ،

عوامل بعیدہ کی حالت یہ ہے کہ وہ جماعت میں صرف یہ استعداد پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ بعض اعتقادات، افکار، اور خیالات کو قبول کرلے، اور بعض کو رد کر دے، اسکو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ عوامل بعیدہ کا فعل و اثر ایک مخصوص آب و ہوا اور مخصوص تربیت کا پیدا کرنا ہوتا ہے جسمیں نئے قسم کے افکار حیرت انگیز اثر و قوت کے ساتھ پھلتے پھولتے ہیں، انکا ظہور اگرچہ دفعۃً اور اچانک ہوا کرتا ہے، اور اس لحاظ سے انکی حالت بجلی کی سی ہوتی ہے جو دفعۃً چمکتی ہے اور فوراً نظر سے غائب ہو جاتی ہے، لیکن ان معتقدات و افکار کے رسوخ حاصل کرنے کے لیے مدت دراز کی محنت اور ان عوامل بعیدہ کی تاثیر و عمل کی نہایت شدید احتیاج ہوتی ہے بعض اوقات قومی انقلاب کا منظر اچانک ہماری نگاہ کے سامنے آجاتا ہے، اور یہ منظر ہمکو حیرت و تعجب میں ڈالدیتا ہے، لیکن بات یہ ہے کہ اس انقلاب کا ظہور گو ہماری آنکھوں کے سامنے اچانک ہوا ہے، مگر اسکی تیاری مدت دراز سے عمل میں آرہی تھی، اور مختلف عوامل اپنا فعل و اثر کر رہے تھے جو ہمکو دکھائی نہیں دیتے تھے،

لیکن عوامل بعیدہ کی کارگذاری جب ختم ہو جاتی ہے تو اسوقت عوامل قریبہ کی تاثیر کا وقت آتا ہے، اور یہ عوامل اس کام کو جو عوامل بعیدہ ادھورا چھوڑ گئے ہیں انجام تک پہونچاتے ہیں، اور اس

استعداد کو جو عوامل بعیدہ ذہن جماعت میں پیدا کر گئے ہیں فعلیت کا جامہ پہناتے ہیں یعنی وہ معتقدات
وخیالات جو مدت سے ذہن جماعت میں مؤثرات بعیدہ کے زیر اثر استحکام و رسوخ حاصل کر رہے ہیں
تھے، اب مؤثرات قریبہ کے زیر اثر، ذہنی جامہ اتار کر میدان عمل میں اپنے تئیں بے نقاب کر دیتے
ہیں، اور انقلاب کی عالم سوز چنگاریاں جو مدتوں سے دبی چلی آ رہی تھیں، اب انہیں ان مؤثرات
قریبہ کی بدولت ایکدم اشتعال پیدا ہو جاتا ہے، اور آخر کار جماعت آہنی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر
میدان کارزار میں ایکبارگی کود پڑتی ہے، شورشیں برپا ہوتی ہیں، قیامت کے فتنے نمودار ہوتے
ہیں اور آدمیوں کا ایک جم غفیر اپنے قائد کے گرد جمع ہو کر حکومتوں کو پلٹ دیتا ہے،

جتنے اہم تاریخی واقعات ابتک گذر چکے ہیں ان میں ان دو قسم کے مؤثرات کے فعل واثر کو
ہمیشہ دخل رہا ہے، اور دنیا میں کوئی واقعہ اور کوئی انقلاب اس وقت تک ظہور میں نہیں آ سکتا
تا وقتیکہ ان دونوں قسم کے مؤثرات جماعت پر اپنا فعل واثر مکمل نہ کر لیں، مثال میں واقعۂ انقلاب فرانس
کو لو جو انسان کی تاریخ میں انقلاب کا ایک مکمل نمونہ ہے، اس کے مؤثرات بعیدہ میں یہ چند چیزیں
تھیں، فلاسفہ کے تصانیف، امرا کا ظلم وجور اور علوم وفنون کی ترقی، لیکن جب ان مؤثرات کا
عمل تمام ہو چکا، اور جماعت کی روح جو مردہ تھی زندہ ہو گئی، اس وقت مؤثرات قریبہ کا ظہور ہونے لگا،
خطبا لوگوں کو اپنے دھواں دھار خطبوں سے مسحور کرنے لگے، بادشاہ نے معمولی اصلاحات کے اجرا میں
رکاوٹیں پیدا کرنا شروع کر دیں، یہ ہونا تھا کہ فتنہائے خوابیدہ جاگ اٹھے اور ہنگامۂ محشر خیز برپا ہو گیا،

مؤثرات بعیدہ میں سے بعض وہ عوامل ہیں جنکا اثر عالمگیر ہوتا ہے، یعنی جو ہر جماعت کے معتقدات
وافکار میں یکساں اثر کرتے ہیں، اور وہ حسب ذیل ہیں (۱) قومیت (۲) قومی روایات، (۳) قومی
نظام حکومت اور نظام معاشرت (۴) زمانہ، (۵) تربیت وتعلیم،

اب ہم ان میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ بحث شروع کرتے ہیں،

(۱)

قومیت کا اثر

قومیت کا جو اثر جماعت پر پڑتا ہے، اس کو دیگر مؤثرات کے اثر سے بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ دیگر مؤثرات کے اثر سے زیادہ مستحکم ہوتا ہے اور دیگر مؤثرات کا اثر جماعت پر ہمیشہ قومیت کے اثر کے تابع ہو کر ظاہر ہوتا ہے، قومیت کے اس مستحکم اثر کی بابت ہم اپنی دوسری کتاب "قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی[1]" میں نہایت تفصیل سے بحث کر چکے ہیں، ہم اس کتاب میں بھی بتا چکے ہیں کہ تاریخی قوموں کی پیدائش کس طرح ہوتی ہے، قوموں پر انکی قومیت کا کیا اثر ہوتا ہے، اور جب اس کا اثر درجۂ کمال کو پہونچ جاتا ہے تو وراثت کے ذریعہ سے وہ کیونکر رسوخ و استحکام حاصل کرتا ہے، نیز یہ کہ قوموں کے مزاج عقلی کی تکوین کس طرح ہوتی ہے، پھر ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ قومیت کا اثر اس قدر قوی ہوتا ہے کہ اس اثر کی موجودگی میں کسی قوم کے مظاہر تمدن (یعنی علوم و فنون، مذہب اور نظام حکومت و نظام معاشرت) اس وقت تک دوسری قوم میں منتقل نہیں کئے جاسکتے جبتک انمیں خود تغیر و تبدل نہ کیا جائے، اس بحث کو ہم نے چار فصلوں میں پھیلایا تھا، کیونکہ ہمکو خیال تھا کہ یہ ایک ایسا جدید نظریہ ہے جس پر تاریخی واقعات کی حقیقت کا سمجھنا موقوف ہے اس کے علاوہ اس کتاب میں بھی معلوم ہو گیا تھا کہ گو عناصر تمدن کو ایک قوم سے دوسری قوم کی جانب اس وقت تک منتقل نہ کیا جاسکتا ہو تا وقتیکہ انمیں تغیر نہ کیا جائے، تاہم، ماحول اور دیگر عوامل خارجی کبھی کبھی اس تغیر کو پیدا کر دیتے ہیں، لیکن باوجود اس کے بھی، قومیت کا اثر اتنا قوی ہوتا ہے کہ یہ تغیر وقتی ثابت ہوتا ہے، علاوہ ازیں اس کتاب میں بھی قومیت کے اس عالمگیر اثر کے جانب ناظرین کو جابجا اشارات ملیں گے، اور ہم جابجا اس بات کو واضح کر دیں گے کہ نفس اجتماعی کے میزات پر قومیت کا اثر کس قدر قوی ہوتا ہے، اور یہی سبب ہے کہ ایک شہر کے

[1] انقلاب الامم جس کو دار المصنفین اعظم گڈھ نے شایع کیا ہے، (مترجم)

باشندے دوسرے شہر کے باشندون سے اعتقادات، خیالات، اور طرزِ عمل مین کس قدر مختلف ہوتے ہین،

(۲)

قومی روایات کا اثر

قومی روایات کسی قوم کے ان افکار، خیالات، اور ضروریات سے عبارت ہین جو زمانہ گذشتہ سے سلسلہ وار نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے چلے آتے ہین، اور جن سے قومی روح یا بالفاظ دیگر قومون کے مزاج عقلی کی تشکیل ہوتی ہے، اور چونکہ وراثت کے پے در پے اثر سے وہ ایک گونہ رسوخ حاصل کر لیتے ہین اس لئے قومون کے افکار، معتقدات، اور ان کے طریقِ کار کے متعین کرنے مین ان روایات کو بڑا دخل ہوتا ہے، اور قومون کی ترقی و تنزل مین ان کو بڑی اہمیت ہوتی ہے،

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جو مختلف قومون کی تاریخ کے مطالعہ سے مجھے معلوم ہوئی ہے، اور میرا خیال ہے کہ جس طرح علم ترکیب اجسام کی تاریخ مین، اس تحقیق سے کہ کائنات کے تمام تغیرات مین ماضی کی تاثیر کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے، ایک جدید دور کا آغاز ہوا تھا، اسی طرح جب یہ تاریخی حقیقت بھی عام طور پر تسلیم کر لیجائیگی تو اسوقت علم تاریخ مین بھی ایک نمایان انقلاب ہو جائیگا، لیکن ابتک اس جدید تاریخی حقیقت کی اہمیت کا احساس لوگون کو اس درجہ تک نہین ہوا ہے جس درجہ تک واقعتاً اسکو اہمیت حاصل ہے، اور اس زمانہ مین گذشتہ زمانہ کے سیاست دانون کی طرح بعض سیاست دانون کا یہ خیال ہے کہ قومین اپنے ماضی کی پوشاک اتار کر نور عقل کی رہنمائی مین جدید پوشاک زیب تن کر سکتی ہین، حالانکہ ان کو یہ خیال نہین رہا کہ قوم کی حالت بھی دیگر زندہ اجسام کے مانند ہے جسے ماضی ہی نے پیدا کیا ہے، پس دیگر اجسام کی طرح قومون کو بھی یہ قدرت حاصل نہین کہ اپنے آبائی میراث مین خود کسی طرح کا تغیر کر سکین،

علاوہ برین، قومین اور جماعتین تو برطرف، خود افراد کی حالت تو دیکھو! انکی رہایش، انکا طرز بود و باش، انکا پیشہ، ان کا کاروبار، غرض انکی زندگی کا ہر ہر لمحہ کس طرح محض دوسرن کی تقلید کرنے مین بسر ہوتا ہے، پھر جماعت جو افراد کے مجموعہ کا نام ہے، وہ کس طرح اپنی مرضی کے مطابق اپنے آثار میراث مین کوئی تغیر کر سکتی ہے؟ بلاشبہہ بعض اوقات قومین اپنے موروثی نظام حکومت اور نظام معاشرت مین کچھ تھوڑی سی ترمیم و تنسیخ کرتی ہین لیکن جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہین اس تغیر و تبدل اور اس ترمیم و تنسیخ کا اثر ظاہر سے کبھی تجاوز نہین کرتا صرف نامون مین تغیر ہو جاتا ہی باقی اصلیت وہی رہتی ہے۔

ہان، تو کیا یہ کوئی افسوسناک بات ہے؟ کیا جماعت کی تقلید پرستی تہذیب کی ترقی مین رکاوٹ پیدا کرتی ہے؟ اور کیا جماعت کی تقلید پرستی قومون کی ترقی کی سدراہ ہوتی ہے؟ نہین ایسا نہین بلکہ اس کے خلاف مجھکو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان مختلف قومی روایات کا وجود نہ ہوتا جو قومون کے اعمال و افعال کے حقیقی رہبر ہوتے ہین، تو شاید کوئی قوم معراج ترقی پر نہ پہونچ سکتی، بلکہ تہذیب و تمدن بھی اس درجہ سے گر جاتا جو اتنی محنت سے اس نے اب حاصل کیا ہے، خیال کرنیکی بات ہے، کہ انسان کا جب سے وجود ہوا ہے اس وقت سے برابر یہی اس کا ایک مقصد رہا کہ کوئی نئی بات ایجاد کیجائے یہان تک کہ جب کبھی پرانی قومی روایات کا اثر زائل ہو گیا تو اسنے فوراً ان کو مٹا دیا اور نئے سرے سے دوسری نئی نئی باتین ایجاد کر لین، غرض انسانی تہذیب و تمدن کی حقیقت پر اگر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ تہذیب و تمدن کا مدعا ہمیشہ یہی رہا ہے کہ پرانی چیزین مٹا دیجائین اور انکی جگہ نئی چیزین ایجاد کیجائین پس اگر ان پرانی چیزون اور قدیم روایات اور قومی سرمایہ کا وجود نہ ہوتا تو قومین کس چیز مین اصلاح کرتین، یہ اختراع و ایجاد کس طرح عمل مین آتی؟ اور تہذیب کی نمود و نمایش کا جو انسان کی جدت پسندی کیساتھ قایم ہے، مصرف کہان سے ہاتھ آتا؟ حاصل یہ کہ اگر کسی قومی سرمایہ اور قدیم روایات کا وجود نہوتا تو تمدن کس مصرف کا تھا؟ تمدن کا تو مدعا ہی یہ ہے کہ قدیم روایات مین

جو کمزوری پیدا ہو گئی ہے اسکی اصلاح کرنا، اور اگر ان روایات کا کوئی جزو بے مصرف اور ناکارہ ہو گیا ہو تو اسکی جگہ پر کسی جدید جزو کا اضافہ کرنا اور ظاہر ہو کہ اس کے لئے کسی قدیم محفوظ سرمایہ کی کسقدر حاجت ہے، پس اگر تہذیب و تمدن کے نقطۂ نظر سے دیکھو، تو انسان کی تمدنی ترقی مین قومی روایات کی بہت بڑی اہمیت ثابت ہوتی ہے، لیکن جب ان قومی روایات کے کسی جزو کے بیکار ہو جانیکی وجہ سے تجدید و اصلاح کی ضرورت پیش آتی ہے، تو اس وقت جس بات مین دشواری کا سامنا ہوتا ہے، وہ یہ ہے، کہ تغیر و بقا یا تجدید و تاسیس مین توازن کس صورت سے قائم کیا جائے، بات یہ ہے کہ قومونکی فطرت کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ جب بعض اخلاق و عادات امتداد زمانہ سے قوم مین راسخ ہو جاتے ہین، تو چونکہ قومین تقلید پرست واقع ہوئی ہین، اس لئے، قومون کے ان اخلاق و عادات کا اپنی جگہ سے ہلانا کچھ آسان کام نہین ہوتا، اب اس وقت اگر پے در پے فتنہ انگیزیون اور انقلابات سے کام نکالا جاتا ہے، تو دو ہی باتین حاصل ہوتی ہین یا تو یہ کہ قومی عناصر کے ان اجزا مین باہم انفصال جو پیدا ہوا تھا، وہ سرے سے مفقود ہو جاتا ہے، اور ان شورشون کی جو غرض تھی وہ بالکل فوت ہو جاتی ہے، یا یہ انفصال اس قدر کشادہ ہو جاتا ہے، کہ قومی عناصر جو باہم پیوستہ تھے، اور جن کی پیوستگی پر قومی نظام کا دار و مدار تھا وہ بکھر جاتے ہین، غرض ہر صورت مین، ان شورشون کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قومی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، اور تمام قوم مین سراسیمگی اور پراگندگی پھیل جاتی ہے، یہان تک کہ اس پریشان حالی کے باعث یہ خوف پیدا ہو جاتا ہے کہ کہین زوال و انحطاط کی یا دتند قومی عمارت کو ڈھا نہ دے،

پس قومون کے لئے بیش قیمت نصیحت صرف یہ ہے کہ وہ نہایت خاموشی کیساتھ اپنے ان قومی روایات پر کاربند رہین جو آبا و اجداد سے ان کو ورثہ مین ملے ہین، اور اگر کبھی انکو اپنے اُن قدیم روایات مین کوئی تغیر کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو نہایت ہوشیاری کیساتھ تھوڑا تھوڑا

کرکے رفتہ رفتہ تغیر کرین، ورنہ خوف ہو کہ کہین انتشار و بدامنی کی چنگاریان مشتعل ہو کر قوم کے خرمن ہستی کو جلا کر خاک سیاہ نہ کردین لیکن چونکہ زمانہ کا ہاتھ اس قدر طاقتور اور زبردست ہے کہ قومون کو کسی نہ کسی وقت اپنے قومی روایات مین اصلاح و تجدید کی ضرورت ضرور پیش آتی ہو، اس لئے قومون کی زندگی مین یہی ایک نازک موقع ہوتا ہے جسمین بہت کم قومون نے حزم و استقلال کا ثبوت دیا ہو، گذشتہ زمانہ مین رومیونکی قوم اور موجودہ زمانہ مین انگریزی قوم صرف یہی دو حوصلہ مند قومین ہین جنکا پائے ثبات، نازک سے نازک موقعون پر بھی، بہت کم متزلزل ہوا ہو، باقی دنیا کی دوسری قومین ایسے نازک وقت مین اکثر فنا ہو گئی ہین،

یہی وجہ ہے کہ قومی روایات اور قومی سرمایہ کی حفاظت کا قومون اور جماعتون کو سب سے زیادہ خیال رہتا ہے، یہان تک کہ قومین ان لوگون سے لڑنے جھگڑنے پر تل جاتی ہین جو ان کے قومی روایات مین کوئی تغیر یا ترمیم کرنا چاہتے ہین، اور پھر جماعتون مین بھی وہ جماعتین اسکا زیادہ خیال رکھتی ہین جنکا دائرۂ اثر محدود ہوتا ہو، اور اصل یہ ہے کہ ان قومون کی حفاظت بغیر اس کے ہو ہی نہین سکتی، لہذا اگر یہ قومین اپنے قدیم روایات کو محفوظ نہ رکھین تو سب سے پہلے حوادثِ زمانہ کا شکار یہی ہون، تقلید پرستی کا یہی وصف ہے جو قومون کو اپنے قومی روایات مین اصلاح و تجدید کی اجازت نہین دیتا اور اگر قومین کبھی اپنے حالات مین اصلاح کرتی بھی ہین تو جیسا کہ مین بیان کر چکا ہون، اس اصلاح کا اثر ظاہری نمود سے کبھی تجاوز نہین کرتا گذشتہ صدی مین مذہب کی جانب سے جو عام نفرت پھیلی ہوئی تھی، اس سے یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید اب مذہب کی سطوت کا خاتمہ ہو چکا اور آیندہ کیلئے اس قید سے نجات مل گئی، لیکن تھوڑی ہی مدت گذری تھی کہ لوگون مین مذہبی جوش نہایت سرعت سے پھر پیدا ہو گیا، اور گرجون اور پادریون کی حکومت پھر قائم ہو گئی، اب سلطنت نے جو یہ دیکھا تو چار و ناچار اسکو بھی ارکان مذہبی کی ترویج مین سہولت پیدا کرنی پڑی، ان واقعات کو

ذرا فور کرائی کی زبانی سنو جو گذشتہ انقلاب فرانس مین خود شریک تھا اور جس کے قول کو موسیو ٹائن نے بھی نقل کیا ہے، فور کرائی کہتا ہو:-

"اب کچھ دنون سے یہ عجیب بات دیکھنے مین آتی ہے، کہ یکشنبہ کے روز گرجون مین نمازیون کی کثرت ہوتی ہے، اور لوگ گرجون مین آنے جانے لگے ہین، ان واقعات سے اس بات کا پتہ چلتا ہو کہ فرنچ قوم اپنے قدیم عادات کی جانب پھر عود کر رہی ہو، اور قوم مین یہ میلان جو پیدا ہوا ہو اسکو روکنا اب محال ہو، اس لئے کہ سوادِ اعظم اب اس قوت مذہب کا محتاج ہو، زمانۂ حال کے فلاسفہ کی یہ غلطی ہو جو وہ سمجھتے ہین کہ اگر تعلیم عام کردیجائیگی تو یہ مذہبی اوہام و خرافات فنا ہوجائین گے، اس غلط فہمی کا سب سے بڑا سبب یہ ہو کہ وہ یہ فراموش کرگئے ہین کہ دنیا کے بہت سے بیکس لوگون کے لئے مذہب تسلی اور سکون کے سامان فراہم کرتا ہو، اور اس بنا پر ہمین قوم کے لئے گرجون اور اس کے پادریون کو باقی رکھنا چاہئے"

پس قومی روایات کا ہمیشہ یہی حال ہوتا ہو کہ اگر بعض وجوہ کی بنا پر کسی وقت انکا اثر زائل ہوگیا تو تھوڑے عرصہ کے بعد انکا غلبہ پھر عود کر آتا ہے، اور قومی روایات کی قوت اسقدر زبردست ہوتی ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا انقلاب بھی انکو پوری شکست نہین دیسکتا، یہ قسم قسم کی تصویرین جو گرجون مین لٹکتی ہین انکا اثر گرجون تک محدود نہین، اور یہ ظالم و جفاکار لوگ جو عیش و آرام کیساتھ زندگی بسر کرتے ہین قلوبِ انسانی پر انکا غلبہ نہین ہوتا کیونکہ ان کے شاہانہ جلال و جبروت کے تخت تو چشم زدن مین الٹ دیئے جاسکتے ہین لیکن اربابِ ادیان کا جو غلبہ قلوب انسانی پر ہوتا ہو اسے زمانہ ہی رفتہ رفتہ مٹا سکتا ہے

(۳۰) زمانہ کا اثر

قومون کی ترقی و تنزل اور عروج و انحطاط مین جن عوامل و مؤثرات کے اثر کو دخل ہوتا ہے،

ان مین زمانہ کے اثر کو بھی شمار کرنا چاہئے، زمانہ ہی کے ہاتھون چیزین بنتی بگڑتی ہین، اور یہ زمانہ ہی کی کرشمہ سازیان ہین کہ بالو کے تودے ایک مدت کے بعد پہاڑون کی شکل اختیار کرتے ہین غرض دنیا مین جو واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے، اور جو تغیرات پیدا ہوتے ہین، ان مین زمانہ کی صنعت گری کو بڑا دخل ہوتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ اگر چیونٹی کو کہین ایک مدت کا عرصہ ملجائے تو وہ ایک پہاڑ کو پارہ پارہ کر سکتی ہے،

زمانہ کا اثر اس قدر قوی ہوتا ہے کہ وہ ان مؤثرات کے اثر پر بھی حاوی ہو جاتا ہے جن کے بغیر معتقداتِ جماعت کا پیدا ہونا ناممکن ہے، مثلاً قومیت اور قومی روایات وغیرہ زمانہ ہی معتقداتِ جماعت کو پیدا کرتا ہے، بڑھاتا ہے، نشو و نما دیتا ہے اور پھر ان کو مٹا دیتا ہے معتقداتِ جماعت اسی کے سہارے پر نشو و نما حاصل کرتے ہین، اور اسی کی بدولت ان کو ضعف لاحق ہوتا ہے،

یہ قدرت زمانہ ہی کو حاصل ہے کہ وہ معتقداتِ جماعت کو پیدا کرتا ہے اور انکی تربیت کے سامان فراہم کرتا ہے یہی سبب ہے کہ بعض معتقدات و افکار ایک زمانہ مین خوب پھلتے پھولتے ہین لیکن زمانہ کا رخ بدلتے ہی انکی بہار پر بھی خزان آجاتی ہے، اور اسطرح فنا ہوتے ہین کہ ان کا پتہ نشان تک نہین ملتا،

زمانہ ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ معتقداتِ جماعت کو سطح بہ سطح رکھتا ہے اور زمانہ مستقبل کے معتقدات و افکار کے لئے راستہ صاف کرتا ہے، جماعت کے معتقدات و افکار کبھی محض بخت و اتفاق سے نہین پیدا ہوتے بلکہ انکی ایک ایک شاخ مدت دراز مین پیدا ہوتی اور بڑھتی ہے، اور پھر محض زمانہ ہی کی کرشمہ سازی کی بدولت یہ شاخین ایکدم پھوٹ نکلتی ہین معتقداتِ جماعت ماضی کے پیدا کردہ ہوتے ہین اور مستقبل کی آرزوئین بھی زمانہ ہی کے ساتھ وابستہ ہوتی ہین،

غرض اس پوری تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ ہمارے اوپر حقیقی سیادت و ملکیت صرف زمانہ کو حاصل ہے، اور ہمارا فرض یہ ہے کہ زمانہ کو اپنے حال پر چھوڑ دین، وہ خود ہر چیز مین تغیر کریگا،

پس گو موجودہ زمانہ مین، ان جماعتون کے تسلط و غلبہ کی بدولت جو ہمکو روزانہ دھمکاتی ہین ہماری اجتماعی حالت سخت خطرہ مین پڑگئی ہے اگر ہمین مستقبل کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے، زمانہ خود ہمارے اور ان جماعتون کے درمیان توازن پیدا کریگا ہوسیولیوسی نے کیا خوب کہا ہے :-

"دنیا مین کبھی کوئی نظام حکومت ایک روز مین رواج نہین پاتا بلکہ اس کے رواج پانے کے لئے ایک مدت درکار ہوتی ہے، فیوڈل سسٹم کو گزشتہ زمانہ مین رواج پانے کے لئے کتنے منازل طے کرنا پڑے؟ اور شخصی نظام حکومت کے رواج دینے مین کتنی شورشون کا مقابلہ کرنا پڑا؟ پس کوئی نظام حکومت اسوقت تک رواج نہین پاسکتا تاوقتیکہ وہ ایک عرصہ تک مختلف منازل نہ طے کرتا رہے"

(۴)

نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت کا اثر

ایک زمانہ تھا جب لوگون کے ذہنون مین یہ خیال قائم تھا —— اور اب بھی قائم ہے —— کہ جو نقائص اور خرابیان ہیئت اجتماعی مین پیدا ہوتی ہین، نظام حکومت اور نظام معاشرت سے انکی اصلاح ہوسکتی ہے نیز قومون کی ترقی و تنزل مین انکے نظام حکومت اور نظام معاشرت کو بڑا دخل ہوتا ہے، اور نظام حکومت اور نظام معاشرت قومون کی حالت پر بہت بڑا اثر کرتے ہین، یہ ایک عام خیال تھا جو انقلاب فرانس کے زمانہ مین عام طور پر رائج تھا، اور اب بھی وہ لوگ اس خیال کی تائید کرتے ہین جنھون نے اجتماعی اور معاشرتی مسائل مین بہت کم غور و خوض کیا ہے،

یہ خیال جو لوگون کے دماغون مین بس گیا ہے گو تجربہ ہی سے اسکی غلطی کا انکشاف
ہو گا مگر باوجود اس کے فلاسفہ اور مؤرخین نے بھی نہایت آسانی سے ثابت کر دیا ہی کہ قومون کے
عادات و اخلاق اور قومون کی ترقی و تنزل مین انکے نظامِ حکومت و نظامِ معاشرت کو
دخل نہین ہوتا، بلکہ برعکس اسکے، خود نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت قومون کے اخلاق و
عادات سے پیدا ہوتے ہین، قومون کے اخلاق و عادات مین نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت
کے تغیر سے کوئی تغیر نہین ہوتا، بلکہ خود قومون کے عادات و اخلاق انکے نظامِ حکومت اور
نظامِ معاشرت کے تغیرات کے باعث ہوتے ہین، قومین جسطرح اپنے موے سر کے رنگ کا اپنی
مرضی سے انتخاب نہین کر سکتین، اسی طرح قومون کو یہ قدرت بھی حاصل نہین کہ وہ اپنی مرضی سے
اپنے لئے کسی نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت کو منتخب کر سکین، نظامِ حکومت و نظامِ معاشرت
تو قومون کے اُس مزاج عقلی کا ثمرہ ہوتے ہین جسپر قومون کے عناصرِ تمدن کی بنا ہوتی ہی پس
قومون کی قسمت کا فیصلہ انکے نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت کے ہاتھون مین نہین ہوتا،
بلکہ برعکس اسکے نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت کو خود قومین ترتیب دیتی ہین اور خود مٹا دیتی
ہین قومین اپنی خواہش اور مرضی کی محکوم نہین ہوتین، بلکہ اپنے اخلاق و عادات اور اپنی فطرت کی
محکوم ہوتی ہین، اور جس طرح کسی نظامِ حکومت یا نظامِ معاشرت کے رواج دینے کیلئے مدت دراز کی احتیاج
ہوتی ہی، اسی طرح کسی نظامِ حکومت مین تغیر یا اصلاح کرنے کے لئے بھی ایک زمانہ درکار ہوتا
ہی، غرض، نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت کی خود اپنے اندر کوئی قدر و قیمت نہین، وہ اپنی
ذات سے نہ موزون اور مناسب ہوتے ہین اور نہ ناموزون اور نامناسب، بلکہ کبھی ایسا ہوتا
ہے کہ جو نظامِ حکومت کسی وقت کسی ایک قوم کے لئے موزون ثابت ہوتا ہی، وہی
نظامِ حکومت دوسری قوم کے لئے بالکل ناموزون ہوتا ہی، اور چونکہ نظامِ حکومت اور

نظامِ معاشرت کو خود قومین اپنے لئے ترتیب نہین دیتین، اس لئے وہ خود انمین کوئی تغیر
بھی نہین کرسکتی ہین، اقوام کے مقدور مین اگر کچھ ہے تو بس یہ ہے کہ وہ نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت
مین، اگر چاہین تو سطحی تغیر کردین، لیکن اس سے اصلیت مین کوئی فرق نہین آسکتا، اس تغیر کا
اثر صرف یہ ہوگا کہ اس نظامِ حکومت کے لئے زبان نے جو لفظ مقرر کردیا تھا وہ متروک ہوجائیگا
اور اب اس کے بجائے کوئی دوسرا نام رائج ہوجائیگا، مگر اصلیت اب بھی وہی رہیگی جو پہلے
تھی، دنیا بھر مین انگریزی قوم سے زیادہ کوئی قوم پرستارِ جمہوریت نہین ہے، لیکن دیکھو انگلستان
مین جو نظامِ حکومت رائج ہے وہ شخصی نظامِ حکومت ہے، پھر دنیا مین سب سے زیادہ استبداد پسند امریکہ
کی اسپینی نسل کی قومین ہین، لیکن باوجود اس کے جمہوری نظامِ حکومت کے ماتحت ہین،

حاصل یہ کہ قومین اپنے نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت کی محکوم نہین ہوتین، بلکہ اپنے
موروثی نظامِ اخلاق کی محکوم ہوتی ہین، پس یہ خیال، کہ اگر قومون کے نظامِ معاشرت یا نظامِ حکومت
مین تغیر کردیا جائے تو قومون کی حالت مین انقلابِ عظیم ہوجائیگا حقیقت سے بہت دور ہے، اور جو
لوگ اس کوشش مین اپنی جان کھپاتے ہین، وہ یاد رکھین کہ ان کو اپنے مقصد مین کبھی کامیابی
نہین ہوسکتی، نظامِ حکومت مین تغیر کرنے کیلئے دھوان دھار خطبے دینے اور شورش برپا کرنیکی
ضرورت نہین ہے، جب تغیر کی ضرورت ہوگی تو زمانہ خود ہی انمین تغیر کریگا، قومون کی ضرورتین
جب پیدا ہوتی ہین تو از خود ان ضرورتون کے مطابق انکے نظامِ حکومت مین تغیر ہو ہی جاتا ہے،
ضرورت کے مطابق نظامِ حکومت اور نظامِ معاشرت مین تغیر کرنے کا یہی حکیمانہ اصول ہے جو لاطینی
قومون کے خلاف انگریزون نے ہمیشہ مرعی رکھا ہے، انگریزون کے ملک مین کوئی جدید قانون
اس وقت تک نافذ نہین ہوتا تا وقتیکہ اس کے نافذ کرنے کی ضرورت پیش نہین آتی،
مکالے نے جو انگریزون مین بہت بڑا مصنف گذرا ہے اپنی ایک تحریر مین انگریزون کے اس

حکیمانہ اصول کی تشریح کی ہو، پہلے اس نے ان اثرات ونتائج کا تذکرہ کیا ہو جو انگریزی قوانین سے پیدا ہوتے ہین، پھر انگریزی قوانین کا ان قوانین سے مقابلہ کیا ہو جو امریکہ اور یورپ کے ممالک مین لاطینی قومون نے مختلف اوقات مین وضع کئے ہین پھر اس بات کی وضاحت کی ہو کہ لاطینی قومون کے برعکس انگریزی قوم کبھی بلاضرورت اپنے قوانین مین اضافہ یا تغیر نہین کرتی پھر آخر مین لکھتا ہے

"انگلستان مین جتنے قوانین عہد جان سے لے کر عہد وکٹوریہ تک مختلف پارلیمنٹون مین پاس ہوئے، انکی خصوصیت یہ نہ تھی کہ ان مین حسن ترتیب کا خیال رکھا جاتا تھا بلکہ ان قوانین مین جس بات کا زیادہ اہتمام کیا گیا وہ یہ ہے کہ کوئی جدید قانون اسوقت تک کبھی نافذ نہین ہوتا تاوقتیکہ اس کے نافذ کرنیکی کوئی ضرورت نہین پیش آئی، اور ضرورت پیش آنے کے بعد بھی جب نافذ کیا گیا تو اس وقت بھی ضرورت سے زیادہ کسی قانون کو کبھی وسعت نہین دی گئی"

لیکن چونکہ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ قومون کے نظام حکومت و نظام معاشرت انکے مزاج عقلی کا ثمرہ ہوتے ہین، یہ ضروری ہو کہ ہم ایک ایک نظام حکومت کو الگ الگ لیکر اس مسئلہ کی وضاحت کرین، اور یہ موجب طوالت ہوگا خصوصاً اس حالت مین کہ ہم اپنی دوسری کتاب "انقلاب الامم" مین اس مسئلہ پر نہایت تفصیل کیساتھ بحث کر چکے ہین، اس لئے ہم یہان صرف ایک مثال سے اس مسئلہ کی وضاحت کرکے اس بحث کو تمام کئے دیتے ہین،

یہ ایک فلسفیانہ بحث ہے کہ مرکزیت اور لامرکزیت مین سے کون طریقہ حکومت بہتر اور مفید ہے فرض کرو کہ ایک قوم ہے جو مختلف فرقون اور قومون سے مل کر بنی ہو، اور مدتون یکجا رہتے رہتے وہ مرکزی حکومت کے زیر فرمان ہوگئی ہو، اب فرض کرو کہ اس مرکزیت کے خلاف قوم مین نہایت سخت جوش پھیلا، اور سخت شورش برپا ہوئی جس نے اس مرکزیت کو اور زیادہ مستحکم کر دیا تو اب اسوقت

ہمارے لئے بجز اس کے کیا چارہ ہوگا کہ اس مرکزی حکومت کو تسلیم کرلین، کیونکہ اب تو گویا
مرکزی حکومت ہماری طبیعت ثانیہ ہوگئی، اور بالآخر اب ان لوگون کی غلطی صاف کھلجائیگی جو
اس نظام مرکزیت کے دشمن تھے اور اسکو مٹا دینا چاہتے تھے، اور اگر آیندہ وہ کبھی اپنے مقصد
مین کامیاب بھی ہوگئے تو اس کا نتیجہ یقیناً یہ ہوگا کہ ایک سخت خانہ جنگی برپا ہوگی جو پھر اس مرکزیت کو از سر نو مستحکم کردیگی،

غرض تقریر بالا کا ماحصل یہ ہے کہ نظام حکومت و نظام معاشرت کو قومون کے عروج و [illegible]
اور ترقی و تنزل مین کسی طرح کا دخل نہین ہوتا، اور نظام حکومت مین فوری تغیر کرنیکا بجز
اسکے کچھ نہین ہوتا کہ قوم مین فوضویت اور انتشار کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جو بسا اوقات انحطاط
کا موجب ہوتی ہے، ہمارے دعوی کی ایک بڑی مثال یہ ہے کہ ریاست متحدہ امریکہ اور امریکہ کی
اسپینی جمہوریتین گو جمہوری نظام حکومت کی پابند ہین، لیکن جو خوشحالی اور فارغ البالی ولایات
متحدہ امریکہ مین پائی جاتی ہے وہ اسپینی جمہوریتون مین بالکل ناپید ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ
قومون کی ترقی و تنزل، اور عروج انحطاط مین قومون کے نظام حکومت و نظام معاشرت کو کوئی
دخل نہین ہوتا، بلکہ قومین اپنے نظام اخلاق کی پابند ہوتی ہین اور جو نظام حکومت قوم کے موروثی
نظام اخلاق کے مطابق نہین ہوتا وہ اس قوم کیلئے صرف ملمع کا کام دیسکتا ہے، پس اگرچہ اکثر ممالک
مین ہمیشہ بہت سے لوگ اس خواہش اور کوشش مین رہتے ہین کہ اپنے ملک کے نظام حکومت و نظام معاشرت کو
دوسری قومونکی تقلید مین بدلدین لیکن اس کوشش کا نتیجہ بجز خانہ جنگیون کے اور کچھ نہین ہوتا، اور اسی قسم کی
خانہ جنگیون کو دیکھکر بعض لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ قومون کے نظام حکومت مین آسانی سے تغیر کیا جاسکتا ہے،
لیکن واقعہ یہ ہے کہ قومین اپنے نظام حکومت کی تابع نہین ہوتین، بلکہ ان پر غلبہ صرف ان اوہام و
الفاظ کا ہوتا ہے جو ان کے آبا و اجداد سے انکو ورثہ مین ملتے ہین، خاصکر ان خیالی الفاظ کا جو گو مبہم ہوتے
ہین مگر قومون کے قلوب پر اصل مین ان ہی کی حکومت ہوتی ہے،

(۴)

تربیت و تعلیم کا اثر

ہر زمانہ مین چند مخصوص خیالات ہوتے ہین جنکا عقلون پر غلبہ ہوتا ہی ہمنے بیانات بالا مین واضح کیا ہے، کہ اس قسم کے خیالات دماغ پر کس قدر قوی اثر کرتے ہین، زمانۂ حال مین جن خیال کا دور دورہ ہی وہ یہ ہی کہ لوگون مین تعلیم کے ذریعہ سے ایک بیں [illegible] نسبۃً فرق پیدا کیا جا سکتا ہی اور تعلیم کے ذریعہ سے لوگون مین مساوات پیدا کیجا سکتی ہی، یہ خیالات بار بار دہرائے گئے یہانتک کہ ڈیماکریٹک پارٹی کے نزدیک یہ خیالات بالکل ثابت اور محقق ہوگئے، اور اب ان کے رد کی کوشش کرنا اسی قدر مشکل ہوگیا جس قدر اگلے زمانہ مین چرچ کی قوت کا توڑنا مشکل تھا،

لیکن علمبرداران مساوات نے تعلیم و تربیت کے بارے مین جو خیالات قائم کئے ہین علم النفس نے دیگر مسائل کی طرح انکی بھی تردید کر دی ہی اور اسپنسر نے نہایت خوبی سے ثابت کر دیا ہی کہ تعلیم نہ انسان کو مہذب بنا سکتی ہی، اور نہ اسکی ان خواہشون کو روک سکتی ہی جو آباو اجداد سے اسکو ورثہ مین ملی ہین، نیز یہ کہ اگر طرزِ تعلیم خراب ہو تو تعلیم بجائے مفید ہونے کے اور مضر پڑتی ہی، ماہرین شمار و اعداد نے بھی ان کلیات کی تائید کی ہی، اور بتایا ہی کہ آجکل جرائم جو بکثرت سرزد ہوتے ہین اسکا زیادہ تر باعثِ اشاعت تعلیم ہی اور ہیئت اجتماعی کے جو بدترین دشمن ہین یعنی فوضوین (انارکسٹ) وہ عموماً ایسے لوگون کو اپنے گروہ مین داخل کرنے کی کوشش کرتے ہین جو کالجون سے بڑی بڑی ڈگریان حاصل کرکے نکلے ہون، موسیو اڈولف گویلاٹ نے جو ایک فاضل جج ہین، اعداد و شمار سے بتایا ہے کہ آجکل چار ہزار مجرمون مین سے تین ہزار مجرم گروہ طلبا کے اور ایکہزار ان پڑھ طبقہ کے ہوتے ہین اور پچاس برس کے عرصہ مین مجرمون کی تعداد ۲۲۷ سے ۵۵۲ تک پہونچگئی ہی موسیو منکور اور انکے دیگر ہمعصرون نے یہ بتایا ہی کہ ارتکاب جرائم ان نوجوانون سے زیادہ ہوتا ہی جو مدارس مین جبریہ اور مفت تعلیم پاتے ہین،

بلاشبہہ طرز تعلیم اگر بہتر ہو تو تعلیم سے عمدہ نتائج حاصل ہوتے ہین اور اس وقت تعلیم تہذیب کو ترقی دیتی ہو، اخلاق فاضلہ کی ترقی مین مدد ہوتی ہو، اور فنی قابلیتون کو بڑھاتی ہو لیکن بدقسمتی یہ ہو کہ لاطینی قومون مین تعلیم کی بنا نامناسب اور غلط اصول پر قائم کی گئی ہو خصوصاً پچیس سال کے عرصہ سے تو تعلیم مین اس قدر ابتری پیدا ہو گئی ہو کہ گو موسیو بریال، موسیو واڈنگٹن، ڈی کولنگ اور موسیو ٹائن ایسے یگانۂ روزگار علمار نے اصلاح کی کوشش کی لیکن ابتک یہ قومین اپنی اسی قدیم حالت کو بناہ رہی ہین، مین نے بھی اپنی ایک تصنیف مین اس بات کو ثابت کیا ہو کہ ہمارے طرز تعلیم کا ایک خراب نتیجہ یہ ہو کہ اس کے ذریعہ سے ہیئت اجتماعی کے دشمن پیدا کئے جاتے ہین اور مذہب اشتراکیت کی جڑ مضبوط کیجارہی ہو،

یہ نتائج بد جو لاطینی تربیت سے پیدا ہوتے ہین، اسکی اصلی وجہ یہ ہو کہ ہماری تربیت کی بنا ایسے اصول پر قائم کی گئی ہو جسکی غلطی علم النفس سے ظاہر ہو چکی ہو، ایک بڑی اصل جس پر ہماری تربیت کی بنیاد رکھی گئی ہو، یہ ہو کہ قوت حافظہ عقل کو ترقی دیتی ہو، اسی سے ہماری تعلیم مین اس بات کا زیادہ خیال کیا جاتا ہو کہ حتی الامکان قوت حافظہ کو ترقی دینا چاہئے اور اس اصول پر اس مضبوطی سے عمل کیا جاتا ہو کہ پرائمری اسکولون، کالجون بلکہ ٹرننگ کالجون مین بھی قوت حافظہ ہی پر زیادہ زور دیا جاتا ہو، جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ طالب علم از خود کسی عمل پر اقدام نہین کر سکتے ہین کیونکہ تعلیم کا مدعا تو انکی نگاہ مین اب صرف یہ رہگیا ہو کہ وہ واقعات کو حفظ کر لین اور دوسرون کی آرار کے آگے سر جھکا دین، موسیو جولیس سیمان نے جو ... وزیر تعلیم رہ چکے ہین، ایک بار کیا خوب کہا تھا کہ :-

"صمیم قلب کے ساتھ اسباق کے حفظ کر لینے یا صرف و نحو کی کسی کتاب کے رٹ لینے سے زیادہ بدتر کوئی تربیت نہین ہو سکتی، کیونکہ اس صورت مین طالب علم کا تمام تر مقصد

یہ رہجاتا ہی کہ وہ اُستاد کو تمام غلطیون سے محفوظ مان لے"

اگر اس تربیت کا ضرر اتنا ہی ہوتا کہ وہ کچھ مفید نہین ہی تو خیر ہم ان بچون کیساتھ ہمدردی کرکے بیٹھ رہتے جنھین مدارس مین کلوٹر کا نسب حفظ کرایا جاتا ہی لیکن غضب تو یہ ہے کہ طالبعلم جس حالت مین زندگی بسر کر رہا ہو، اس تربیت سے اس کے دل مین یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش مجھکو اس بلا سے نجات مل جاتی، یہانتک کہ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ آج کارخانہ دار کا دل اپنے کاروبار سے اوچاٹ ہوا اور کل ایک کاشتکار بھی اپنے پیشہ سے الجھنے لگا، اور یون ہی طبقہ متوسط کے افراد اپنے اپنے کامون کو چھوڑ چھوڑ کر حکومت کی جبہہ سائی کرنے لگتے ہین، اور چونکہ اسکول سے ایسے طلبا پڑھکر نہین نکلتے جو زندگی کے دشوار گذار مراحل کو طے کرسکین، اس لئے قوم مین ایسے افراد کی کثرت ہوجاتی ہی جو ہیئت اجتماعی پر بار ہونے کے علاوہ خود بھی روز اپنے دانت کٹکٹاتے اور شورہ پشتی پر ہر دم آمادہ رہتے ہین، اس سے آگے بڑھو تو طبقۂ متوسط کی حالت اور افسوسناک نظر آتی ہی، باوجودیکہ اسے حکومت کی طاقت و قوت پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہی لیکن حکومت سے جو غلطیان سرزد ہوتی ہین، ان پر جرح و قدح بھی اسی طبقہ کے افراد کرتے ہین، اور باوجود اس کے وہ ازخود کسی کام کو انجام دینے کی صلاحیت سے عاری ہوتے ہین،

لیکن حکومت ان سند یافتہ لوگون کو جو تیار کرتی ہی انہین سے کام کے لوگون کو چھانٹ لیتی ہی اور باقی افراد کو چھوڑ دیتی ہی، اب یہ سند یافتہ جماعت اپنے روزگار کی تلاش مین گورنمنٹ کے تمام عہدون پر معمولی کلرک کے عہدے سے لیکر ماسٹری اور پروفیسری تک ایکدم ٹوٹ پڑتی ہی، اور حالت یہ ہوجاتی ہی کہ ایک تاجر نوآبادیون مین اپنا کاروبار چلانے کے لئے ایک منیجر ڈھونڈھتا پھرتا ہی، اور نہین ملتا، حالانکہ ہزارون آدمی گورنمنٹ کے ادنیٰ سے ادنیٰ عہدے کے حاصل کرنیکی فکر مین لگے رہتے ہین پھر جب ان بیکار لوگون کی تعداد بیشمار ہوجاتی ہے،

بالکل محروم ہے، اس کے ذہن مین کبھی ان مؤثرات کا گذر تک نہین ہوتا جن سے
استفادہ کرنے کی اسے سخت حاجت ہے، کیونکہ ایک طویل مدت تک تو وہ اسکول
کی چاردیواری کے اندر ان شخصی تجارب سے بیخبر بند پڑا رہا جن کے ذریعہ سے اشیا کی
کوئی صحیح صورت اسکے ذہن مین آتی اور جو زندگی کے کاروباری رخ مین اسکو مدد دے سکتے،
اب مدرسہ سے تعلیم حاصل کر چکنے کے بعد جو وہ نکلا تو وہ اپنی عمر کا بیش بہا وقت ضایع کر چکا
تھا، امتحان کی تیاری مین جسقدر وقت اس نے صرف کیا تھا وہ گویا افسوسناک ماضی اور منحوس
مستقبل کے مابین حد فاصل رہا لیکن جب نتیجہ شایع ہوا تو اس نے دیکھا کہ کامیاب طلبہ کی
تعداد تو صرف نصف یا ایک ثلث ہے، اس کے لئے یہ کسقدر گران مصیبت کا سامنا تھا کہ وہ
دن بھر ایک کرسی پر اپنے سامنے چھوٹی سی میز لیکر بیٹھا خاموشی کے ساتھ درس کو سن
رہا ہے، سچی بات یہ ہے کہ اس طرح کی جانفشانی دو ماہ سے زیادہ اس سے نہین ہوسکتی تھی
اور اب امتحان کا وقت جو آیا تو وہ اپنے مین محنت کرنے کی بھی قدرت نہین پاتا کیونکہ متفرق
علوم اس کے خزانۂ ذہن مین محفوظ کر دیئے گئے ہین، قوت تعقل مفقود ہو چکی، قواے
ذہنیہ جواب دے چکے، اب نوجوان یہ سب مراحل طے کرنے کے بعد مستقل زندگی
بسر کرنا چاہتا ہے، اور کاروبار کی کسی خاص لائن مین قدم رکھتا ہے، لیکن
اسے کس قدر افسوس ہوگا جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ میری توقعات ضایع
ہوئی اور مین نے تعلیم پر جتنا خرچ کیا تھا اتنی آمدنی نہین ہوئی، یہ زبون حالت فرانس
کی ہے، لیکن انگلستان اور امریکہ مین حالت اس کے برعکس ہے،
اس کے بعد اس جلیل القدر مورخ نے ہمارے اور انگریزی طرز تعلیم کے مابین جو فرق ہین انکو
دکھایا ہے اور یہ بات ثابت کی ہے کہ جتنے مخصوص اسکول ہمارے ملک مین ہین اپنے انگریزون کے

ملک مین نہین ہین، نیز یہ کہ انکے ملک مین کتابون کے ذریعہ سے تعلیم نہین دیجاتی ہی، بلکہ انجینیر (مثلاً) کارخانہ مین پیدا کیا جاتا ہی، اور ہر شخص کو اس کا موقع ملتا ہی کہ اسکی قوتِ عقلی جہانتک متحمل ہو اپنے پیشہ کو حاصل کرتا ہے اور اگر اس کے قوائ ذہنیہ اعانت کرین تو وہ کاریگر انکا افسر ہو جائے۔ یہ نہایت اعلیٰ درجہ کا جمہوری طرز ہے اور اس طرزِ تعلیم سے قوم کو حقیقی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے ہمارا طرز تعلیم ایسا ہی کہ اسمین نوجوان کی آیندہ قسمت ایک بیجا امتحان پر موقوف ہوتی ہی جو عموماً اسے اپنی عمر کے اکیسوین یا بیسوین سال دینا پڑتا ہی، موسیو ٹائن لکھتے ہین :-

"انگلستان مین کسی طالب علم کو شفاخانہ یا کسی بیرسٹر کے آفس مین داخل ہوکر تھوڑی مدت مشق اور تعلیم مین گذارنی پڑتی ہے، پہلے اسے کچھ مختصر سے درس دئے جاتے ہین جن سے اسکی معلومات عامہ مین اضافہ ہوتا ہے، علاوہ اس کے وقتاً فوقتاً کچھ اور بھی درس دئیے جاتے ہین، جنپر اسے فرصت کے وقت مین سوچنے کا موقع ملتا ہی، اس طرح وہ تھوڑی سی مدت مین اپنے تجارب کو ایک منتظم صورت مین مرتب کر لیتا ہی، دیکھو ایک یہ نظام تعلیم ہے کہ طالب علم کے قوائے عقلی کے ساتھ ساتھ اسکی قوت عملی بھی جلا پاتی ہے، آئندہ کی ترقی کا بھی راستہ صاف ہوتا جاتا ہی، اور بہت جلد طالب علم میں اختراع و ایجاد کی قوت پیدا ہو جاتی ہے، یہانتک کہ پچیس برس کے سن مین اسکی قوتِ عقلی اسقدر نمو پاجاتی ہے کہ وہ از خود اقدام کرنے لگتا ہی، اور ہر بات کا مقابلہ کرتا ہی، گویا کہ وہ ایک مشین کا پہیا ہے جو خود ہی محرک اور خود ہی متحرک ہو،"

لیکن فرانس کی حالت اس سے بالکل جداگانہ ہے، وہان تعلیم کا ایک دوسرا ہی طرز ہے جو قریب قریب چینیون کے طرز تعلیم سے مشابہ ہی اور جس سے بجز قوای عقلی

و ذہنی کی تضیع کے اور کوئی فائدہ حاصل نہین ہوتا،،

پھر مذکورۂ بالا بیان سے اس فلا سفر نے حسب ذیل نتیجہ اخذ کیا ہی وہ لکھتا ہی :۔

،، قوت حافظہ پر تعلیم کے ادوار ثلثہ طفولیت، بچپن، شباب مین زور دیا جاتا را اور بیمانۂ طاقت لبریز ہو گیا، لیکن دیکھو طالب علم ابتک کرسی پر بیٹھا ہی امتحان کے انتظار مین اس کی آنکھین کتاب پر گڑی ہوئی ہین اور وہ نہایت بے صبری کیساتھ اسدن کا منتظر ہے جب اسے ڈگری ملیگی، جب وہ سند پائیگا، اس کے سوا اسے کسی چیز کا شوق نہین، کیا غضب ہے کہ اس بدتر نظام تعلیم کی ترویج کے لئے کیسے کیسے وسائل ایجاد کیے گئے ہین، اور کس کس طرح طالب علم اس نظام کا پابند بنایا جاتا ہے عملی دنیا سے طالب علم کو نکال کر اسکولون اور مدارس کے حجرون کے اندر بند کر دیا گیا ہے، جہان اسے ایک مصنوعی جسمانی تربیت دیجاتی ہے، ذہن و فکر پر ایکدم بار ڈالدیا جاتا ہی نہ مستقبل کے جانب نظر ہوتی ہے اور نہ سن کا کچھ لحاظ کیا جاتا ہے، کسی کاروبار کا خیال تو کجا دنیا کی رزمگاہ سے جہان آیندہ طالبعلم کو مکمل اسلحہ لیکر نکلنا ہے، بالکل بحث نہین ہوتی، اور یہ بات تو بالکل پس پشت ڈالدیجاتی ہے کہ طالبعلم آیندہ خود اپنے پاؤن پر کھڑا ہونیکے قابل ہوجائے ہمارے مدارس مین رہ کر کوئی نوجوان ضروریات زندگی نہین حاصل کرسکتا، اسمین قوت تمیز پیدا ہوتی ہی نہ قوت ارادہ اور نہ اعصاب ہی مضبوط ہوتے ہین بلکہ بجائے اس کے کہ آیندہ کیلئے آمادہ ہو وہ اور کمزور و ناتوان ہوجاتا ہی اور اسکی ذات اور اسکے قریبی مستقبل کے مابین کوئی مناسبت نہین پیدا ہونے پاتی، اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ جہان اسنے پہلے پہل کسی کام مین ہاتھ ڈالا بس وہ مختلف مصائب مین گھر گیا اور اب اس مین لنگڑی

لوہے کے مثل کھڑے ہونے کی قدرت نہین باقی رہی، یہ کس قدر خوفناک تجربہ ہے جس مین اخلاق مضطرب ہوتے اور توازن عقلی مختل ہو جاتا ہے، بس آگے حسرت و یاس ہے اور ناکامی کی حائل دیوار،،

افسوس..................ناکامی..................حسرت موت[۱]،،

---

[۱] دیکھو موسیو ٹائن کی کتاب ''نظام حال،، جلد دوم صفحہ ۱۹۹ یہ آخری صفحات ہین جو موسیو ٹائن نے تحریر کئے ہین اور گویا اس مشہور فلاسفر کے تمام تجربات زندگی کا ماحصل ہین، کس قدر افسوس ہی کہ ہمارے مدارس کے اساتذہ جنھون نے فرانس کے باہر قدم نہین نکالا ہی ان حقائق و واقعات تک نہین پہونچے، حالانکہ تربیت ایک ایسا ذریعہ ہی جس سے ہم قوم کے قلوب مین تحریک پیدا کر سکتے ہین، سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہی کہ ہم مین ایسے لوگون کا قحط ہی جو یہ سمجھتے ہون کہ تربیت کا طریقہ مجریہ قوم مین کس قدر جلد انحطاط پیدا کر دیگا اور ہماری نسل ترقی کے بجائے تنزل اور انحطاط کی جانب مائل ہو گی، ناظرین کے لئے مفید ہوگا اگر وہ ٹائن کے تحریرات کو ان مشاہدات اور تجربات کے ساتھ مقابلہ کرکے پڑھین جو امریکہ مین تربیت کے متعلق عمل مین لائے گئے ہین اور جنھین موسیو پال بورگٹ نے اپنی کتاب ''بحر زاخر،، مین نقل کیا ہی،

ان تمام تحریرات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری تربیت اس درجہ ناقص ہے کہ یا تو مدارس مین فوضیوین (انارکسٹ) پیدا کئے جاتے ہین یا ایسے لوگ جن مین اقدام کی قوت مفقود ہوتی ہے اور جنکا کوئی خاص ارادہ نہین ہوتا، بقول موسیو پال بورگٹ کے کہ یہ دونون صورتین ایک متمدن انسان کیلئے بدقسمتی کا پیش خیمہ ہین، اس کے بعد موسیو پال بورگٹ نے بدقت نظر ہمارے برباد کنندہ فرانسیسی مدارس اور ان مدارس کا جو طالبعلم کو رزمگاہ حیات کے لئے تیار کرتے ہین مقابلہ کرکے ثابت کیا ہے کہ صحیح دیمقراطیت اور جمہوریت وہی ہی جو ان زندہ قومون مین پائی جاتی ہی،

فصل دوم

معتقداتِ جماعت کے عوامل قریبہ

(۱) ذہنی اشباح، الفاظ اور جملوں کا اثر معتقداتِ جماعت پر

الفاظ اور جملے ذہن جماعت پر جادو نما اثر کرتے ہین، الفاظ کی اس مؤثر انہ قوت کا تعلق ان کے لغوی یا اصطلاحی معنون سے نہین ہوتا بلکہ الفاظ مین یہ قوت ان ذہنی اشباح سے آتی ہے جو خیال مین پیدا ہوتے ہین، ان ذہنی اشباح مین حسب اقتضائے زمانہ اختلاف ہوتا رہتا ہی، بعض مستعمل الفاظ کے معانی مین جو تغیر ہوتا ہی اس کی مختلف مثالین، یہ بحث کہ جب مسمیات کے قدیم اسما جماعت مین ناگواری کا احساس پیدا کرنے لگین تو اس وقت سیاسی فوائد کے لحاظ سے جدید اسما کا وضع کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اختلافِ امزجہ کی بنا پر مختلف قومون مین الفاظ کے معنی کس طرح متغیر ہو جاتے ہین، یہ بحث کہ یورپ اور امریکہ مین "ڈیمقراطی" کے معنی کیوں مختلف ہین،

(۲) اوہام کا اثر معتقداتِ جماعت پر، اوہام کی اہمیت کا بیان، یہ بحث کہ اوہام پر تمدن کی بنا ہوتی ہے، یہ بحث کہ اجتماعی نقطۂ نظر سے اوہام کی کیا ضرورت اور اہمیت ہی، جماعت ہمیشہ وہم کو واقعہ پر کیون ترجیح دیتی ہی،

(۳) تجارب کا اثر معتقداتِ جماعت پر، تجارب قومون کے ذہن مین واقعات کی اہمیت اور اوہام کی مضرت کا احساس پیدا کرتے ہین،

تجارب سے تو ین اس وقت اثر پذیر ہوتی ہین جب انکی بار بار تکرار ہو،

(۴) **عقل کا اثر معتقدات جماعت پر،** عقلی استدلال کا اثر جماعت پر بالکل نہین ہوتا، جماعت بجز اپنے احساسات غیر شاعرہ کے اور کسی چیز سے اثر پذیر نہین ہوتی، یہ بحث کہ تاریخی واقعات مین منطق کی کیا حیثیت اور کیا درجہ ہے، واقعات تاریخی کے باعث مافوق العقل مخفی اسباب ہوتے ہین،

اس باب کی فصل اول مین ہم نے ان عوامل بعیدہ کے اثرات کو بیان کیا تھا جو جماعت مین یہ صلاحیت پیدا کر دیتے ہین کہ جماعت چند خیالات کو تسلیم کرلے اور ان کے ماتحت عمل کے لئے مستعد ہو جائے، اب اس فصل مین ہم ان عوامل قریبہ کے اثرات کو بیان کرین گے جو جماعت مین بعد کو اثر کرتے ہین اور جنکا اثر یہ ہوتا ہے کہ جماعت سے بعض افعال کا صدور ہونے لگتا ہے، اس کے بعد آیندہ فصل مین ہم یہ بیان کرین گے کہ وہ عوامل قریبہ جو جماعت سے صدور افعال کے باعث ہوتے ہین، ان کے اثر کو مفید اور کارگر بنانے کے کیا کیا طریقے ہین، اور کس قسم کے لوگ ان کا استعمال کر سکتے ہین،

اس کتاب کے ابواب سابقہ مین جماعت کے حسیات، افکار، اور خیالات کے متعلق جو ایک طول طویل بحث گذر چکی ہے، اس سے بطور نتیجہ کے ان عوامل قریبہ کا اخذ کرنا اور انکی حقیقت کا دریافت کرنا آسان ہو گیا ہے جو جماعت کو آمادۂ عمل کر دیتے ہین، نیز گذشتہ بیانات سے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہین کہ کون سے عوامل جماعت پر زیادہ اثر کرتے ہین؟ ان عوامل و مؤثرات کی قوت تاثیر کتنی ہوتی ہے؟ اور اس اثر کا تعدیہ تمام افراد مین کس طرح ہوتا ہے؟ خصوصاً ان اثرات کا تعدیہ جو مختلف ذہنی اشکال کی صورت مین آکر اس کے ذہن مین مرتسم ہوتے ہین،

پھر چونکہ ذہنِ جماعت مین ان اثرات کی پیدایش مختلف وسائل اور ذرایع کی مدد سے ہوتی ہے
اور اس بنا پر ان عوامل و مؤثرات کا بھی جو جماعت پر اثر کرتے ہین مختلف اقسام کا ہونا ضرور ہے
اس لئے ہم ذیل مین ایک ایک مؤثر سے علیحدہ علیحدہ بحث کرین گے اور گو اس صورت مین ہمکو بعض بیانات
ماسبق کی تکرار کرنا پڑیگی، تاہم ہمارے نزدیک یہ بحث کچھ غیر سودمند نہین ہے کیونکہ جماعت کی تمام قدرتا
کے طلسمون سے متشابہ ہوتی ہے کہ یا تو طلسم کو حل کرو اور یا اپنے تئین انکے سپرد کردو کہ وہ تمھین فنا کردین

(۱)

ذہنی اشباح، الفاظ، اور جملون، کا اثر،

اوپر جہان ہمنے جماعت کے خاصہ تخیل آرائی کی وضاحت کی تھی وہان ہم یہ بیان کرچکے ہین
کہ جماعت ذہنی صور و اشکال سے زیادہ متأثر ہوتی ہے، اور گو ہر وقت ان ذہنی صور و اشکال کا
ذہنِ جماعت مین موجود ہونا ممکن نہین لیکن اگر الفاظ اور جملون کو حزم و احتیاط کیساتھ استعمال کیا
جاے تو ذہنِ جماعت مین صور و اشکال کا پیدا کردینا بھی آسان ہوتا ہے، خاصکر جب الفاظ اور جملون
کا استعمال کرنے والا ازمنۂ سابقہ مین احتیاط اور حزم کیساتھ انکا استعمال کرتا تو اس کے معتقدون
کے دلون مین اسکے الفاظ جادو کا اثر کرتے اور نفوسِ جماعت مین غیظ و غضب کی بجلی سی دوڑ جاتی
لیکن جب نفوس جوش اور غیظ و غضب سے پر ہو جاتے تو اسوقت وہ پھر انمین سکون کی حالت پیدا
کردیتا غرض اپنے حزم و احتیاط اور ہوشیاری کی بدولت اسکو اس قدر طاقت حاصل ہو جاتی کہ
وہ جب چاہتا لوگون کو رلا دیتا اور جب چاہتا ان کو ہنسا دیتا،

لیکن وہ الفاظ جو اپنے اندر مقناطیسی قوت رکھتے ہین انکے متعلق یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ انکی
اس قوتِ تاثیر مین انکے معنون کو کبھی دخل نہین ہوتا، بلکہ ان الفاظ کی ساحرانہ تاثیر درحقیقت

مخفی ہوتی ہے، ان ذہنی اشکال اور صور کے اندر جو ان الفاظ سے ذہن جماعت مین پیدا ہوتے ہین، یہان تک کہ اکثر ایسا ہوتا ہی کہ وہ الفاظ جو ذہن جماعت پر زیادہ اثر کرتے ہین، انکے معنی اسی قدر زیادہ مبہم ہوتے ہین، اور باوجود اس کے ان الفاظ کا اثر اس قدر قوی ہوتا ہی گو ان الفاظ کی حقیقت اور معنی اصطلاحی سے عوام ناآشنا ہوتے ہین، لیکن یہ الفاظ نفوس مین کچھ اس طرح کا گھر کر جاتے ہین کہ ان کے متعلق لوگون کو یہ اعتقاد ہو جاتا ہی کہ تمام اجتماعی مشکلات کا حل ان ہی الفاظ کے ساتھ وابستہ ہے،

پھر بعض الفاظ اور جملون کا اثر اس قدر قوی ہوتا ہی کہ افراد کی عقلون پر بھی یہ اثر غالب آجاتا ہے، اس اثر کے آگے دلائل و براہین بھی سپر انداز ہو جاتے ہین، ان الفاظ اور جملون کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ادھر متکلم کے منہ سے یہ الفاظ اور جملے نکلنے بھی نہین پائے اور ادھر سامعین پر ہیبت سی چھا گئی اور احترام و عظمت نے انکو سرنگون کر دیا، اور یہ جادو بھی ایسا قوی ہوتا ہی کہ ان الفاظ کے متعلق بعض لوگون کا یہ اعتقاد ہو جاتا ہی کہ ان الفاظ مین کوئی الٰہی طاقت مضمر ہے، لیکن بات یہ ہوتی ہی کہ یہ الفاظ اور جملے لوگون کے ذہنون مین ایسی ذہنی صورتین اور اشکال پیدا کر دیتے ہین جنکی کیفیت نامعلوم ہوتی ہی، بزرگی اور عظمت انکو ڈھانپے ہوتی ہی اور ابہام انمین ایک مخفی قوت پیدا کر دیتا ہی گو یا وہ معبود [illegible] ہین جو آنکھون سے نظر نہین پڑتے اور نگاہون سے اس طرح غائب رہتے ہین کہ انکی ہیبت و جلال سے [illegible] مین تھرتھری پیدا ہوتی ہی،

لیکن چونکہ یہ ذہنی صورتین اور شکلین جو الفاظ سے ذہن مین [illegible] ہوتی ہین انکا وجود ان الفاظ کے معنون سے الگ اور بے تعلق ہوتا ہی، اس لئے اکثر ایسا ہوتا ہی کہ ایک لفظ جسکا [illegible] مختلف قومون مین جاری ہی، اس سے جو خیالی شکل مختلف قومون کے ذہنون مین پیدا ہوتی ہی، اسمین مرور ایام سے اختلاف ہو جاتا ہی، اور اس لفظ کا استعمال کرتے ہی اسکی مختلف خیالی شکلین ذہن کے اندر حاضر ہو جاتی ہین

لیکن سطور بالا مین یہ کلیہ جو بیان کیا گیا کہ نفوس جماعت پر صرف وہی الفاظ اثر کرتے ہین جنکے اندر ذہنی صورتون کے پیدا کرنے یا بالفاظ دیگر نفرت و رغبت کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی قوت مخفی ہوتی ہے، اور جنکے اشارہ پر قومین آمادۂ عمل ہو جاتی ہین، یہ کلیہ دراصل تمام الفاظ کیلئے عام نہین ہی، بلکہ بعض الفاظ ایسے بھی ہوتے ہین جنمین گو ان ذہنی صورتون کے پیدا کرنیکی قوت پہلے مخفی تھی، لیکن اب کثرت استعمال کے باعث انسے یہ قوت سلب ہو گئی اور اب وہ خالی آواز ہو کر رہگئے، جنکا فائدہ اب سوا اس کے کچھ نہین رہا کہ انکو استعمال کرتے وقت ہمین غور کرنے یا سوچنے کی زحمت نہین برداشت کرنا پڑتی، بلکہ اب ہم ان کی ہدایتون پر بلا تکلف عمل کرتے ہین، یہی بات ہے کہ بچپنے مین جو الفاظ بچون کو رٹا دیئے جاتے ہین، ان سے وہ گو اثر پذیر تو نہین ہوتے لیکن وہ ان الفاظ کی ہدایتون پر ہمیشہ کاربند ہوتے ہین،

اسی طرح اگر کسی زبان کی ماہرانہ واقفیت پیدا کیجائے تو پتہ چلیگا کہ اس زبان کے مختلف ادوار مین گو الفاظ کا بالائی تغیر تو بہت آہستہ آہستہ وقوع مین آیا ہی لیکن الفاظ کے معانی اور وہ ذہنی صورتین جو الفاظ سے پیدا ہوتی ہین ایک دور سے دوسرے دور مین آکر انکی بالکل قلب ماہیت ہو گئی ہی، یہان تک کہ اب دوسرے دور مین آکر کسی لفظ کے جو جدید معنی پیدا ہوئے ہین، وہ اس لفظ کے معنی متروک سے کوئی نسبت نہین رکھتے، یہی سبب ہے کہ میرا یہ خیال ہی کہ ایک زبان کا دوسری زبان مین پورا پورا ترجمہ کرنا بالکل محال ہی، خاصکر کسی ایسی زبان کا ترجمہ جو اب مردہ ہو گئی ہو، اب اسوقت اگر ہم یہ چاہین کہ یونانی یا لاطینی یا سنسکرت زبانون کے کسی لفظ کا ترجمہ اپنی فرانسیسی زبان مین کرلین تو گویا اسکا یہ مطلب ہوگا کہ ہم ان ذہنی اشکال اور صور کو جو ہماری اپنی روزانہ زندگی سے ماخوذ ہین مٹا کر انکی جگہ ان ذہنی اشکال وصور کو دے رہے ہین جنھین ہماری روزانہ زندگی سے کوئی نسبت نہین، انقلاب فرانس کے اہل حل و عقد نے

اس بات کی کوشش کی تھی کہ اپنی زبان مین یونانی اور رومی زبان کے چند الفاظ مستعار لیکر اپنی روزانہ زندگی کے نظام مین یونانیون اور رومیون کی تقلید کرین، لیکن انکا یہ فعل اس سے زیادہ کچھ نہ تھا، کہ وہ یونانی اور رومی زبانون کے ان قدیم اجنبی الفاظ کو اجنبی اور غیر مستعمل معنون مین استعمال کرنے لگے، گو الفاظ کی صورت یکسان سہی لیکن بھلا کہین ہمارے اور یونانیون کے نظامِ زندگی مین کوئی مشابہت ہوسکتی ہے؟ ایک لفظ جمہوریت ہی کو لو جمہوریت کا جو مفہوم ہمارے ذہن مین ہے اسکو اس مفہوم سے جو یونانیون کے ذہن مین تھا کونسا لگاؤ ہے؟ یونانیون مین اس لفظ کا جو مفہوم تھا وہ یہ تھا کہ چند استبداد پسند امرا جمع ہوجاتے اور اپنے زرخرید غلامون پر حکومت جتاتے، گویا اس جمہوریت کی حالت دیہاتی پنچایت کی ایسی ہوتی جسکا انحصار رسم غلامی پر تھا کہ اگر یہ رسم موقوف ہوجاتی تو اُس جمہوریت کا بھی خاتمہ ہوجاتا، دیکھو آجکل کی ترقی یافتہ جمہوریت اور قدیم یونانی جمہوریت مین زمین آسمان کا فرق ہے،

یا اسی طرح ایک دوسرا لفظ حریت ہے اس لفظ کے موجودہ معنی دیکھو اور اسکا مقابلہ اس معنی سے کرو جس معنی مین یہ لفظ قدیم زمانہ کی ناآشنائے حریت قومون مین استعمال کیا جاتا تھا قدیم زمانہ مین حریت کا دائرہ اس قدر محدود تھا کہ کسی کو ان عقائد مین جو عام طور پر اس زمانہ مین تسلیم کرلئے گئے تھے چون وچرا کرنیکی بالکل جرأت نہین ہوتی، اب اس کے مقابلہ مین موجودہ زمانہ مین حریت کو اس قدر وسعت دیدی گئی ہے کہ کوئی مسئلہ ایسا نہین رہا ہے جو کبھی زیر بحث نہ لایا گیا ہو۔ یا اسی طرح ایک لفظ مادر وطن ہے اس لفظ کے معنی بھی اب پہلے سے بہت مختلف ہوگئے ہین، یونان مین جب ایتھنز اور اسپارٹا کی جدا جدا حکومتین قائم تھین اور ان شہرون کے باشندے آپس مین لڑا جھگڑا کرتے تھے تو اس وقت ان کے درمیان کوئی ایسا عام رشتہ نہ تھا جو ان سب کو متحد کرتا، مختلف شہرون کے باشندے اپنے وطن کو

اپنا وطن سمجھتے تھے، ایتھنز والون کا دیس اور وطن ایتھنز تھا اور باشندگانِ اسپارٹا کا وطن اسپارٹا، غرض اِن مختلف شہرون کے باشندے باوجودیکہ جغرافیانہ حدود کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ہمسایہ تھے، لیکن انکے درمیان کوئی ایسا وسیع رابطۂ وطن نہ تھا جسمین وہ سب اپنے کو حصہ دار اور شریک سمجھتے، پھر اگر یونانیون سے قطع نظر کرکے خود ہمارے ملک کے قدیم باشندون کے حالات پر نظر دوڑاؤ تو یہان بھی ٹھیک یہی سمان نظر آئیگا قدیم زمانہ مین ملک گال کا ایک ایک ضلع علحدہ علحدہ ایک وطن تھا جسمین مختلف المذاہب، مختلف العقیدہ، اور مختلف اللسان قومین بستی تھین جو باہم ایک دوسرے سے سخت تنفر تھین، انمین نہ کوئی رابطۂ قومی تھا نہ کوئی جامعۂ دینی، اور نہ کوئی جامعۂ سیاسی، لیکن جب سیزر کے زمانہ مین رومیون نے ممالکِ گال کو فتح کیا اس وقت جامعۂ سیاسی اور جامعۂ وطنی کے برکات ان ممالک کو حاصل ہوئے،

غرض مختلف زبانون مین اس قسم کے بہت سے الفاظ موجود ہین جنکے معنون مین زمانہ کے تغیرات کیساتھ ساتھ بہت بڑا انقلاب ہوگیا ہی، اور اب ان کے قدیم معنون کا دریافت کرنا بھی خالی از دقت نہین ہی، بلکہ بہت سے وہ الفاظ جو ابتک اپنے قدیم معنی مین استعمال کئے جاتے ہین ان مین بھی اگر مرورِ ایام سے اختلاف و تغیر ہوگیا ہو تو کوئی تعجب نہین، مثلاً "بادشاہ" اور "شاہی خاندان" یہ الفاظ اگرچہ اپنے قدیم معنی مین استعمال کئے جاتے ہین، لیکن جس طرح اور دیگر الفاظ کے معنون مین انقلاب ہوا ہی، اسی طرح ممکن ہی کہ ان الفاظ کے معنون مین بھی کوئی تغیر ہوگیا ہو اور یہ الفاظ پہلے اور کسی معنی مین استعمال کئے جاتے ہون جو اب متروک ہوگئے ہون

پس ہمارے گذشتہ بیان سے جو اہم تفریع مستنبط ہوتی ہی وہ یہ ہی کہ چونکہ الفاظ کے استعمالات اور معانی محض وقتی ہوتے ہین، اور مرورِ ایام اور اختلافِ اقوام سے انکے معنون مین تغیر ہوجاتا ہی اسلیے اگر ہم جماعت کو اثر پذیر کرنا چاہین تو اس وقت ہمارا پہلا فرض یہ ہونا چاہیے کہ ہم الفاظ

ان معنون مین استعمال نہ کرین جو قدیم زمانہ مین مستعمل تھے، اور نہ الفاظ کا استعمال ان معنون مین کرین جنکو جماعت سے زیادہ عقلمند لوگ استعمال کرتے ہین، بلکہ صرف ان معنون مین الفاظ کا استعمال کرین جو اس قوم مین بروقت خطابت مروج و معروف ہون،

اسی بنا پر جب کسی ملک مین سیاسی ہیجان دور ہو کر سکون کی کیفیت پیدا ہو گئی ہو اور جماعت بعض الفاظ سے اظہار نفرت کرنے لگی ہو، تو اس وقت اس قوم کے سیاست دانون پر واجب ہو جاتا ہے کہ جلدی سے الفاظ کی ظاہری صورتون کو تبدیل کر دین، اور ان کے معانی یا بالفاظ دیگر ذہنی اشکال سے تعرض نہ کرین کیونکہ ان معانی اور ذہنی صورتون کا تعلق زیادہ تر قومون کے موروثی مزاج کے ساتھ ہوتا ہے جسمین تغیر کرنا کچھ کھیل نہین ہے، ٹاکویل نے جو ایک بہت بڑا نقاد گذرا ہے آج سے پیشتر کہا تھا کہ اس کے زمانہ مین فرانس مین قنصلون اور حکومت کا بڑا فرض یہ تھا کہ قدیم نظاماتِ حکومت و نظامِ معاشرت کے لئے ہر وقت جدید الفاظ فراہم کرتے رہین، یعنی قوم کے ذہن مین کسی لفظ سے جو ذہنی شکلین پیدا ہوتی ہین وہ جب قوم کو ناپسند ہونے لگتین، تو فرانس کے سیاست دان اس لفظ کے بجائے کسی جدید لفظ کا استعمال شروع کر دیتے، اسی غرض سے انھون نے شخصی ٹکسون کا نام "ٹکس جائداد منقولہ" رکھا تھا، اور چندون کو وہ غیر معین ٹکس کہا کرتے تھے،

پس قومون کے اہل سیاست کا سب سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ جب جماعت کے کانون کو کوئی لفظ ناگوار گذرنے لگے تو اس لفظ کی جگہ پر کسی دوسرے لفظ کو لا کر رکھدین جو جماعت کے نزدیک ناپسند نہ ہو، بات یہ ہے کہ نفوسِ جماعت پر الفاظ کا اتنا قوی اثر پڑتا ہے کہ بعض اوقات کسی ناپسندیدہ شے کو کسی معروف لفظ سے ظاہر کر دینا جماعت کی ناپسندیدگی کو دور کر دیتا ہے، اسی بنا پر موسیو ٹاکویل کا قول ہے کہ انقلابِ فرانس کے اہل حل و عقد نے الفاظ "حریت"

"مساوات"، کو جو اس زمانہ مین نہایت مقبول تھے، بار بار استعمال کرکے ایسی مستبدانہ حکومت قائم کر لی جو ڈاہومیا کے زیادہ مناسب حال تھی، اور احتساب کا ایک ایسا محکمہ ایجاد کیا جو مذہبی محکمۂ انکویزیشن سے مشابہت رکھتا تھا اور ایک ایسا فتنہ برپا کیا جیسا کبھی ملک کی تاریخ مین برپا ہوا تھا۔ پس اب اس بنا پر حکام سلطنت کی حالت و کلا اور بیرسٹرون سے ملتی جلتی ہی جنکا وظیفہ عمل الفاظ کا انتخاب اور انکو مناسب مواقع پر استعمال کرنا ہوتا ہی، لیکن اس وظیفۂ عمل کے انجام دینے مین وقت جو واقع ہوتی ہی وہ یہ ہے کہ گو ایک قوم کے تمام طبقے ایک ہی قسم کے الفاظ کا استعمال ہمیشہ کرتے ہین، لیکن باوجود اس کے ہر طبقہ کے افراد ان الفاظ سے جدا جدا معنی مراد لیتے ہین، اس لئے الفاظ کے انتخاب اور اظہار ناپسندیدگی کا کوئی خاص معیار نہین مقرر کیا جا سکتا۔

غرض امثلۂ بالا سے یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ زمانہ کے اثر سے الفاظ کے معنون مین کسقدر عظیم الشان تغیر ہو جاتا ہی، لیکن اکثر ایسا بھی ہوتا ہی کہ ایک ہی زمانہ مین مختلف اقوام مین جو الفاظ روزمرہ مستعمل ہوتے ہین قومی اختلاف کی بنا پر مختلف قومین ان الفاظ کے مختلف معنی مراد لیتی ہین جنکو ایک دوسرے سے کوئی نسبت نہین ہوتی ہی، البتہ جو الفاظ کے اس معنوی فرق کو وہ شخص بخوبی ادراک نہین کرسکتا جسنے دنیا کی مختلف قومون مین کبھی بود و باش اختیار نہین کی ہی، اس لئے مین یہان اس مسئلہ کو زیادہ طول دینا نہین چاہتا، ہان صرف یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہون کہ یہ معنوی فرق ان الفاظ مین زیادہ نظر آتا ہی جو نہایت کثرت سے دگر ان مین شایع ہوتے ہین، مثلاً موجودہ زمانہ مین الفاظ "ڈیمقراطی" "اشتراکیت" "جمہوریت" وغیرہ گو نہایت کثیر الاستعمال ہین لیکن محض قومی اختلاف کی بنا پر مختلف قومون مین ان الفاظ کا استعمال مختلف معنون مین ہوتا ہے۔

ایک لفظ جمہوریت کو لو جو یورپ کی مختلف قومون مین مستعمل ہی کیا اس لفظ کی تصویر ذہنی ایک اٹالین اور ایک انگریز دونون کے ذہنون مین یکسان پیدا ہوتی ہی؟ اور کیا اس لفظ کا جو مفہوم

ایک اٹالین اور ایک انگریز سمجھتا ہی، ان دونون مین کوئی فرق نہین ہوتا ہی لاطینی قومون کے نزدیک
تو جمہوریت کا مطلب یہ ہی کہ افراد کا ارادۂ ذاتی اور استقلال حکومت کے ارادہ اور استقلال کے
اندر فنا ہو جائے، افراد سوسائٹی کے تمام فرائض ترک کرکے محض حکومت کے دست نگر ہو جائین
کہ حکومت سوسائٹی کے منافع کی حفاظت کیلئے جو تدابیر چاہے اختیار کرے، بخلاف اسکے
ایک سکسین انگریز خصوصاً ایک امریکن لفظ جمہوریت سے جو مفہوم سمجھتا ہی وہ یہ ہوتا ہی کہ بجائے
حکومت کے افراد سوسائٹی کے فرائض و واجبات انجام دین اور افراد کا استقلال ذاتی حکومت کے
استقلال پر غالب رہے حکومت افراد کی مرضی کے تابع ہو نہ یہ کہ افراد حکومت کی مرضی کے
تابع ہون، حاصل یہ کہ ایک لفظ جمہوریت جو مختلف قومون مین کثیر الاستعمال ہی کہین تو یہ
لفظ افراد کے استقلال ذاتی کو مٹا کر حکومت کا پایہ بلند کر دیتا ہی، اور کہین حکومت کے ارادہ کو
افراد کے ارادہ مین جذب کرکے افراد کے استقلال ذاتی کو اور قوی کر دیتا ہی،

(۲)

اوہام کا اثر

دنیا پر جب سے آفتاب تمدن نور افگن ہوا ہے، اسوقت سے ابتک جماعت ہمیشہ اوہام ہی کے
آگے سرنگون رہی ہی، اور موجدین اوہام ہی کے لئے اس نے مختلف زمانون مین طرح طرح کے
بت، ہیاکل اور معابد، تعمیر کئے ہین، دنیا کا ہر وہ تمدن جو کبھی روے زمین پر آب و تاب سے جلوہ گر
ہوا اُس کے آگے آگے ہمیشہ اوہام کی خیالی مشعلین رہنمائی کرتی جاتی تھین، اوہام و تخیلات ہی
کی بنیاد پر کالڈیا اور قدیم مصر کے تمدنون کی عمارت تعمیر کی گئی، ان ہی کی بنیاد پر قرون وسطیٰ
مین مساجد اور گرجے تعمیر کئے گئے، اور ان ہی اوہام کی بدولت سو برس پیشتر بر اعظم یورپ
زیر و زبر کر دیا گیا، صرف یہی نہین بلکہ اوہام کا طوق محکومیت ہر فنی، سیاسی، اور اجتماعی،

تحقیق اور انکشاف کی گردن مین بھی نظر آتا ہے، اور گو بعض اوقات انسان اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ ان اوہام کی بنیادون کو متزلزل کر دے جو اس پر غلبہ کیے ہوئے ہین لیکن جسوقت وہ اس ارادہ کو عملی جامہ پہناتا ہے تو اس کو انقلاب اور شورش کے مصائب بھی جھیلنا پڑتے ہین اور گو وہ کبھی اپنے مقصد مین کامیاب بھی ہوجاتا ہے لیکن ان اوہام کی بنیاد کو متزلزل کرتے ہی وہ پھر دوسری مصیبت مین گھر جاتا ہے یعنی اسیر اب دوسرے اوہام مستولی ہوجاتے ہین غرض اوہام کے قیود سے انسان کو کبھی رہائی نہین مل سکتی حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان اوہام کا پابند نہ ہوتا تو شاید اپنے قدیم توحش سے وہ کبھی نجات نہ پاسکتا اور ہمیشہ وہ وحشت اور بربریت کی بیشمار وادیون مین بھٹکتا پھرتا، اوہام خیالات باطلہ ہی سہی لیکن ان ہی کا صدقہ ہے کہ قومین علوم وفنون مین ہر جدید سے جدید تحقیق کے دریافت کرنے کی کوشش کرتی ہین اور تہذیب و تمدن مین ہر نفیس سے نفیس شے اختراع کرتی ہین،

داینال لوزیار کہتا ہے کہ:-

"عجائب خانون اور لائبریریون مین جو کچھ انسان کا فراہم کردہ سرمایہ جمع ہے اسکو جلادو، اور تمام بڑے بڑے آثار جو فنون اور ادیان کے نمونہائے صنعت ہین، ان کو ایک ایک کرکے توڑ ڈالو، تو انسان کے تخیل کی بنائی ہوئی کونسی چیز باقی رہیگی؟ لیکن قومون کے نامور رہنما اور جادو بیان شعرا نفوس کے اندر آتش امید پھر نئے سرے سے مشتعل کر دینگے انسان امید کے بغیر زندہ نہین رہ سکتا، لیکن علم جو امید کے اس مصالح کو فراہم نہین کرسکتا، علم نے پچاس برس تک اس امانت کو اپنے پاس محفوظ رکھنا چاہا لیکن علم انسان کو آیندہ کے متعلق خیالی امیدین دلانے مین ناکام رہا، کیونکہ اس کو فریب دینا جھوٹ بولنا نہین آتا تھا"

دکھیو گذشتہ صدی مین فلاسفہ نے اپنے زمانہ کے تمام دینی، سیاسی، اور اجتماعی اوہام
وتخیلات کو جو صدیون سے ہمارے اجداد کے دستور العمل رہتے چلے آرہے تھے، مٹا دینا چاہا لیکن
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے مقصد مین کامیاب ہو گئے تو انھون نے امید ورجا کے دروازن
کو بند کر دیا اور خیال کے مٹ جانے کے بعد اب مردہ فطری قوتون کی حکومت تمام دنیا پر
قائم ہو گئی، جو نہ ضعیفون پر شفقت کرتی ہین اور نہ بیکسون پر ترس کھاتی ہین، اور گو ان قدیم
اوہام کو مٹانے کے بعد فلسفہ بہت تیزی سے ترقی کرنے لگا، لیکن اپنی ترقی کے باوجود وہ
جماعت کے لئے ایسے خیالات فراہم نہ کر سکا جو اسکی کلفتون کو دور کرتے اور ناامیدی اور بیکسی کے
عالم مین خوشنما امیدون کا سبز باغ دکھلاتے، جماعت کی مثال تو رینگنے والے کیڑے کی
ایسی ہی کہ جہان اسکو روشنی دکھائی دی وہین وہ دوڑ گیا، اس کے لئے تو امید کی مشعل ہونا چاہئے
جو اسکی رہبری کرے، پس اب جماعت نے جب یہ دیکھا کہ فلسفہ اسکے خیالی آرام وسکون کے
اسباب فراہم نہین کرتا تو وہ فلسفہ سے ناامید ہو کر تاجرانِ بلاغت کی دوکانون پر جو اپنے خطیبانہ
انداز مین اس نادر اور کمیاب گوہر بیش بہا کو فروخت کرتے پھرتے تھے، عاجزی کے ساتھ
بھیک مانگنے دوڑی گئی، اور چونکہ قومین حقیقت کو چھوڑ کر ملمع کے پیچھے ہمیشہ سرگردان رہتی
ہین اسلئے ان جادو بیان خطیبون کا منتر جماعت پر چل گیا اور اب وہ انکی زر خرید کنیز
بن گئی، زمانۂ حال مین اشتراکیت کا اثر جو ترقی کر رہا ہی اگر اس کے اسباب دریافت
کرو تو پہلی نگاہ اس تخیل پر پڑیگی جو مذہبِ اشتراکیت کا روحِ رواں ہی اور جسکی حقیقت کو
اگرچہ علم نے کھول کر رکھدیا ہی، لیکن باوجود اسکے اس مذہب کا جادو لوگون کو مسحور ضرور
کر لیتا ہی، بات یہ ہی کہ یہ مذہب اس وجہ سے اور زیادہ ترقی کر رہا ہی کہ اس مذہب کے
داعی حقائقِ اشیاء سے ناواقف ہین، اور اپنی ناواقفیت کی بدولت لوگون کو یہ امید

دلاتے ہین کہ اپنی زندگی مین وہ ابدی سعادت سے بہرہ اندوز ہوسکتے ہین، حالانکہ یہ فریب ہی
اور انسان کو کبھی اس حیات فانی مین ابدی سعادت نصیب ہی نہین ہوسکتی، لیکن اس
وہم نے لوگون کے ذہنون مین کچھ اس قدر رسوخ پیدا کرلیا ہی کہ اب اس نے ان قدیم اوہام
کی جگہ حاصل کرلی ہی جو زمانۂ قدیم مین ہمارے اجداد کے دستور العمل تھے،
حاصل یہ ہی کہ جماعتین اپنے دور حیات مین کبھی تشنۂ حقیقت نہین ہوتین، بلکہ ان پر ہمیشہ
ان اوہام کا غلبہ ہوتا ہی جو ان کے مضطرب قلبون کیلئے سامانِ امید فراہم کرتے ہین،

(۳)

تجارب کا اثر،

صفحاتِ بالا مین ہم وضاحت کر چکے ہین کہ قومین اپنے آبائی اور موروثی اوہام وخیالات
کی کس درجہ پابند ہوتی ہین اور یہ اوہام وخیالات اسقدر مستحکم ہوتے ہین کہ ان کو اپنی جگہ سے ہلانے
مین اکثر ناکامیابی ہوتی ہی لیکن اوہام کا یہ اثر وغلبہ صرف اسی وقت تک رہتا ہے جبتک
واقعات وتجارب کی بدولت انکی بنیادین متزلزل نہوجائین، اوہام کی یہ مضبوط چٹانین
جو عملِ توارث کی بدولت صدیون مین استحکام حاصل کرتی ہین، واقعات وتجارب کا سیلاب
ہی صدیون مین انکو کاٹ سکتا ہی اور انسان کے ذہنون کے اندر آبا و اجداد کا متروکہ سرمایہ
قدیم اوہام کی صورت مین جو بند محفوظ رہتا ہی، اسکو چشم زدن مین اگر کوئی چیز جلاکر خاک سیاہ
کرسکتی ہی تو وہ واقعات وتجارب کی آتش عالم سوز ہی، غرض وہ عظیم الضرر اوہام جو ذہن
انسانی مین مستحکم ہوگئے ہین رفتار واقعات کی بدولت انکا استحکام خاک مین ملجاتا ہی، انکی
مضرتین کھلجاتی ہین، اور صدیون کا بنا بنایا کھیل دم کے دم مین بگڑ جاتا ہی،

لیکن یہ تجارب جو اوہام کے استحکام کو نقصان پہونچاتے ہین انکے اثر و فعل کرنیکے لئے بھی دو باتون کی ضرورت ہوتی ہے،

(۱) تجارب جس قدر زیادہ عمومیت لئے ہوئے ہونگے اسی قدر زیادہ وہ اوہام کے اثر کو مٹا سکینگے،

(۲) تجارب بار بار وقوع پذیر ہون تاکہ خوب اچھی طرح وہ اوہام کے اثر کو مٹا سکین،

ان دو شرطون مین سے دوسری شرط نہایت اہم ہی اور اوہام کے مٹنے کیلئے واقعات کے مکرر وقوع پذیر ہونے کی اس قدر ضرورت ہوتی ہی کہ بسا اوقات ایک صدی کے واقعات دوسری صدی کے لوگون کے لئے بالکل سرمایۂ عبرت نہین ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ تاریخی واقعات سے کسی بات پر استدلال کرنا بالکل بیکار ہوتا ہی، گذشتہ زمانہ کے تاریخی واقعات کی اگر کوئی قدر و قیمت ہماری نگاہ مین ہوسکتی ہی، تو وہ یہ ہی، کہ ان سے صرف یہ معلوم ہوسکتا ہی کہ تجارب کے مؤثر اور کارگر ہونے اور نفوس جماعت مین جو اوہام راسخ ہو گئے ہین ان کے مٹانے کیلئے تجارب کے بار بار وقوع پذیر ہونیکی کسقدر ضرورت ہوتی ہی،

موجودہ صدی اور اس کے پیشتر کی صدی مین ایسے ایسے ہولناک واقعات کا ظہور ہوا ہی جنکی کوئی دوسری نظیر صفحاتِ تاریخ مین نہین مل سکتی اور شاید کسی زمانہ مین ایسے ہولناک واقعات کا ظہور نہوا ہوگا، اس لئے مؤرخین ضرور ان ہولناک واقعات کا بار بار تذکرہ کرینگے اور یہ دو صدیان ہمیشہ انسان کی تاریخ مین اس بات کیلئے یادگار رہینگی کہ انسان کے سیاسی اور اجتماعی حالات مین جن واقعات نے انقلاب کر دیا ان کا ظہور ان ہی دو صدیون مین ہوا ہی،

ان عجیب تر واقعات مین سے، جو گذشتہ صدی مین گذر چکے ہین، ایک واقعہ انقلاب فرانس کا ہی، اس واقعہ مین محض اس بات کا تجربہ حاصل کرنے کی غرض سے کہ کوئی قوم

صرف عقلی اصول کی پابندی کرکے نئے سرے سے زندہ کی جا سکتی ہو یا نہین، ہمکو مسلسل بیس
سال تک تمام ممالکِ یورپ مین انقلاب اور شورش کی آتش سوزان کو مشتعل کئے رہنا
پڑا جسمین سیکڑون بیگناہون کا خون ہوگیا، پھر اس کے بعد پچاس برس کی مدت مین دو مکرر
تجربون کے ذریعہ سے ہمکو یہ بات معلوم ہوئی کہ شاہانِ وقت جن قومون کو بلندی پر لیجانا
چاہتے ہین ان پر وہ سخت مشقتون کا بار ڈالدیتے ہین اور باوجودیکہ یہ دونون تجربے اپنے
مقاصد مین کامیاب رہے، لیکن معلوم ہوتا ہو کہ شاید طمانیت اور سکون پیدا کرنے کے لئے
ناکافی ثابت ہوئے، ان مین سے پہلا تجربہ تو وہ تھا جسمین سیکڑون جانون کے نقصان
کے ساتھ اجنبی حملہ کے مصائب بھی ہمکو برداشت کرنا پڑے اور دوسرے تجربہ مین ہمارے
ملک کا ایک حصہ بھی ہم سے جدا ہوگیا اور ایک باقاعدہ اور دوامی لشکر جرار کے رکھنے
کی ضرورت محسوس کی گئی اور تیسرے تجربہ کا عنقریب ظہور ہونے والا ہے، حاصل
یہ کہ جس آخری جنگ نے ہماری فراہم کردہ دولت کو برباد کر ڈالا اسکی اہمیت اسوجہ سے اور
زیادہ بڑھگئی ہو کہ فرانسیسیون کا یہ اعتقاد جو جرمن افواج کی بابت ان لوگون سے قائم تھا کہ اسکی
حیثیت جیش ملی (نیشنل گارڈ) سے زیادہ نہین اسکی اچھی طرح قلعی کھولدی گئی[۱]

---

[۱] اس مسئلہ کے متعلق ہمارے ملک کی رائے عام جن واقعات پر مبنی تھی انکی حقیقت سے لوگ بہت کم پورا واقف تھے
بات یہ تھی کہ ان دنون ہمارا جیش ملی (نیشنل گارڈ) معمولی اہل حرفت پیشہ اشخاص سے مرکب تھا جو فوجی نظام اور ڈسپلن سے
ناآشنائے محض تھے، اس بنا پر لوگون کے ذہن میں یہ خیال راسخ تھا کہ جرمنی کا جیش ملی بھی اسی قسم کا ہوگا،
اور چونکہ اس قسم کی فوج کے خیال سے انکو خوف بھی کچھ نہ تھا، اس لئے جماعت کو اپنے اس غلط خیال پر اصرار تھا،
موسیو تھیرس نے ۳۱ دسمبر ۱۸۶۷ء کو پارلیمنٹ مین جو اسپیچ دی تھی اسکا ایک جملہ موسیو اولیفیہ نے اپنی ایک جدید الطبع کتاب مین
نقل کیا ہے، موسیو تھیرس گو اپنے زمانہ کا بہت بڑا سیاست دان تھا تاہم رائے عام کا اسقدر پابند تھا کہ کہتا ہے کہ "جرمنی
کے پاس باقاعدہ فوج کے علاوہ جسکی تعداد ہماری افواج کی تعداد کے مساوی ہے صرف ایک قومی گارڈ ہے جیسا
کبھی ہمارے پاس بھی تھا اور جسکو کوئی اہمیت حاصل نہین"، موسیو تھیرس کے اس خیال کی وہی وقعت ہوسکتی ہے
جو اس کے اس خیال کی ہوئی یعنی جو اس نے ریلوے کی بابت ظاہر کیا تھا، (مؤلف)

اسی طرح جو قومین وطنی تجارت کی اس غرض سے حامی ہین کہ اجنبی تجارت کا دروازہ مسدود کردیا جائے انکے سامنے ہم اگر دلائل و براہین پیش کرنا چاہین تو ان تمام ناخوشگوار واقعات کو دہرانا پڑیگا جو بیس سال کی مدت مین ہماری تجارت کے خلاف وقوع مین آئے ہین۔

(۴)

عقلی استدلال کا اثر

اگر ہمین یہان یہ بتانا نہوتا کہ نفوس جماعت عقلی استدلال سے بالکل اثر پذیر نہین ہوتے تو شاید جماعت کے مؤثرات قریبہ کے ضمن مین اس بحث کا لانا ہی بیکار ہوتا،

ہم اس سے قبل بھی متعدد مقامات پر بیان کرچکے ہین کہ براہین وادلہ سے جماعت مطلقاً اثر پذیر نہین ہوتی بلکہ جماعت پر اگر کسی عقلی استدلال کا اثر ہوتا بھی ہی تو صرف اس استدلال کا جو اشیاء کی سطحی مماثلت پر مبنی ہوتا ہی اور جسکی منطقی نگاہ مین کوئی وقعت نہین ہوتی، اور اسی بنا پر جو خطیب جماعت کو متاثر اور مسحور کرنا جانتا ہی وہ کبھی کسی امر کے متعلق جماعت کی عقل سے فتوی نہین مانگتا بلکہ ہمیشہ وہ جماعت کے شعور سے فیصلہ طلب کرتا ہی[1]،

---

[1] جماعت پر اثر ڈالنے کے ذریعہ مین قواعد منطقی اور اصول استدلال کو جو ضعف حاصل ہی اسکی ایک بین مثال محاصرہ پیرس کے زمانہ مین خود میرے مشاہدہ سے گذری ہی مینے ایک روز کچھ لوگون کو دیکھا کہ وہ ایک فوجی کمانڈر کو جسے لوور کیجانب [illegible] حکومت تک پہنچانے لے جا رہے تھے، لوگ جو اس کے گرد تھے غصہ مین بھرے ہوئے تھے، اور اس کمانڈر کا جرم بتاتے تھے کہ یہ بھی جرمنون کو [illegible] ایک قلعہ کا فوٹو لے رہا تھا، یہ لوگ محل کے دروازے پر ہو پہنچے کہ اتنے مین دروازہ کے اندر سے حکومت کا ایک ممبر نکلا جو بلند آواز خطیب بھی تھا اور اسنے لوگون کو شور وغل مچاتے دیکھکر اصل واقعہ دریافت کیا، مین اس خیال مین تھا کہ شاید وہ اس فوجی افسر پر سے الزام دفع کرنیکے لئے اس مجمع کو یہ تسلی بخش جواب دیگا کہ یہ جرم درحقیقت اس شخص کا نہین ہی بلکہ یہ جرم فوٹوگرافرون کی ایک جماعت کا ہی جنھون نے اس قلعہ کے فوٹو لئے جو شہر کے ہر دوکاندار کے پاس موجود ہین لیکن مجھے سخت حیرت ہوئی جب مینے اسکو یہ کہتے سنا کہ "اچھا اس شخص سے بازپرس کیجائیگی اور حکومت اس معاملہ کی تحقیقات کرکے اس شخص کو سزا دیگی" اسکا یہ کہنا تھا کہ شورش دفع ہوگئی اور مجمع متفرق ہوگیا لیکن اسکے بعد مین نے دیکھا کہ ایک یا دو گھنٹہ کے بعد وہ مجرم بھی محل سے لیکر اپنے گھر صحیح وسالم واپس گیا اس واقعہ مین اگر خطیب مجمع کے سامنے دلائل منطقیہ پیش کرتا تو شاید وہ خود بھی اس مجمع کے سامنے سے جانبر نہ ہوسکتا،

(مؤلف)

جماعت کو کسی حقیقت کے سمجھانے اور کسی امر کے متعلق مطمئن کرنیکے لئے خطیب کو اپنے خطبہ مین جن باتون کے ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ حسب ذیل ہین:-

(۱) خطیب کو ان خاص خاص احساسات، جذبات، اور اعتقادات کا علم حاصل کرنا چاہیئے جنمین جماعت کے شعور کو بیدار کرنیکی قوت موجود ہو،

(۲) پھر ترتیب بیان مین خطیب کو اس بات کا لحاظ بھی رکھنا ضروری ہے کہ حتی الامکان وہ اپنے مافی الضمیر کو ایسی سادہ مثالون اور تشبیہات کے ذریعہ سے ادا کرے جو کسی واقعہ یا کسی شئے کا ایک مؤثر نقشہ آنکھون کے سامنے کھینچ دین،

(۳) پھر خطیب کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خطبہ دیتے وقت ہر لحمہ یہ اندازہ کرتا رہے کہ اس کے کلام کا سامعین پر کیا اثر پڑا تاکہ ضرورت کے وقت وہ برمحل فوراً اپنے کلام مین تغیر کر سکے،

خطبہ دیتے وقت نفوس سامعین مین جو اثر پیدا ہوتا ہے اور جسکی بنا پر اکثر خطیب کو اپنے کلام مین تغیر کرنا پڑتا ہے، اس سے ہمین اس بات کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ قبل سے تیار کیا ہوا خطبہ سامعین پر کیون اثر نہین کرتا؟ کیونکہ اس صورت مین خطیب کو سامعین کی حالت نظر انداز کرکے اپنے فراہم کردہ افکار وخیالات کا پابند ہوجانا پڑتا ہے اور اسی لئے سامعین ان افکار وخیالات سے بالکل اثر پذیر نہین ہوتے لیکن منطقیین جو پرزور دلائل منطقیہ سے کسی امر کے ثابت کرنے کے عادی ہو گئے ہین، ان سے جماعت کو مخاطب کرتے نہین بنتا کیونکہ وہ ہمیشہ خطابت کے مذکورۂ بالا اصول کو نظر انداز کرکے اپنے دعوون کو منطقی دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہین جو جماعت کیلئے بالکل بیکار ہوتے ہین اور جن سے جماعت ذرہ برابر اثر پذیر نہین ہوتی، اور اسی بنا پر منطقیین کو تعجب ہوتا ہے جب وہ یہ دیکھتے ہین کہ انکے پرزور دلائل جماعت کو اثر پذیر کرنے مین بالکل قاصر ہین منطقیین کا یہ دعوی ہے،

کہ وہ اپنے دعوے کے ثبوت مین جس قسم کے دلائل پیش کرتے ہین انکا فیصلہ اس قدر ناطق اور بدیہی ہوتا ہو کہ اگر بیجان مادہ کو بولنے اور بات چیت کرنے کی قدرت ہوتی تو وہ بھی ان دلائل کی قوت کو تسلیم کر لیتا، انکا یہ قول بیشک صحیح ہو، لیکن مشکل یہ ہو کہ مادہ اور جماعت دونون اس بات مین یکسان ہین کہ منطقی دلائل کا تسلیم کرنا تو کجا وہ ان دلائل کو سننا بھی گوارا نہین کرتے، جسے ہماری بات کا یقین نہ آتا ہو وہ کسی وحشی انسان یا کسی بچہ کے سامنے منطقی استدلال پیش کرکے دیکھ لے معلوم ہو جائیگا کہ وہ اپنے اس طرز سے جماعت کے ساکت کرنے مین کس قدر قاصر ہو،

اچھا اسکو جانے دو، ایک وحشی کے سامنے شعور و احساس کے مقابلہ مین عقلی دلائل کو پیش کرکے تجربہ کرنے کی ضرورت نہین، ہمارے دعوے کے ثابت کرنیکے لئے یہی بات کیا کچھ کم ہے کہ ایک عرصہ تک وہ مذہبی اوہام و خیالات جو عقلی اصول کے خلاف تھے دنیا کی عقلون پر مسلط رہے، اور تقریباً دو ہزار سال کی مدت تک دنیا کی روشن عقلین ان ہی خیالات کے زیر فرمان رہین یہان تک کہ کہین اس صدی مین آکر انکی صحت و عدم صحت کے متعلق بحث و تحقیق کا دروازہ کھولا گیا، قرون وسطی اور نہضت جدیدہ کے ابتدائی دور مین گو روشنخیال لوگ بکثرت موجود تھے لیکن باوجود اس کے کسی عقلی دلیل کی بناپر انکے ذہن مین کبھی یہ خیال نہین گذرا کہ ان کے زمانہ کے مذہبی اوہام و خیالات بالکل غلط ہین، اور جادوگرون کے جلائے جانے اور شیطان کے بہکانے وغیرہ کے متعلق ان لوگون نے زبان تک نہ ہلائی اسکی وجہ یہی تھی کہ جماعت اپنی بے عقلی کی بدولت جن اوہام و خیالات کے زیر فرمان تھی انکے غلبہ کی بناپر خود ان روشنخیال لوگون کو انکی بابت کوئی شک و شبہہ پیدا ہی نہین ہوتا تھا، لیکن اب سوال یہ ہو کہ جماعت عقلی اصول کی پیروی جو نہین کرتی تو کیا اس سے تو ہونگی

عام ترقی مین کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی ہو؟

اس سوال کے جواب مین مجھے صرف یہ کہدینا کافی معلوم ہوتا ہو کہ قومون نے آج تک جن احساسات ومشاعر کے ماتحت رہکر عظیم الشان ترقیان حاصل کی ہین، وہ جادۂ عقل سے کتنے ہٹے ہوئے ہین، لیکن باوجود اس کے قومون کے عظیم الشان انقلابات اور تغیرات مین ان ہی احساسات ومشاعر کو ہمیشہ دخل رہا ہو، بلکہ میرا خیال یہ ہو کہ اگر انسانی تمدن کی بنا ان احساسات ومشاعر پر نہ ہوتی تو شاید انسان کو یہ عظیم الشان ترقیان کبھی نصیب نہوتین،

حقیقت یہ ہو کہ ہر قوم اپنی عقلی سطح کی تہ مین چند قوانین مضمر رکھتی ہو جو اس کے انجام او مآل کار کا فیصلہ کرتے ہین اور قوم ایک بیشعوری کی حالت مین ان ہی نوامیس اور قوانین کے زیر فرمان ہوتی ہو، البتہ ان مخفی قوانین اور پوشیدہ قوتون کے متعلق ہمارا علم بہت کمزور ہوتا ہو اور ان مخفی رازون کے انکشاف کا یہ طریقہ نہین کہ ہم کسی قوم کے تاریخی ادوار مین ایک ایک جزئی واقعہ کے اسباب وعلل کی جستجو کرین، بلکہ جبتک اس قوم کے تاریخی دور پر ایک عام نظر دوڑا کر بڑے بڑے انقلابات اور عظیم الشان تاریخی حوادث کے اسباب وعلل کو دریافت نہ کیا جائے اس وقت تک ان مخفی قوتون کا پتہ نہین لگتا جو قومون کی تاریخ مین جدید باب کا اضافہ کرتی ہین،

کیا یہ عقل مین آنے کی بات ہو کہ ایک جاہل زرگر گلیلو نامی تاریخ مین اتنی عظیم الشان شہرت حاصل کرتا ہو کہ اس کے نام پر دنیا مین تمدن کا سنگ بنیاد رکھا جاتا ہو، پھر کیا یہ کسی کے اندیشہ مین گذر سکتا تھا کہ عرب کے خانہ بدوش وحشی اپنے بے برگ وگیاہ صحراؤن سے یکبارگی امنڈ امنڈ کر نکلین گے اور یونانیون اور رومیون کی دریافت کردہ دنیائے قدیم کے ایک وسیع حصہ مین ایسی زبردست حکومت قائم کرین گے جو ہیبت وشوکت مین سکندر کی

حکومت سے بھی بڑھکر ہو گی، پھر بالآخر یہ کس کو گمان تھا کہ ایک حقیر سپاہی یوروپ مین پیدا ہو گا اور ایک باقاعدہ چھوٹی سی فوج لیکر دنیا کی زبردست قوتون پر فتوحات حاصل کر کے تاریخ مین ایک زرین یادگار چھوڑ جائیگا،

ہان بس عقل کو حکماء اور فلاسفہ کے لئے چھوڑ دو، وہ اپنے حجرون کے اندر بیٹھے بیٹھے خاموشی کے ساتھ خیالی تُک بندیان کیا کرین اور ان سے قومون کے معاملات مین مداخلت کی درخواست مت کرو، کیونکہ اکثر اوقات علی رغم عقل انسان کی ذہنی دنیا مین ان احساسات ومشاعر کا زور ہوتا ہے، جو باوجودیکہ اصول عقلی کے سخت خلاف ہوتے ہین مگر تمام تمدنون اور تہذیبون کا سنگ بنیاد ہمیشہ ان ہی مشاعر و احساسات پر رکھا جاتا ہے، مثلاً انکارِ لذات، ایمان بالدین، حب مجد، حب وطن، وغیرہ وغیرہ،

فصل سوم

قائدینِ جماعت (یعنی لیڈرون) کے خصائص،

(۱) قائدینِ جماعت، جماعت کو فطری طور پر ایک لیڈر کی احتیاج ہوتی ہی، لیڈرون کے نفسانی خصائص، لیڈر یہ جماعت کے لئے ایک دستور العمل تجویز کرتے اور جماعت مین باقاعدگی پیدا کرتے ہین، یہ بحث کہ لیڈرون کو مطلق العنان ہونا ضروری ہے، لیڈرون کے اقسام، یہ بحث کہ لیڈروں کے لیے پختہ عزم اور مستقل ارادہ کی کیون ضرورت ہوتی ہی،

(۲) لیڈرون کے وسائلِ عمل، تاکید، تکرار، اور تعدیۂ اثر کے ذریعہ سے لیڈر کس طرح جماعت کو متاثر کرتے ہین، جماعت پر ان مؤثرات کا درجہ بدرجہ کیا اثر ہوتا ہے، یہ بحث کہ قوم کے ادنی طبقہ سے اعلی طبقہ کی جانب تعدیۂ اثر کس طرح وقوع پذیر ہوتا ہی، یہ بحث کہ قوم کے تمام طبقون مین کسی جدید خیال کی اشاعت کس طرح ہوتی ہی،

(۳) نفوذ، نفوذ کی تعریف اور اس کے مختلف اقسام کی تشریح، نفوذ مکتسب اور نفوذ فطری کی تشریح، ان دونون کی مختلف مثالین، یہ بحث کہ قائم شدہ نفوذ کا زوال کس طرح ہوتا ہے،

گذشتہ ابواب مین نہایت تفصیل کے ساتھ معلوم ہو چکا کہ جماعتون کی نفسانی ترکیب کن عناصر سے ہوتی ہی نیز وہ کون سے عوامل و مؤثرات ہین جو نفوسِ جماعت پر اثر کرتے ہین اور جن کے اثر سے جماعت کے قوائے عقلی مین حرکت پیدا ہو جاتی ہی اب صفحاتِ ذیل مین

ہم یہ بیان کرین گے کہ عون عوامل و مؤثرات سے کام لینے کے کیا کیا طریقے ہین اور کون لوگ ان وسائل کو استعمال کر سکتے ہین،

(۱)

قائدینِ جماعت کے خصائص

یہ ایک قانونِ فطرت ہے کہ جب حیوانات کے بعض افراد ایک جگہ مجتمع ہوتے ہین تو حالتِ اجتماع مین انکو ایک رئیس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا پڑتی ہے،

لیکن (جیسا کہ صفحاتِ بالا مین گذر چکا ہے) انسانی جماعتین محض چند افرادِ انسانی کے اجتماع ہی سے عبارت نہین ہین بلکہ انسانی جماعتین حیوانی جماعتون کے خلاف اپنے بعض نفسانی خصوصیات بھی رکھتی ہین جنکا ظہور انسانون کے خیالات و افعال مین صرف اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ حالتِ اجتماع مین آجاتے ہین، اُس وقت افرادِ انسانی ہمہ تن تقلید ہوتے ہین اور بہت جلد متاثر ہو جاتے ہین، اب ان مین قوت فاعلی کی جگہ پر قوت انفعالی کا غلبہ ہوتا ہے اور اب وہ اپنے اعمال و افعال سے یہ ظاہر کرنے لگتے ہین کہ گویا ان پر مسمریزم کا عمل کر دیا گیا ہے اور جو حکم ان کو دیا جاتا ہے اسکی تعمیل کے لیے وہ ہمہ تن تیار ہو جاتے ہین، غرض حالتِ اجتماع مین آکر افراد مین تمام وہ خصائص پیدا ہو جاتے ہین جو ان کو ہمہ تن کسی ارفع ذات کی محکومیت قبول کرنے پر مجبور کر دیتے ہین، یہی ارفع ذات جو جماعت پر حکومت کرتی ہے اس جماعت کی قائد، رئیس، ہادی، اور لیڈر کہلاتی ہے، یہ قائد اور لیڈر جماعت مین انتظام پیدا کرتا ہے، جماعت کے افعال کی مطلق العنانی کے ساتھ نگرانی کرتا ہے، اور جماعت کے قوائے عمل سے حسب موقع و محل اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتا ہے کام لیتا ہے، گویا جماعت اس کے ہاتھ مین ایک بے جان

کیطرح ہوتی ہو کہ یہ قائد اسے جدھر چاہتا ہے پھیرتا ہے،

لیکن لیڈر کے لئے جو بات سب سے پہلے ضروری ہوتی ہو وہ یہ ہو کہ قبل اس کے کہ قیادت کی مسند پر وہ اپنے لئے جگہ حاصل کرے کچھ دنون وہ جماعت کے دیگرافراد کی طرح مقتدیون اور مقلدون کی صف مین رہکر دوسرے لیڈرون کی فرمانبرداری کرچکا ہو، یا جس خیال کیجانب اب وہ لوگون کو بلارہا ہو وہ خود اس خیال کو اپنے ذہن و دماغ پر اس طرح مسلط کرچکا ہو کہ اب اس کے دماغ مین بجز اس ایک خیال کے جسکی وہ اشاعت کررہا ہو کوئی اور خیال باقی نہ رہا ہو، اور اس خیال کے خلاف جتنے خیالات ہین وہ سب اس کو باطل اور وہم نظر آنے لگے ہون، جبتک قائد اس رتبہ کو حاصل نہین کرلیتا ہے اسوقت تک اسمین قیادت کی صلاحیت اور اہلیت نہین پیدا ہوتی ہے، روسبیر نے جو انقلاب فرانس کا بانی تھا اپنے خیالات کی اشاعت جب شروع کی ہے تو اس سے پہلے، وہ خود اپنے تئین روسو کے خیالات مین بالکل محو کرچکا تھا،

لیکن اپنے تئین کسی خیال مین محو کردینے کا مطلب یہ نہین ہوتا کہ قائد غور و فکر کے ذریعہ سے اپنے خیال مین پختگی پیدا کرے کیونکہ قائد کے لئے جس بات کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے وہ غور و فکر کی عادت نہین بلکہ عمل کی عادت ہے اور اگر قائد بجائے عمل کے غور و فکر کی عادت ڈالے تو اسکے ذہن مین شکوک پیدا ہونے لگین، اس کے ارادہ مین تزلزل و رخنہ پیدا کردے، اور اس کا جوش سرد پڑجائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قائد اپنے اس خیال مین جسکی وہ اشاعت کررہا ہے، اس قدر پختہ ہوگیا ہو کہ باوجود موانع اور مصائب کے حائل ہونے کے وہ ہر وقت اپنے خیال کی اشاعت اور اپنے مقصد کی دعوت مین سرگرم رہے، دنیا کا خوف، حکومت کا ڈر، جان و مال کی محبت، اعزا و اقربا کی ملامت،

عرض دنیا کی کسی مصیبت کا خیال اس کو اپنے مقصد کی دعوت سے کسی وقت باز نہ رکھ سکے،
حاصل یہ ہے کہ قائد کے لئے کچھ یہ ضروری نہین کہ ذہن و ذکاوت مین کوئی اس کا ہمسر نہو،
بلکہ قائد کے لئے جس بات کی ضرورت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کا عزم اس قدر پختہ ہو کہ کوئی
طاقت اس کے ارادہ کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے، اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ قائدین جماعت عموماً
ایسے افراد سے نکلتے ہین جنکے اعصاب مریض اور جنکے قوائے عقلی مختل اور قریب بجنون ہوتے
ہین، اعصاب کی بیجسی انکے جذبات کو مردہ کردیتی ہے اور قوائے عقلی کا اختلال انکو غور و فکر
کی اجازت نہین دیتا، اور اسی وجہ سے انکا اعتقاد اس قدر پختہ ہوتا ہے کہ کوئی دلیل نہ انکے
خیال کو باطل کرسکتی ہے اور نہ کوئی حجت انکے خیال کو پلٹ سکتی ہے، تحقیر و تذلیل سے اثر پذیر
ہونا تو درکنار، یہ باتین اپنے خیال مین اور ان کو پختہ اور مضبوط کردیتی ہین، اپنے خیال کی دھن
مین انکو نہ اپنی جان کی پروا رہتی ہے، نہ خاندان اور مال کی، اور نہ وہ اپنی ان
خدمتون کے صلہ مین قوم سے کوئی اجر طلب کرتے ہین، بلکہ اُلٹے وہ اپنے تئین قوم پر
سے نثار کردیتے ہین، اور ان کی قوتِ اعتقادی ان کے الفاظ مین حیرت انگیز
اثر اور رعب پیدا کردیتی ہے،

لیڈرون کے یہ اوصاف جنکا اوپر تذکرہ کیا گیا اس قدر کمیاب اور نادر ہوتے ہین
کہ گو تاریخ دعوی کرتی ہے کہ عموماً ہر قوم مین کسی نہ کسی وقت کوئی نہ کوئی قائد ضرور پیدا ہوا ہے
لیکن نظرِ انصاف سے دیکھو تو بہت کم قائد ایسے نکلین گے جو واقع مین قیادت کی اہلیت
رکھتے ہون، بلکہ اس کے خلاف قائدین کی فہرست مین تھین ایسے لوگ بھی نظر پڑین گے
جو اپنے مؤثرانہ خطبون اور اسپیچون کے ذریعہ سے لوگون کو مسحور کرتے تھے، اور اس کے
بعد اپنے ذاتی اغراض لوگون کو دھوکہ دے دے کر حاصل کرنا چاہتے تھے،

اور گو انکا نفوذ ان تدبیرون سے بڑھ جایا کرتا تھا، مطلع کہان تک اصلی حقیقت کو چھپا سکتا ہے کسی نہ کسی وقت ان کو ناکامی ہوتی تھی، ہان البتہ وہ لوگ جو نفوسِ جماعت پر قابو پا کر جماعت کی تحریک کے باعث ہوئے ہین مثلاً سینٹ پطرس، لوتھر، سافونارول اور قائدینِ انقلابِ فرانس، یہ لوگ بھی نفوسِ جماعت کو اپنی جانب مائل کرنے مین اسوقت تک کامیاب نہوئے تاوقتیکہ انھون نے اپنے اپنے خیالات مین پختگی اور اپنے ارادہ مین استحکام نہ پیدا کرلیا، لیکن جب ایک مرتبہ ان کو کامیابی حاصل ہوگئی تو پھر انھون نے نفوسِ جماعت مین وہ زبردست اعتقاد پیدا کردیا جس کے باعث انسان اپنے خیال کا غلام بن جاتا ہے،

پس قائدینِ جماعت کا وظیفۂ عمل صرف یہ ہوتا ہی کہ وہ نفوس انسانی مین اعتقاد اور قوتِ ایمان پیدا کردیتے ہین، اور یہی بات ہی کہ قائدین کا اثر اپنی جماعتون پر نہایت قوی ہوتا ہے، کیونکہ قوتِ ایمان ایک ایسی قوت ہی کہ جس شخص مین پیدا ہوجاتی ہی، اس کی قوت مین دس گنا اضافہ ہوجاتا ہی، انجیل مین بہت صحیح آیا ہی کہ قوت ایمانی پہاڑون کو اپنی جگہ سے ہلاسکتی ہی، جو لوگ انقلابات تاریخی کے باعث ہوئے ہین، وہ چند مسکین اور ایماندار لوگ تھے جنکی قوتِ ایمانی نہایت مضبوط و مستحکم تھی، یہ فلاسفہ کے بس کی بات نہین کہ کسی ایسے مذہب کی ایجاد کرین جو لوگون کے قلوب پر غلبہ حاصل کرے، یا ایسی بڑی بڑی حکومتون کی بنا ڈالین جو دنیا کے اس کنارہ سے اس کنارہ تک پھیلی ہوئی ہون،

لیکن یہ اوصاف جنکا اوپر تذکرہ کیا گیا صرف قومون کے ان بڑے بڑے لیڈرون اور رہنمایون مین پایے جاتے ہین جو شاذونادر کبھی کبھی پردۂ وجود پر ظاہر ہوتے ہین لیکن انکے بعد پھر ایسے لوگون کا سلسلہ شروع ہوتا ہی جو کسی قہوہ خانے مین کھڑے ہوکر چند

ایسے جملون کی تکرار شروع کردیتے ہین جنکے معنون سے وہ خود اگرچہ واقف نہین ہوتے لیکن اتنا جانتے ہین کہ اگر ان الفاظ اور جملون کے مطابق عمل کیا گیا تو ان کی تمام امیدین پوری ہوجائینگی،

انسان کی حالت یہ ہے کہ جب وہ جماعت مین شامل ہوتا ہی تو اسے کسی نہ کسی لیڈر کی اطاعت کرنا پڑتی ہی کیونکہ جماعت مین اکثر افراد اس قابل نہین رہتے کہ اپنے پیشہ یا کاروبار کے علاوہ کسی اور مسئلہ مین اتنی مستقل رائے قائم کرین، بلکہ طبقۂ عوام کے افراد کی حالت تو یہ ہوتی ہے، کہ جہان انھون نے اپنے پیشہ یا کاروبار سے فرصت پائی بس تمام افکار و خیالات انکے دماغ سے نکل گئے، اور اب وہ اپنے لیڈر کے قبضہ مین ہین، وہ انکو جدھر چاہتا ہی گھماتا ہی اور یہ اسکی اطاعت کرتے ہین، لیکن کبھی لیڈرون کے قائم مقام روزانہ اخبارات اور رسائل ہوا کرتے ہین جو روزمفید خیالات اور پر اثر جملون سے اپنے ناظرین کی ضیافتِ طبع کرتے اور راے عام کی قیادت کا فرض انجام دیتے ہین،

لیکن قائد کے اثر و نفوذ کے لئے ایک یہ شرط بھی لازمی ہی کہ قائد مطلق العنان اور مجسمۂ استبداد ہو اور اس کی قوت و غلبہ کے سامنے جماعت سپر انداز ہوجائے، اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ کاروباری اور مزدوری پیشہ طبقہ بعض ایسے لیڈرون کے زیر فرمان ہوتا ہے جن مین گو کوئی خاص بات نہین ہوتی لیکن انکا استبداد اور انکا غلبہ لوگون کو اس طرح مقہور کرلیتا ہے کہ یہ لیڈر اپنے ہم پیشہ طبقہ کے اوقاتِ عمل کی تحدید کرتے ہین، مناسب شرحِ اجرت مقرر کرتے ہین، اسٹرائک اور شورشین برپا کراتے ہین اور پھر ان شورشون کو خود ہی فرو بھی کرادیتے ہین،

زمانۂ حال مین جب سے لوگون کو حکومتون کی کارروائیون مین نکتہ چینی کرنیکی

اجازت دیدی گئی ہے اسوقت سے اس قسم کی شورش برپا کرنے والے لیڈر جو اپنی اپنی جماعتون مین ممتاز [illegible]ب اثر ہوتے ہین اس قدر فرعون بے سامان ہو گئے ہین کہ جماعتین اب حکومت سے زیادہ ان لیڈرون سے ڈرتی اور حکومت سے زیادہ انکی اطاعت اور فرمانبرداری کرتی ہین، یہان تک کہ اگر کسی اتفاقی حادثہ کے باعث کسی اسٹرائک کرنیوالی جماعت کا رئیس و قائد جماعت کی نظرون سے غائب ہوجاتا ہے تو جماعت فوراً پراگندہ اور منتشر ہوجاتی ہے، کیونکہ اب اس جماعت کا وہ قائد ہی نہین رہا جو تمام تحریکات کا بانی تھا، پیرس مین ابھی کچھ عرصہ ہوا ایک کمپنی کے مزدورون نے اسٹرائک برپا کی، اس تحریک کے سرغنہ دو شخص تھے جب وہ دونون گرفتار کرلئے گئے تو اسٹرائک کا بھی خاتمہ ہو گیا، اس سے معلوم ہوا کہ نفوسِ جماعت مین جس قسم کے شعور کے پیدا کرنیکی ضرورت ہوتی ہے وہ حریت اور آزادی کا حس نہین، بلکہ اطاعت اور فرمان برداری کا شعور ہے، اور جماعت فطری طور پر ہر اس شخص کی فرمان برداری کے لئے تیار رہتی ہے جو اپنا اثر جماعت پر قائم کرلیتا ہے،

لیکن قائدینِ جماعت کی ہمیشہ دو ممتاز قسمین ہوتی ہین :-

(۱) ایک قسم کے قائد وہ ہوتے ہین جنکا ارادہ گو مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے، لیکن جن کے ارادہ کی پختگی عارضی اور وقتی ہوتی ہے، یہ درجہ دوم کے قائدین جو اکثر قومون مین ظاہر ہوتے ہین، یہ قائد خود بھی شجاع اور بہادر ہوتے ہین، اور بزدلون کو بھی شجاع بنادیتے ہین، فرانس مین نائی، اور موراٹ ایسے ہی لوگ گذرے ہین، اور ہمارے زمانہ مین گریبالڈی کس پایہ کا شجاع اور صاحب عزم ہوا ہے کہ ایک تھوڑی سی جماعت کو ساتھ لیکر اسنے نیپلز کے صوبہ کو فتح کرلیا، حالانکہ اس کے مقابلہ پر جو فوج تھی وہ تعداد اور خوش ترتیبی مین گریبالڈی کی فوج سے بدرجہا فائق تھی،

لیکن باوجودیکہ اس قسم کے قائدین کا عزم نہایت پختہ اور مضبوط ہوتا ہے، تاہم ان کے مضبوط ارادون مین اکثر اس وقت تزلزل واقع ہوجاتا ہے جب ان کا وہ مقصد جسکی خاطر انھوں نے اپنی زندگی کو وقف کردیا تھا حاصل ہو گیا ہو، بلکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ جب ان لیڈرون نے اپنی اصلی حالت کی جانب عود کیا ہے تو وہ بالکل کمزور اور ضعیف الارادہ پائے گئے ہین، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے قائدین اس وقت تک اپنے فرائض منصبی نہین ادا کرسکتے تاوقتیکہ ان کے اوپر بھی خود کوئی خاص خیال یا کوئی خاص طاقت مسلط نہ کردی گئی ہو

(۲) ان قائدین کے مقابل مین ایک دوسرا گروہ اور ہے جنکا ارادہ درجۂ دوم کے قائدین کی طرح وقتی اور تغیر پذیر نہین ہوتا، بلکہ یہ قائدین اپنی مضبوط قوتِ ارادی کے بل پر عظیم الشان سلطنتون اور قوی الاثر مذاہب کی بناڈالتے ہین جنکا اثر و غلبہ اِن قوّاد کے مرنے کے بعد بھی مدتون قائم رہتا ہے، سینٹ پال[۱]، محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کرسٹاف کولمبس، ڈولیسپیر اپنے اپنے زمانہ مین اسی طرح کے لوگ ہوئے ہین، اس قسم کے قوّاد کی حالت یہ ہوتی ہے کہ خواہ ذہن و ذکاوت مین اپنے زمانہ کے لوگون سے وہ کتنے ہی گرے ہوے ہون، لیکن دنیا ہمیشہ ان کے قبضہ مین رہتی ہے، کیونکہ مضبوط عزم ایک ایسا ملکہ ہے جو اگرچہ نادر الوجود ہے تاہم جس شخص مین پیدا ہوجاتا ہے، تمام دنیا اسکے قدمون پر گر پڑتی ہے، البتہ چونکہ لوگ اس بات سے واقف نہین ہوتے کہ اس مضبوط عزم کے پردے مین کونسی طاقت پوشیدہ ہوتی ہے، اس لئے وہ اِن قائدین کے کارنامے دیکھ دیکھ کر حیرت مین پڑجاتے ہین،

---

[۱] سینٹ پال، کولمبس، ڈولسپس، گو اپنے زمانہ مین کتنے ہی نامور ہوے ہون، لیکن ہم مسلمانون کے عقیدہ مین کبھی اِن نامورون کو وہ رتبہ حاصل نہین ہوسکتا جو پیغمبرِ اسلام اور دیگر پیغمبرانِ مذاہب کو حاصل ہے، (مترجم)

مضبوط ارادہ اور پختہ عزم کی اگر کوئی تازہ ترین مثال تلاش کرنا چاہو تو اس نامور شخص کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرو جسنے اپنی ہمت اور ارادہ سے ایسا کام کر دکھایا جس کے آگے بڑے بڑے بادشاہون کی ہمتین پست ہو گئی تھین مضبوط عزم اور پختہ ارادہ کی بدولت بعض اوقات جن خوارقِ عادت کا ظہور ہوتا ہے اُنکی ایک تازہ ترین مثال برِ اعظم ایشیا اور برِ اعظم افریقہ کے درمیان نہر سویز کے جاری کرنے کا واقعہ ہے، اس واقعہ کی تفصیل مین ڈاکٹر کرالیس کی زبانی ناظرین کو سناتا ہون، ڈاکٹر کرالیس شروع سے آخر تک اس واقعہ مین شریک رہا ہے، اسکی زبان سے واقعات کی اصلی حقیقت کا خوب انکشاف ہو سکے گا، وہ لکھتا ہے :-

"ڈولسیس کبھی کبھی مجھ سے افتتاحِ نہر سویز کے واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کیا کرتا تھا، اس نے مجھ سے یہ تمام واقعات بیان کئے کہ اس نے اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے مین کتنی مصیبتین برداشت کین، کیونکر اس نے محال کو ممکن کر دکھایا، اور کیونکر اس نے اس ناامیدی کا مقابلہ کیا جو کبھی کبھی اس پر مستولی ہو جاتی تھی، وہ بیان کرتا تھا کہ اس تجویز کے خلاف انگلستان سے اکثر صدائین بلند ہوا کرتی تھین، فرانس اور مصر بالکل الگ اور خاموش تھے، مگر مصر کا فرانسیسی مشیرِ مال سب سے زیادہ اس تحریک کا مخالف تھا، یہان تک کہ جب اس نے دیکھا کہ مزدور اس کا کہنا نہین مانتے تو اس نے پانی بند کر دیا، اور اس طرح اس نے مزدورون کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ کام کرنے سے انکار کر دین، ان تمام مخالفانہ صداؤن اور شور و غل کے علاوہ فرانسیسی وزیرِ جنگ اور تمام انجنیرون اور تمام باخبر اور اہلِ علم لوگون کو یقین تھا، کہ ناکامی لازمی

اور حتمی ہے، یہان تک کہ ناکامی کے متعلق اکثر پیشین گوئیان بھی کی گئین، لیکن آخر کار دنیا نے دیکھ لیا کہ جس تجویز کے متعلق تمام دنیا نے ناممکن ہونے کا فیصلہ کر دیا تھا، اس کو عملی جامہ کس طرح پہنایا گیا،

غرض مختصر یہ کہ صفحاتِ تاریخ مین درجۂ اول کے قائدین کی فہرست اگر تلاش کیجائے اور ان قائدین کے اسماء ڈھونڈھے جائین جنکا عزم وارادہ غیر متزلزل و محکم ہو اہی تو شاید قائدین کی فہرست مین اس قسم کے اسماء تو کم نکلین گے، لیکن اِن کمیاب اور نادر الظہور افراد کا وصف امتیازی جو صفحاتِ تاریخ مین نمایان رہا ہے یہ ہی کہ اِن قوّاد نے ہمیشہ ادوارِ تاریخ مین ایک نیا انقلاب پیدا کر دیا ہے،

(۲)
لیڈرون کے وسائلِ تاثیر و عمل

قائدینِ جماعت، جنکے خصائص کا اوپر تذکرہ گزر چکا، نفوسِ جماعت مین جن تدابیر اور ذرایع سے تحریک و اثر پیدا کرتے ہین، انہین سے ایک ذریعہ تمثیل بیانی ہے، جسکا مطلب یہ ہے کہ قائدین ہمیشہ اپنے اس خیال یا اس مقصد کو جسکی وہ اشاعت کر رہے ہین یا جس کے حاصل کرنے کے لیے وہ قوم کو آمادہ کر رہے ہین کچھ اس طرح مبالغہ کا رنگ چڑھا کر خطیبانہ اور مؤثرانہ انداز مین جماعت کے سامنے پیش کرتے ہین کہ جماعت صرف انکے بیان کو سنکر فوراً آمادۂ عمل ہو جاتی ہے، لیکن عموماً یہ سب تدبیرین صرف اسی وقت کارگر ہوتی ہین جب پہلے سے مؤثرات بعیدہ نے نفوسِ جماعت مین اثر پذیری کی صلاحیت پیدا کر دی ہو، نیز قائد جو جماعت کو مخاطب کر رہا ہے صاحبِ نفوذ بھی ہو،

لیکن بعض اوقات قائدین کی غرض یہ نہین معلوم ہوتی کہ نفوسِ جماعت مین کوئی تحریک پیدا کیجائے یا جماعت کو کسی کام کے لئے آمادہ کیا جائے، بلکہ بعض وقات لیڈرون کی صرف یہ غرض ہوتی ہو کہ کسی خاص عقیدہ یا خاص خیال کی جو لیڈر کے ذہن مین پیدا ہوا ہے) جماعت مین بھی اشاعت کیجائے اسوقت عموماً قائدین ذریعہ بالا کے علاوہ بعض دوسرے ذرائع بھی استعمال کرتے ہین اور وہ ذرائع حسب ذیل ہین :-

(۱) تاکید - یعنی کسی بات کو ادّعا و تحکم کے ساتھ ادا کرنا،

(۲) تکرار - یعنی ایک ہی خیال کی بار بار تکرار کرنا،

(۳) تعدیۂ اثر - یعنی اس بات کی کوشش کرنا کہ جو اثر کسی ایک فردِ جماعت پر ہوا ہے، اس سے سارا مجمع متاثر ہو جائے،

مدعیانہ و متحکمانہ اندازِ بیان جو شک و تذبذب کے الفاظ اور عقلی دلائل و براہین سے بالکل پاک وصاف ہو، جماعت پر بہت جلد اس کا گہرا اثر ہوتا ہو اور متکلم جن خیالات کا اظہار اس انداز مین کرتا ہو سامعین اثر پذیر ہو کر فوراً ان خیالات کو تسلیم کر لیتے ہین، متکلم اپنے خیالات کے اظہار مین شک و تذبذب اور عقلی دلائل و براہین سے جسقدر زیادہ گریز کریگا، اسی قدر اس کے کلام کا سامعین پر زیادہ اثر پڑیگا، مدعیانہ اندازِ بیان کی یہی شدتِ تاثیر ہے جس سے دنیا کے بڑے بڑے بانیانِ مذاہب اور بڑے بڑے سیاست دان ہمیشہ واقف ہوتے ہین اور یہی وجہ ہے کہ مذہبی کتابون اور قانونی تعزیرات مین اسی طرز ادا کا ہمیشہ خیال رکھا جاتا ہو اسی طرح اہل سیاست جب قوم کو کسی بات کے لئے برانگیختہ کرنا چاہتے ہین یا صنعت پیشہ لوگ جب اپنی صنعت کو رواج دینا چاہتے ہین تو اسی مدعیانہ اندازِ بیان کے ذریعہ سے اپنی غرض حاصل کرتے ہین،

لیکن ادّعا و تحکم کی قوت بھی نامکمل اور ادھوری رہتی ہو، تاوقتیکہ اسے ایک دوسری طاقت

تقویت نہ پہونچائی جائے، جسکا نام تکرار ہے، میرا خیال ہے کہ شاید نپولین کا یہ مقولہ ہے "کہ خطابیات کے اسلحہ خانہ مین سب سے زیادہ کارگر حربہ تکرار ہے" تکرار کی قوت اس قدر زبردست ہے کہ کوئی شے تنہا اس کا مقابلہ نہین کرسکتی، لیکن تکرار کے لئے صرف یہی بات کافی نہین ہوتی کہ مختلف الفاظ اور مختلف اسالیب سے متکلم ایک ہی دعوی کی بار بار تکرار کرتا رہے، بلکہ تکرار معنوی کیساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جہان تک ممکن ہو ایک مفہوم کو ایک ہی عبارت سے بار بار دوہرا تے رہنا چاہئے، تجربہ بتاتا ہے کہ معمولی سے معمولی بیانات جو اپنے اندر ادعا و تحکم کی کوئی خاص قوت نہین رکھتے اگر ایک ہی عبارت سے انکی بار بار تکرار کیجاتی ہے تو بالآخر دل مین وہ گھر پیدا ہی کر لیتے ہین،

تکرار کا جماعتون پر جس قدر گہرا اثر ہوتا ہے اسکا اندازہ صرف اسی ایک بات سے ہوسکتا ہے کہ بڑے بڑے ذی عقل و فہم افراد بھی اس سے متاثر ہوتے ہین، پھر یہ ظاہر ہے کہ جماعت جو عقلی اور ذہنی خصوصیات مین افراد سے گری ہوئی ہوتی ہے، اس پر کہانتک تکرار کا اثر نہ ہوگا تکرار کی اس عظیم الشان طاقت کا راز یہ ہے کہ مکرر بیانات رفتہ رفتہ ہمارے نفوس کے ان غیر شعوری حصون کے اندر پیوست ہوجاتے ہین جو ہمارے محرکاتِ افعال کا اصل منبع ہوتے ہین، پھر کچھ عرصہ کے بعد ہم یہ بھول جاتے ہین کہ ان بیانات اور اطلاعات کا اول ماخذ کیا تھا، لیکن ان سے ہمارے نفس مین یقین کی کیفیت جو پیدا ہوگئی تھی وہ قائم رہجاتی ہے، اشتہارات کی زبردست تاثیر کا باعث بھی یہی ہے، فرض کرو کہ ہماری نظر سے سینکڑون ہزارون مرتبہ یہ اشتہار گذرا کہ زید کی دوکان کی مٹھائیان نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہین، یہ اشتہار دیکھکر ہمارے ذہن کو رفتہ رفتہ اس دعوے کا یقین تو ہوجائیگا، مگر ہم یہ بھول جائین گے کہ یہ یقین پیدا کس ذریعہ سے ہوا ہے، یا فرض کرو کہ ہمنے صدہا مرتبہ یہ اعلان پڑھا ہے کہ عمرو کی دوائین تیر بہدف اور نہایت مجرب اور زود اثر ہوتی ہین، تو اب جب ہم خود کسی مرض مین مبتلا ہونگے تو ہمکو طبعًا یہ خواہش

پیدا ہو گی کہ کم از کم انکی آزمایش ہی کرین، یا اگر ہم کسی اخبار مین ہر روز پڑھتے رہین کہ الف ایک دیانتدار اور پڑھا لکھا شخص ہے اور ب ایک بدمعاش اور جاہل ہے، تو ہمین اس بیان پر پورا اعتماد و وثوق ہو جاتا ہے، اور یہ خیال اس وقت تک ہمارے دل سے نہین نکلتا تاوقتیکہ ہماری نظر سے اس بیان کی تردید کہین نہین گذرتی، غرض مختصر یہ کہ ادعا و تکرار ایسی زبردست طاقتین ہین جو خود ہی اپنا جواب ہو سکتی ہین،

پھر جب تحکمانہ انداز بیان کیساتھ کسی مفہوم کی لفظی و معنوی تکرار کرنے سے کوئی خیال نفوس جماعت مین پیوست ہو جاتا ہے، تو یہان سے اب ایک دوسرے مؤثر یعنی سریانِ تاثیر کا عمل شروع ہوتا ہے، سریانِ تاثیر کے اثرات اس قدر واضح ہین کہ کسی تصریح کی حاجت نہین اصل مین سریانِ تاثیر دوسرے لفظون مین نام ہے محاکات و اثرپذیری کا، اور محاکات اور اثرپذیری کی قابلیت حیوانات کی ہر صنف کے خمیر مین داخل ہے، اور انسان سے اتر کر حیوانات مین بھی یہ قابلیت اور استعداد موجود ہے، دیکھو اگر گلہ کی ایک بکری گلہ سے نکلنے کی کوشش کرتی ہے تو پورے گلہ کی بکریان اسکی تقلید کرتی ہین، اسی طرح انسان کی زندگی کا بھی ایک ایک لمحہ اثرپذیری و محاکات کے نذر ہوتا ہے اور حیوانات کی طرح انسان کی زندگی کا بھی دار و مدار محاکات و تقلید ہی پر ہے ہم اگر کسی وقت انگڑائی لیتے ہین تو ہمین دیکھکر ہمارے سامنے بیٹھا ہوا شخص بھی انگڑائی لینے لگتا ہے، ہم اگر روتے ہین تو ہمین دیکھکر ہمارے ہمنشین احباب کی آنکھون سے بھی آنسو نکل پڑتے ہین، پھر جس طرح ہماری زندگی کے جسمانی شعبون پر محاکات و تقلید کا اثر غالب ہے اسی طرح ہماری حیات نفسی کی بھی تکوین محاکات و تقلید ہی کے مظاہر سے ہوتی ہے خصوصاً ہمارے نفس اجتماعی کی تو یہ ایک خصوصیت ہے کہ خیالات، جذبات، اعتقادات، اور احساسات و مشاعر مین سے ہر ایک اگر کسی جماعت کے بعض افراد کی تہییج و تحریک کا باعث

ہوتا ہے تو اس اثر سے جماعت کے کل افراد ایک دم متاثر ہو جاتے ہین، اگر جماعت مین سے کسی ایک شخص کو کسی بات سے خوف پیدا ہوتا ہے، تو یہ خوف جماعت کے تمام افراد کے دلون مین پیدا ہو جاتا ہے، یہان تک کہ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ چند مجانین جن اطبا کے زیر علاج تھے، وہ اطبا ان مریضون کے اثر سے خود مرض جنون مین مبتلا ہو گئے، اسی طرح بعض اطبا نے ایک قسم کے جنون کی تحقیق کی ہے جس کا اثر انسان سے حیوانات کے جانب متعدی ہوتا ہے،

لیکن سریان کے لئے یہ کچھ ضروری نہین ہے کہ بہت سے افراد ایک جگہ اکٹھا ہون، بلکہ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ایسا واقعہ جس کا تعلق مختلف ممالک کے باشندون سے ہوتا ہے، اسکے اثر سے ان مختلف ممالک کے باشندے ایک ہی وقت مین یکسان متاثر ہوتے ہین، اور خصوصاً یہ اثر اس وقت ان مختلف ممالک کے باشندون پر زیادہ ہوتا ہے جب یہ تمام باشندے ان مختلف عوامل بعیدہ کی تاثیرات کے تحت مین (جنکا ذکر اوپر گذر چکا ہے) اس واقعہ سے اثر پذیر ہونیکے لئے پہلے سے مستعد ہوتے ہین، ۱۸۴۸ء مین جو شورش برپا ہوئی تھی اسکی ابتدا تو اگرچہ پیرس سے ہوئی لیکن، تھوڑے عرصہ کے اندر تمام یورپ مین اس کے شعلے بھڑک اٹھے،

سریان تاثیر، تقلید و محاکات کا ایک شعبہ ہے، اور تقلید و محاکات ہی کے مظاہر سے ہماری معاشرتی اور اجتماعی زندگی کی تکوین ہوتی ہے، بلکہ ہماری معاشرتی زندگی تمامتر موقوف ہے محاکات و تقلید پر، اس لئے نفس اجتماعی کی یہ خصوصیت اسکے تمام خصوصیات پر حاوی رہتی ہے اور نظام اجتماعی کی کوئی کل بغیر محاکات و تقلید کے کبھی درست نہین رہ سکتی، مین نے انسان کی اس فطری خصوصیت پر تفصیل کے ساتھ اپنی دوسری کتاب مین بحث کی ہے، اس موقع پر اس کے چند اقتباسات امید ہے کہ ناظرین کے لئے مفید ہون گے :-

"حیوانات کی طرح انسان بھی بالطبع تقلید پسند واقع ہوا ہے، تقلید ضروریات"

انسانی مین داخل ہے، اور یہی ضرورت ہے جس کی بنا پر لوگ نہ صرف خیالات مین نہ صرف ادنی قابلیتون کی نمایش کے موقع پر اور نہ صرف اپنی اپنی ذاتی رایون مین، بلکہ اپنے لباس، اپنے ضروریاتِ زندگی، اور اپنے طرزِ بود و باش مین بھی ایک دوسرے کی تقلید کرتے ہین، کوئی مدلل دعوے، کوئی قیاسی یا استقرائی نتیجہ، انسان کو کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی رغبت دلانے مین اتنا کامیاب نہین ہوسکتا، جتنا ایک زندہ نمونہ کامیاب ہوتا ہے، اور اگرچہ ہر زمانہ مین کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہین، جو نئی باتین ایجاد کرتے ہین، اور کسی کی تقلید نہین کرتے، لیکن اگر ان کی یہ ایجاد عام طبائع کے موافق نہین ہوتی تو انکی ایجاد کسی کو اپنی جانب مائل نہین کرسکتی ہے، یہی سبب ہے کہ جو لوگ اپنے ابنائے عصر سے عقلی اور ذہنی خصوصیتون مین برتر اور فایق ہوتے ہین، گو وہ کسی کی تقلید نہین کرتے، لیکن ان کا اثر بھی کسی پر نہین پڑتا، اور پھر یہی وجہ ہے کہ یورپ کے باشندے تہذیب و تمدن مین گو مشرقی باشندون سے فائق ہوتے ہین، لیکن مشرقی باشندہ ایک مغربی باشندے سے بہت کم اثر پذیر ہوتا ہے،

غرض ماضی کی تاثیرات، اور زمانۂ حال کی نقالی، ان دونون کا دوہرا اثر ایک ملک بلکہ ایک زمانہ کے تمام آدمیون پر اتنا گہرا ہوتا ہے کہ گو دنیا کے فلسفی اور عقلمند لوگ ہمیشہ اس بلائے عام، محاکات و تقلید کے اثر سے بچنے کی کوشش کرتے ہین، لیکن باوجود اس کے انکے طرزِ فکر

اور رفتارِ خیالات سے انکی تصنیفات کے ہر دیکھنے والے کو اول نظر مین
یہ پتہ چل جاتا ہے کہ یہ مصنف کس زمانہ کا ہے؟ اس کا کیا پیشہ تھا؟ اسکے
کیا خیالات تھے؟ غرض یہ اثر اتنا قوی ہوتا ہے کہ فلاسفہ کے تصنیفات
مین بھی اس کا اثر بہت نمایان اور کھلا ہوا ہوتا ہے[1]،

پھر انسان کی اس جبلت محاکات و تقلید کا اثر صرف اسی حد تک محدود نہین ہوتا کہ
لوگ محض خیالات و عقائد مین ایک دوسرے کی نقل کرتے اور ایک دوسرے سے اثر پذیر
ہوتے ہون بلکہ خیالات اور عقائد کے حدود سے گذر کر اسکا اثر لوگون کے جذبات پر بھی پڑتا ہے
لوگ اپنے جذبات مین بھی ایک دوسرے کی اسی قدر نقل اتارتے ہین جتنی خیالات و عقائد مین اور
یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اگر کسی شے سے کسی ایک فرد کو نفرت پیدا ہوتی ہے تو اسکے دیکھا دیکھی
ایک زمانہ اس سے نفرت کا اظہار کرنے لگتا ہے، یا اسی طرح جب کسی شی کیجانب کسی ایک شخص کو
رغبت پیدا ہوتی ہے تو اس کے دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اسکی تقلید مین اس شی کو عزیز رکھنے لگتے ہین،

سریانِ تاثیر، محاکات، و تقلید کے اثرات انسان کی معاشرتی حیات پر اس قدر حاوی
ہین کہ کسی خیال اور کسی راے کی اشاعت بجز اس کے کسی اور طرح ہو بھی نہین سکتی کہ اس خیال
کی بار بار تکرار کر کے ہر ہر فرد جماعت کے ذہن مین اس کو خوب پیوست کر دیا جائے، ہر زمانہ مین جب
کسی خیال کی اشاعت ہوئی ہے تو اسیطرح کہ قہوہ خانون اور گپ خانون مین جہان ہر طبقے
لوگون کا مجمع ہوتا ہے، وہ خیال پھیلنا شروع ہوا اور اسکے بعد رفتہ رفتہ اسکا دائرۂ اشاعت
وسیع ہوتا گیا، رینان نے جو انیسوین صدی کا ایک مشہور فرنچ مصنف گذرا ہے کیا خوب کہا ہے کہ مذہب
عیسائیت کی اشاعت کی ابتدا گنجانون اور شراب خانون سے ہوئی ہے،، والٹر کہتا ہے کہ تقریباً ایک صدی تک

[1] دیکھو کتاب "انسان اور ہئیت اجتماعی" جلد دوم صفحہ ۱۱۷ مصنفہ لیبان مطبوعہ ۱۸۹۱ء،

مسیحیت کی اشاعت صرف طبقۂ ادنیٰ تک محدود تھی،

پس گذشتہ بیانات سے معلوم ہوا کہ سریانِ تاثیر اور محاکات و تقلید کا اثر سب سے پہلے قومون کے طبقۂ ادنیٰ مین ظاہر ہوتا ہے، اور جب ان تاثیرات کی بدولت طبقۂ ادنیٰ کے ذہن مین اس خیال کی اچھی طرح اشاعت ہوجاتی ہے، تو اسوقت یہ اثر ترقی کر کے طبقۂ ادنیٰ سے قوم کے طبقۂ اعلیٰ تک جا پہونچتا ہے، زمانۂ حال مین مذہب اشتراکیت کی اشاعت بھی اسیطرح ہورہی ہے کہ سب سے پہلے ان خیالات نے ان لوگون کو اپنے اثر سے متاثر کیا جو مزدوری پیشہ تھے، اور جنکا شمار قومون کے ادنیٰ طبقہ مین ہوتا تھا، اسکے بعد پھر جب ان لوگون مین اس مذہب کی اچھی طرح اشاعت ہوچکی تو اس وقت اسکا اثر متعدی ہوکر قومون کے دوسرے طبقون تک بھی پہونچ گیا،

یہی بات ہے کہ جب کوئی خیال طبقۂ ادنیٰ مین اشاعت پذیر ہوجاتا ہے تو اسکا اثر قوم کے اعلیٰ طبقہ تک بھی ضرور پہونچتا ہے، پس یہ ایک تعجب انگیز اور حیرتناک واقعہ ہے کہ عموماً جن خیالات کی قومون مین اشاعت ہوتی ہے انکی تخم ریزی فلسفیانہ رنگ مین سب سے پہلے قوم کے اعلیٰ طبقہ کے دماغون مین ہوتی ہے، اور ایک مدت تک یہ تخم ان دماغون کے اندر پختگی اور قوت حاصل کرتا رہتا ہے، پھر ایک مدت کے بعد کوئی انقلاب انگیز دماغ والا شخص جسمین قیادت کی اہلیت پائی جاتی ہو اس خیال کو منتخب کرتا ہے، اور اپنے دماغ مین اسکو خوب پکاتا ہے، اور جب یہ خیال اس کے دماغ مین پختگی حاصل کرلیتا ہے تو ایک دم کسی تحریک کی صورت مین اسکی شاخین پھوٹ نکلتی ہین، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہین جو ابتدائی منازل مین اس تحریک کو تسلیم کرلیتے ہین، یہانتک کہ اب رفتہ رفتہ ترقی کرتے کرتے اس خیال کی اشاعت قوم کے اس اعلیٰ طبقہ تک بھی ہوجاتی ہے جہان پہلے انکی تخم ریزی کی گئی تھی، غرض دنیا پر گو ہمیشہ عقل اور فلاسفہ ہی کی حکومت رہی ہے لیکن کبھی فلاسفہ عملی رزمگاہ مین بے نقاب ہوکر سامنے نہین آئے ہین، علماء اور فلاسفہ خیالات کی

تخم ریزی کرکے پیوندِ زمین ہوجاتے ہین، لیکن ایک مدت کے بعد یہ فنا شدہ آوازین ان مردون کی قبرون سے نکل نکل کر عملی رنگ مین حیاتِ جاودانی حاصل کرتی ہین،

(۳)

نفوذ

لیکن جس خیال کو ادّعا و تحکم اور تکرار لفظی و معنوی کے ساتھ جماعت کے سامنے ظاہر کیا جاتا ہے اس کا اثر جماعت پر اس وقت اور زیادہ بڑھجاتا ہے جب اس طرز بیان کو متکلم کی ذاتی سطوت و نفوذ سے تقویت پہونچ جاتی ہے،

دنیا مین جب کبھی کسی شخص یا کسی عقیدہ کے اثر کو غلبہ ہوا ہے تو عموماً قوتِ نفوذ ہی کی بدولت یہ غلبہ ظہور مین آیا ہے، سطوت و نفوذ کے لفظی معنی گو عام طور پر معروف ہین لیکن جن صورتون مین نفوذ کا ظہور ہوتا ہے وہ باہم اسقدر مختلف ہین کہ ان سب کی کوئی منطقی تحدید نہین کیجا سکتی، قلوب انسانی پر جو نفوذ کسی ذات کا مستولی ہوتا ہے، اسکی بنا عام طور پر حیرت و استعجاب اور خوف کے جذبات ہوا کرتے ہین، یعنی یہ کہ اس ذات مین کوئی قوتِ تسخیر ایسی پائی جاتی ہے جس سے لوگون کے دلون پر دہشت طاری ہوتی ہے، یا جس کے سبب سے لوگ اس ذات کو اپنے سے مافوق تصور کرنے لگتے ہین، اور اسی دہشت و استعجاب کی بنا پر اسکا نفوذ قائم ہوجاتا ہے لیکن سب مین کامل اور دیرپا وہ نفوذ ہوتا ہے جو بلا ان جذبات کے پیدا ہوتا ہے، جو لوگ فنا ہوگئے ہین، اب مرنے کے بعد ان سے خوف و دہشت کرنے کی کیا بات ہے، لیکن باوجود اس کے انلوگون کا نفوذ اب تک ہم پر مسلط ہے، وہ یہی لوگ ہین جو پیوندِ زمین ہوگئے ہین اور اپنی قبرون کے اندر سے ہمارے اوپر حکومت کر رہے ہین، سکندر، قیصر، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور بدھ وغیرہم ایسے عظمائے رجال ہین

جن کے دیرپا سطوت کی شہادت انکے پیرودن کی کثرت دے رہی ہی، اسیطرح بعض اوقات بعض ان ہستیون کا بھی نفوذ قائم ہوجاتا ہی جو گو اپنے اندر کوئی حیرت انگیز بات نہین رکھتین، لیکن قومون پر انکا گہرا اثر مدتون قائم رہتا ہی، مثلاً مختلف بت پرست اقوام کے دیوتا وغیرہ،

البتہ سطوت و نفوذ کی اگر کوئی تعریف کیجاسکتی ہی، تو وہ یہ ہے کہ سطوت و نفوذ کسی خیال یا کسی انسان کے اس غلبہ اور اثر سے عبارت ہی جو کبھی قلوب انسانی پر مستولی ہوجاتا ہی، اور جسکے استیلا کے باعث نفس مین ایک دہشت و مرعوبیت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور جو ہماری ناقدانہ قوت کے استیصال کا باعث ہوتا ہے، سطوت و نفوذ کے باعث یہ کیفیت قلوب انسانی مین جو پیدا ہوتی ہے اسکی تعریف بھی گو ناممکن ہی لیکن اتنا ضرور ہے کہ یہ کیفیت بھی اسی قسم کی کیفیت ہوتی ہے، جو مسمریزم کے معمول پر طاری ہوتی ہی،

سطوت و نفوذ کی دو قسمین ہین،

(۱) "نفوذ مکتسب" وہ نفوذ ہے جو کسی شخص کی ثروت یا شہرت کے باعث پیدا ہوتا ہی،

(۲) "نفوذ شخصی" وہ نفوذ ہے جو خود اس شخص کی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے، اسکے لئے شہرت و ثروت وغیرہ کی حاجت نہین ہوتی، پہلی قسم کا نفوذ اکتسابی ہوتا ہی جو سعی و جد و جہد کے ذریعہ سے اکثر لوگون کو حاصل ہوجاتا ہی، لیکن دوسری قسم کا نفوذ وہبی اور فطری ہوتا ہے جسمین اکتساب و سعی کو دخل نہین ہوتا،

لیکن ان دونون مین جو نفوذ سب سے زیادہ شائع ہے وہ پہلی قسم کا نفوذ مکتسب ہے، یہ نفوذ اکثر ان لوگون کو حاصل ہوتا ہے جو کسی خاص عہدہ پر متمکن ہوتے ہین یا جو صاحب ثروت یا خطاب یافتہ ہوتے ہین، علمائے شریعت عبا و عمامہ کے ساتھ، وکلا و حکام اپنے گون (جبہ) کے ساتھ، پولیس کے سپاہی اپنی وردیون کیساتھ، یونیورسٹی کے سند یافتہ اپنی مخصوص

پوشاکون کے ساتھ، بہ نسبت اپنے معمولی وسادہ لباس کے زیادہ رعب وسطوت رکھتے ہین؛ تاج وکلغی، تمغہ ونشان، یونیورسٹی کی ڈگریان خطابات واعزازات، دولت وحکومت، شہرت، علم وفضل، غرض ہر ایسی شے جو عام شاہراہ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہو کم وبیش افزائشِ نفوذ کا آلہ بن سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ زمانۂ حال مین قاضیون اور کیلون کیلئے جبون کی اہمیت پر زیادہ زور دیا گیا ہے، کیونکہ بغیر جبّون کے انکا نفوذ آدھا رہجاتا ہے،[1]

---

[1] خطابات اور تمغون کی جو تاثیر نفوسِ جماعت مین ہوتی ہے، وہ ہر ملک مین مسلم ہے، حتیٰ کہ ان ممالک مین بھی جہان افراد کو حریت واستقلال حاصل ہے، ایک سیاح نے انگلینڈ کے بعض مقتدر اصحاب کی چشم دید حالت اپنے سفرنامہ مین تحریر کی ہے، مین یہان اس کے چند اقتباسات درج کرتا ہون، وہ لکھتا ہے:-

"مین نے اکثر انگلستان مین دیکھا ہے کہ جو لوگ بیرونٹ یا سر کے خطابون سے اعزاز یافتہ ہوتے ہین، وہ اگر کسی کے پاس بیٹھ جاتے ہین تو یہ اس شخص کے لیے فخر کی بات سمجھی جاتی ہے، اور اگر یہ خطاب یافتہ لوگ خطاب کے ساتھ دولتمند بھی ہوتے ہین تو لوگ انسے ملاقات کرنے کے قبل ہی سے ان کی عزت کرنے لگتے ہین، اور جب ان سے ملاقات ہوتی ہے تو لوگ ان سے بہت خوشی خوشی ملتے ہین اور اگر کہین اُنھون نے کسی سے بات چیت کر لی تب تو وہ شخص پھولا نہین سماتا، جس طرح اسپین کے باشندے رقص سرود کے، اور جرمنی کے باشندے موسیقی کے، اور فرانس کے لوگ انقلاب اور شورش کے شوقین ہوتے ہین، اسی طرح انگریز بڑے بڑے خطاب یافتہ امرا کے شیدائی ہوتے ہین"

اس قسم کا نفوذ گو صرف انسان کیساتھ خاص ہوتا ہے لیکن انسان کے علاوہ افکار و خیالات اور آراء و نظریات، کا بھی ایک نفوذ ہوتا ہے جو اکثر حالتون مین تکرار سے پیدا ہوتا ہے، تاریخی کتابون بالخصوص علوم و فنون کی تاریخون کی قدر و قیمت بجز اس کے اور کیا ہے، کہ وہ چند آراء و خیالات کا مجموعہ ہین جنکو مکرر سہ کرر مختلف مصنفین بلا حذف و تغیر مختلف اوقات مین دوہراتے رہے ہین، اور اب تکرار کرتے کرتے حالت یہ ہو گئی ہے کہ ہر شخص وہی کہنے لگا جسکی تعلیم اس نے اسکول یا مدرسہ مین پائی ہے ہومر کے مطالعہ سے گو رنج و غم کے جذبات پیدا ہوتے ہین، مگر کوئی شخص ان واقعات کی تکذیب نہین کرتا، بات یہ ہے کہ سطوت و نفوذ کی ممتاز خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ انسان کی قوتِ فیصلہ و قوتِ تنقید کو فنا کر دے اور چونکہ جماعت اور افراد دونون کو تمام مباحث مین محکم اور فیصلہ کن رایون کی ہمیشہ حاجت رہتی ہے، اس لئے جب کسی رائے یا کسی خیال کی اشاعت ہوتی ہے، تو اس وقت کسی شخص کے ذہن مین یہ شبہہ نہین گذرتا کہ یہ رائے اور خیال واقع مین صحیح ہے یا غلط، بلکہ لوگ ہمیشہ اسی رائے اور خیال کو تسلیم کر لیتے ہین جسکا سب سے زیادہ نفوذ ہوتا ہے،

اب ہم نفوذ مکتسب سے بحث کرنے کے بعد نفوذ کی دوسری قسم نفوذ شخصی یا نفوذ وہبی سے بحث شروع کرتے ہین، نفوذ شخصی یا نفوذ وہبی کو نہ عہدون کی حاجت ہوتی ہے، نہ خطابات کی، اور نہ دولت و ثروت کی، بلکہ یہ نفوذ جن لوگون کو حاصل ہوتا ہے انکی قدر و منزلت بھی ان کے ہمچشمون سے کچھ ایسی زیادہ نہین ہوتی، لیکن باوجود اسکے ان کے پاس کچھ ایسے وسائل ہوتے ہین اور کچھ ایسی قوت مقناطیسی ان مین پائی جاتی ہے کہ یہ لوگ اپنے ذاتی غلبہ کے بل پر اپنے خیالات کو ذہنون مین راسخ کر دیتے ہین، اور لوگ انکی اسیطرح اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہین جس طرح حیوانات اپنے مالک کے مطیع ہوتے ہین اس قسم کا فطری اور وہبی نفوذ قومون کے ان تمام اعاظمِ رجال کو حاصل ہوتا ہے جنھون نے اپنے کارنامون سے دنیا پر اپنی دھاک بٹھا دی ہے

اور ہمیشہ اس قسم کے نفوذ کی بدولت دنیا پر یہ لوگ قہر وغلبہ حاصل کرتے ہین، بدھ حضرت عیسیٰ،
حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم، جان آف آرک، اور نپولین، دنیا مین اسی قسم کے لوگ ہوئے ہین،
دنیا مین جو صاحبِ نفوذ ہستیان گذری ہین انکی حالت یہ ہوتی ہو کہ گو ان کے کارنامون
سے ان کا نفوذ بڑھ جایا کرتا ہے، لیکن ان کی ذاتی سطوت اور ان کا شخصی نفوذ کبھی ان
خارجی مٔویدات کا زیر بار احسان نہین ہوتا، بلکہ ان کی شہرت کے پیشتر ہی سے ان مین
ایک ایسی طاقت پائی جاتی ہےجو لوگون کو اپنی جانب کھینچ لیا کرتی ہے، نپولین کو دیکھو کہ
جب اس نے فوجی ترقیان حاصل کی ہین تو اس کے پیشتر ہی سے اس کا نفوذ لوگون پر
قائم ہو چکا تھا جسوقت وہ نہ شہنشاہ نپولین تھا اور نہ کوئی فاتح اعظم، بلکہ محض ایک معمولی
رتبہ کا فوجی افسر تھا اسی وقت سے اسکی دھاک ایسی بیٹھی ہوئی تھی کہ بڑے بڑے
شورہ پشت افسر ایک لمحہ مین اس کے حلقہ بگوش بن جاتے تھے، بطور نمونہ کے ہم یہاں پر
ایک خاص موقع کا ایک واقعہ درج کرتے ہین، جس سے نپولین کے نفوذ کا حال معلوم
ہوگا یہ واقعہ موسیو ٹائن نے اپنی کتاب "تاریخِ انقلابِ فرانس" مین درج کیا ہے، موسیو ٹائن
لکھتا ہے:-

جب پیرس سے اس نوخیز افسر کا فوج کی کمان کے لئے تقرر ہوا تو
دیگر افسرانِ فوج کو یہ تقرر سخت شاق گذرا خصوصاً اوجیرو کو نہایت ہی
ناگوار ہوا جو سخت درشت مزاج تھا اور اپنی شجاعت ولیاقت پر ناز کیا
کرتا تھا، اس نے لوگون سے اس نئے افسر کے سن وسال اور قدو
قامت کا حال سنکر تہیہ کر لیا تھا کہ جب وہ اسکی ملاقات کرنے جائیگا
تو اس سے سخت تمرد سے پیش آئیگا، جنرل اوجیرو، بارہ اس کا

خاص شاگرد تھا اور اس رتبہ پر محض اپنی شجاعت اور جنگ آزمائیون

ہی کی بدولت پہنچا تھا، اور اسی لئے اس کو اس نوجوان کمانڈر

سے ایک طرح کی کد پیدا ہو گئی تھی، بہرحال نپولین سے

ملاقات کرنے کے لئے جب سب افسر گئے تو نپولین نے پہلے

تو ان سے اپنا طویل انتظار کرایا، اس کے بعد کمرے سے اس قطع سے

باہر نکلا کہ کمر سے تلوار لٹک رہی تھی، اور سر برہنہ تھا، کمرے سے

باہر آکر اس نے سر پر ٹوپی رکھی، اس کے بعد مختلف احکام صادر کئے

تجاویز جنگ کے متعلق افسرون سے باتین کرتا رہا، اور پھر ان کو

رخصت کر دیا، اس تمام عرصہ مین اجیرو کی حالت یہ تھی کہ جب تک

نپولین سامنے رہا وہ بت بنا ہوا دم بخود کھڑا رہا اور وہان سے نکلکر

جب اس کے ہوش بجا ہوئے تو اس نے اپنے دوست مسینا سے بیان

کیا کہ مجھ پر تو نپولین کے دیکھتے ہی رعب طاری ہو گیا، میری سمجھ

مین نہین آتا کہ اس مین کونسی طاقت ہے، جس سے مین

ایسا مرعوب ہو گیا،،

نپولین عظمت و رتبہ مین اپنے کارنامون کی بدولت جتنا جتنا ترقی کرتا جاتا تھا اُسی

نسبت سے اس کے نفوذ اور سطوت مین بھی ترقی ہوتی جاتی تھی، یہان تک کہ آخر مین اسکا نفوذ

اتنا بڑھ گیا کہ وہ ان لوگون کی نگاہون مین جو اس کی عزت کرتے تھے ایک معبود کے درجہ

پر پہونچ گیا، ایک بار کا واقعہ ہے کہ کمانڈر واندم جو اوجیرو سے زیادہ شورہ پشت فوجی افسر

تھا ۱۸۱۵ء مین قصر ٹولیری مین نپولین کے پاس ملاقات کی غرض سے گیا، اسکے ساتھ

اس وقت جنرل ارنانو بھی تھا، واندم نے ارنانو سے سلسلۂ سخن مین پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ مین باوجودیکہ کسی چیز سے خوف نہین کرتا نپولین کے پاس جاکر کیون اس قدر خائف ہوجاتا ہون اور اس کی صورت دیکھتے ہی میرے بدن مین تھرتھری پیدا ہو جاتی ہے،

نپولین کے نفوذ کی حالت یہ تھی کہ جب وہ جزیرۂ البا سے بھاگ کر آیا ہے، تو باوجودیکہ اس کے مددگار لوگ کم تھے، اور اس کے مقابلہ کے لئے پورا فرانسیسی لشکر تیار تھا لیکن نہایت تپاک سے اس کا خیر مقدم اور استقبال کیا گیا، اور فرانسیسی قوم کے قلوب کو دوبارہ اس نے فتح کر لیا، فوج کے جو افسر اس کو قید کرنے کیلئے بھیجے گئے تھے انھون نے اس کے قید کرلانے کا حلف اٹھایا تھا، لیکن نپولین کی صورت دیکھتے ہی وہ سب خاموش ہو کر اس کے حلقہ بگوش بن گئے، اور ان پر اس کا رعب چھا گیا، اس واقعہ کی کیفیت جنرل وسلی حسب ذیل لکھتا ہے:-

"نپولین جزیرۂ البا سے بھاگ کر جب فرانس کی سرزمین پر اترا ہے تو اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ اس کے ساتھ بجز اس کے چند مخلص دوستون کے اور کوئی نہ تھا، لیکن، باوجود اس کے نپولین نے سرزمینِ فرانس پر قدم رکھتے ہی ایک ہفتہ کے اندر ہی اندر نہایت آسانی کے ساتھ محض اپنے نفوذ کے بل پر فرانسیسی طرزِ حکومت مین حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا، اس کے علاوہ اس سلسلہ مین جو حیرت انگیز واقعہ ہے، وہ یہ ہے کہ اس نے اپنے آخری حملون مین اپنے حلیفون پر ایسا دباؤ ڈالا کہ وہ اس کا ساتھ دینے پر مجبور ہو گئے"،

نپولین کا یہ نفوذ اس قدر قوی تھا کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا نفوذ اور غلبہ اہلِ

حالت پر برقرار رہا اور اسی نفوذ کے اثر سے متاثر ہو کر اس کے مرنے کے بعد لوگون نے اس کے بھانجے کو فرانس کے تخت شاہی پر بٹھایا، صرف یہی نہین بلکہ آج بھی جب کہ نپولین کو مرے ہوئے ایک مدت گذر گئی ہے، اس کے قصون اور افسانون کو لوگونکی زبانون پر جو ہم چڑھا ہوا پاتے ہین، تو ہم کو خیال ہوتا ہے، کہ نپولین کا اثر و نفوذ اب تک برابر ترقی کر رہا ہے، مختصر یہ کہ وہبی نفوذ و اثر کی حالت یہ ہوتی ہے، کہ اگر تم کو نفوذ حاصل ہو گیا ہو تو تم جتنا چاہو لوگون کو قتل کرو، جتنی شورشین چاہو برپا کرو، سب تمھارے لئے جائز ہے، تمھارے افعال کی کوئی پرسشش نہ کرے گا بشرطیکہ تم اپنے نفوذ کو برابر ترقی دیتے رہو،

لیکن نفوذ کے پیدا ہونے کی صرف یہی چند صورتین نہین ہوتین کہ محض فوجی دبدبہ یا شخصی قابلیت، یا مذہبی خوف و رعب، کی بنا پر کسی شخص کا نفوذ قائم ہو جاتا ہو، بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چند معمولی امتیازی حیثیتین کسی شخص کا ایک پائدار نفوذ قائم کر دیا کرتی ہین، ان صورتون سے جو نفوذ پیدا ہوتا ہے، اسکی سب سے بڑی مثال فرانسیسی انجینیر ڈو بسنس کی ہے جس نے بین الاقوامی تجارت کا راستہ کھول کر روئے زمین پر عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا، اور محض اپنے اسی کارنامہ کی بنا پر عظماء رجال کی صفِ اول مین جگہ حاصل کی، باوجودیکہ اس کا ارادہ مستقل اور اس کا نفوذ قوی تھا، مگر اس کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہ تھا کہ جو لوگ اس کے مخالف تھے ان کو وہ رام بنا لیا کرتا تھا، وہ جب ان سے بات چیت کرتا تھا، اپنی شیرین کلامی سے ان کو مسحور کر لیتا، یہان تک کہ وہ اُس کے دوست بن جاتے، انگریزون نے اس کی تجویز کا کتنا مضحکہ اڑایا تھا، لیکن اس کا جواب اس نے اس طرح دیا کہ ان کے ملک مین خود

سیر و سیاحت کرنے گیا، لوگون سے مل جل کر اپنی تجویز پر مباحثہ کیا، اس واقعہ کا انگریزون
پر بہت اثر پڑا اور وہ اس کے معین و مددگار بن گئے، یہان تک کہ جب وہ شہر سوتھمپٹن سے
ہو کر گذر رہا ہے، تو اس کے استقبال مین گھنٹے بجائے گئے، اور نہایت جوش و خروش کا
اظہار کیا گیا،

ڈی لیسپس کے راستہ مین گو بہت سی مشکلات حائل تھین لیکن اس نے لوگون کے
مخالفانہ مجمعون کو چیر کر، پہاڑون کو کاٹ کر، اور ریگستان کی ریتلی زمین کو سبزہ زار بنا کر
آخر کار اپنی تجویز کو پورا کر ہی دکھایا، اور اس کے بعد جب نہر سوئز سے اس کو فرصت ملی
تو اس نے یہ ایک نئی تجویز اور سوچ کر نکالی کہ اسی طرح سے نہر پناما کا راستہ بھی کھولنا چاہئے
لیکن اب چونکہ بڈھا ہو گیا تھا، اس لئے مجبوراً اسے اپنی اس آخری تجویز کو چھوڑ دینا پڑا، اگر
اس عرصہ مین قضا و قدر کے کارخانہ کچھ ایسے تھے کہ اس کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا
اور کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے کہ اس کی ساری زندگی کی محنت اکارت گئی، اور اس کے
تمام کارنامون پر پانی پھر گیا، اس کی زندگی اہل بصیرت کے لئے گویا مرقع عبرت تھی،
اپنی زندگی کے بعض ادوار مین اس نے اس قدر ترقی حاصل کر لی کہ لوگ اسکی پرستش
کرنے لگے، لیکن ایک معمولی بات کے پیش آجانے پر اسی کے ہمقوم مجسٹریٹون نے اسکو
مجرمون کی صف مین شامل کر کے اس کے اثر و نفوذ کو ایسا دھکا لگایا کہ اس کے
صدمہ سے وہ جانبر نہ ہو سکا[1]،

---

[1] ڈی لیسپس کے انتقال کے بعد وائٹ کے اخبار نوی فرائی پریس مین ایک دلچسپ مضمون شایع
ہوا تھا، جسمین بعض قابل غور باتین بھی درج تھین، اس بنا پر مین یہان اسکے ایک دلچسپ حصہ کو دیتا ہون (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱)

غرض یہ مثالین جو ہم نے اوپر ذکر کی ہین ان سے نفوذ کی ان تمام حدود کا کہ کس طرح وہ پیدا ہوتا ہے، پھر کس طرح ترقی کرتا ہے، اور اس کے بعد کس طرح اس کا خاتمہ ہوجاتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹) ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش کرتا ہون مضمون نگار لکھتا ہے:-

"فرڈیننڈ ڈی لیسیپس کے ساتھ جو کچھ برتاؤ کیا گیا اس کے دیکھنے کے بعد کولمبس کے انجام پر بھی ہمین کچھ تعجب نہین ہوتا، ڈی لیسیپس اگر قدیم زمانہ مین ہوتا تو لوگ اس کی بے انتہا قدر کرتے اور مرنے کے بعد وہ یقیناً معبودون کی صف مین جگہہ پاتا، ڈی لیسیپس کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا ہے، اسکی بنا پر عدالتِ استیناف (ہائیکورٹ) کے ججون کا نام ہمیشہ زندہ رہیگا کیونکہ لوگ آپس مین سوال کرین گے کہ اتنی بڑی حرکت ناشایستہ کا ارتکاب کس شخص نے کیا تھا، اور ڈی لیسیپس پر فرد قراردادِ جرم کس نے لگائی؟ ہان بس آج سے معلوم ہوگیا کہ جس ملک مین یہ حالت ہو کہ چھوٹے چھوٹے سرکاری ملازم قوم کے فدائیون اور اعاظمِ رجال سے ان کے کارنامون کی بنا پر بغض وحسد رکھتے ہون، اس ملک مین ہمیشہ انصاف کا خون ہوگا، اور اس ملک کے لوگون سے انصاف کی توقع رکھنا حماقت و نادانی ہے،

ہان لیکن قومون کو ہمیشہ ان لوگون کی احتیاج رہے گی جو اپنے غیر متزلزل عزم و ارادہ کے بل پر مشکلات کو اپنے اوپر برداشت کرتے ہین، ان لوگون کو ڈرنے اور خوف کرنے کی کوئی وجہ نہین ہے (باقی حاشیہ صفحہ ۱۶۱)

ناظرین کو پورا اندازہ ہو گیا ہوگا، لیکن اگر نفوذ کی نفسانی کیفیات کا مفصل اندازہ کرنا چاہو تو
بتدریج بانیانِ مذاہب و دول سے لیکر اس عامی تک کے حالات کو خوب غور سے دیکھا جائے
جو کبھی نیا لباس پہنکر یا اپنے سینہ کو تمغون سے آراستہ کرکے لوگون مین اپنی نمود و نمایش کرتا ہے
پس اگر نفوذ کے تمام مدارج کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تمدن کے تمام عناصر
کی بنا اسی نفوذ پر ہوتی ہے، بانیانِ مذاہب و دول سے لیکر افکار، خیالات، علوم و فنون
سب نفوذ ہی کے مظاہر ہوتے ہین، اور کوئی خیال، اور کوئی فن، اور کوئی راے لوگون
مین اسوقت تک اشاعت پذیر نہین ہوتی تاوقتیکہ اس راے یا اس خیال، یا اس فن کے نفوذ کا
سکہ لوگون کے دلون پر نہین بیٹھ جاتا ہے، اور پھر نفوذ حاصل ہونے کے بعد چونکہ اسکی اشاعت محض
سریانِ تاثیر کی بدولت ہوتی ہے، اور سریانِ تاثیر بھی اپنا عمل لوگون مین غیر شعوری کیساتھ کرتا ہے، اس لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰) فرڈیننڈ ڈی لیسپس اپنے کارنامون کی بدولت
اوجِ رفعت پر پہونچا، اور اس نے دنیا کے لئے تجارت کی ایک راہ
کھولدی، اور جب وہ کامیاب ہوگیا تو امرا اور بادشاہ اس کے پاس ہدایا
اور تحائف لیکر آئے اور آج جب اسکو کورڈیلیرس کی پہاڑی پر ناکامی ہوئی تو وہ
نظرون سے گر گیا، یہ کچھ نہین ہے یہ سب سرکاری ملازمون کی کارستانیان ہین جو بعض و
حسد کی وجہ سے قوم کو ہر اس شخص کے برخلاف برانگیختہ کر دیتے ہین جو اوجِ رفعت پر
پہونچ جاتا ہے، بات یہ ہے کہ اعاظمِ رجال جو نئی نئی باتین ایجاد کرتے ہین ان کے سامنے
ان کے زمانہ کے بڑے بڑے مقننین حیران رہجاتے ہین، کیا کوئی ایڈوکیٹ یہ ثابت کر سکتا ہے
کہ اسٹانلی قاتل اور ڈی لیسپس خائن اور دغاباز تھا؟ (مؤلف)

لوگون مین جس خیال کی اشاعت ہوجاتی ہی اسکی صحت وعدم صحت کا سوال پھر کسی وقت نہین پیدا ہوتا، یہی بات ہے کہ اس زمانہ کے مصورین جو مختلف بدنما تصویرین قدیم زمانہ کے انسانون کی بناتے ہین ان کے متعلق انکو خود علم نہین ہوتا کہ یہ خاکہ انکے ذہن مین کہان سے آیا، بلکہ وہ بجائے اسکے خود اپنے ہی کو انکا موجد سمجھنے لگتے ہین، حالانکہ اصل مین یہ ہوتا ہی کہ پہلے کوئی بڑا مصور اس خاکہ کو تیار کرتا ہی، اور اس کے بعد جب وہ تصویر رائج ہوجاتی ہی تو ہر شخص اسکی نقل اتارنے لگتا ہی لیکن کسی کو خیال نہین رہتا کہ اسکا ماخذ اصلی کون تھا، اسیطرح بعض مصورین یہ کرتے ہین کہ اپنی تصویرون مین نفشئی رنگ کا سایہ دکھلاتے ہین، حالانکہ انھون نے نفشئی رنگ کا سایہ کبھی دیکھا بھی نہ ہوگا، لیکن ہوتا یہی ہے کہ کوئی بڑا مصور جو اپنے زمانہ مین بے مثل مصور ہوتا ہے، اپنے فن مین یہ نئی نئی باتین ایجاد کرتا ہے اور پھر اس کے بعد دوسرے مصور بھی اسکی نقلین اتارنے لگتے ہین،

پس بیانات گذشتہ سے معلوم ہوا کہ نفوذ کی پیدائش کے باعث گو مختلف اسباب ہوتے ہین، لیکن ان تمام ذرائع مین سب سے بڑا درجہ کامیابی کا ہی جب کوئی حاکم اپنے احکام مین کامیاب ہوجاتا ہی، تو لوگ خواہ مخواہ اسکی اطاعت کرنے لگتے ہین اسیطرح جب کوئی خیال عقلون پر غلبہ حاصل کرلیتا ہی، تو لوگ اسکی تصدیق کرنے لگتے ہین، کامیابی کی بنا پر نفوذ کے قائم ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب کسی ایسے شخص کو جسکا نفوذ پہلے قائم تھا ناکامی کا سامنا ہوتا ہی، تو اسیوقت اس کا نفوذ بھی تشریف لیجاتا ہے، یہان تک کہ بعض اوقات حالت یہ ہوتی ہی کہ کل جس شخص کے سامنے جماعت سرنگون تھی، اگر زمانہ اس سے پھر گیا، تو آج اسی کو جماعت گالیان دینے لگتی ہے،

روبسپیر کو دیکھو کہ ایک وقت مین لوگون پر اسکی دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ اس نے اپنے بہت سے مخلص دوستون کو بلا وجہ قتل کر ڈالا، لیکن جب انتخاب کے وقت اسکو چند ووٹون کی کمی کی بدولت اپنے عہدے کو چھوڑنا پڑا تو اسی وقت اسکا نفوذ بھی زائل ہوگیا اور جماعت کو اسیقدر

غصہ آیا کہ آخر کار وہ پھانسی پر لٹکا دیا گیا،

لیکن اگر کسی انسان کے بجائے کسی خیال کا نفوذ جماعت پر قائم ہو گیا ہو تو اس نفوذ کا ازالہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب اس خیال اور اس عقیدہ مین شکوک و شبہات پیدا کیے جاتے ہین خیال جب تک شک و شبہہ سے پاک رہتا ہے اسیوقت تک اسکا نفوذ بھی قائم رہتا ہے، اور جہان اسمین شک پیدا کیا گیا بس اس کے نفوذ کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے،

فصل چہارم

نفس اجتماعی کے معتقدات اساسی کے حدود

(۱) **جماعت کے معتقدات اساسی**، جماعت کے بعض معتقدات غیر تغیر پذیر ہوتے ہین، اسی قسم کے غیر تغیر پذیر معتقداتِ جماعت پر کسی تمدن کی بنیاد ہوتی ہے، ان معتقدات کو اپنی جگہ سے ہلانا دشوار ہوتا ہے، یہ بحث کہ کسی قوم مین تعصب کا کس حد تک پایا جانا مفید ہے، اگر کوئی عقیدہ عقلی پہلو سے مہمل ہو تو اس سے اسکی اشاعت اور اسکے رسوخ پر کوئی اثر نہین پڑتا۔

(۲) **جماعت کے معتقدات غیر اساسی**، یہ بحث کہ معتقدات اساسی کے علاوہ جماعت کے بعض ایسے معتقدات ہوتے ہین جنمین تغیر ہوتا رہتا ہے، اکثر ان معتقدات غیر اساسی مین ایک صدی سے بھی کم مدت کے اندر تغیر ہوجاتا ہے، ان تغیرات کے کیا کیا حدود ہین، وہ کون سے معتقدات ہین جن مین تغیر ہوجاتا ہے، زمانۂ حال مین معتقدات اساسی کی بنیاد مین متزلزل ہوگئی ہین اور اخبارات اور اشاعت مطبوعات اس تغیر و انقلاب کے اصلی سبب ہین، یہ بحث کہ اس انقلاب اور

تغیر کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ سابق مین خیالات پر حکومتون کا جو قابو تھا،
وہ اب باقی نہین رہا ہے، زمانۂ حال مین خیالات کے اندر انتشار کی
کیفیت جو پیدا ہو گئی ہے، وہ حکومتون کے تسلط کی سدِّراہ ہے،

(۱)

جماعت کے معتقدات اساسی

نظرِ غور سے دیکھو تو انسان کے تشریحی یعنی جسمانی اور اسکے نفسانی خصائص کے مابین ایک عجیب تشابہ پاؤ گے، انسان کے خصائص جسمانی مین بعض خصائص ایسے ہین جن مین کبھی تغیر نہین ہوتا، اور اگر ہوتا بھی ہے تو رفتہ رفتہ ایک مدت دراز مین، اور بعض ایسے خصائص ہین جنمین ماحول یا دوسرے مؤثرات کی وجہ سے بہت آسانی کے ساتھ تغیر عظیم ہوجاتا ہے، اور یہ تغیر بعض اوقات کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ بادی النظر مین اسکے سبب سے خصائص اصلی پر بھی پردہ پڑجاتا ہے،

بعینہ یہی حال انسان کے خصائص نفسانی کا بھی ہے، قومون کے خصائص جسمانی کی طرح انکے خصائص نفسانی بھی دو طرح کے ہوتے ہین بعض وہ ہین جنمین کبھی تغیر نہین ہوتا اور بعض خصائص ایسے ہین جو ہمیشہ تغیر پذیر رہتے ہین لیکن اقوام کے معتقدات و افکار پر عمیق نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نفسانی خصائص مین جو خصوصیتین اصلی اور غیر تغیر پذیر ہوتی ہین، ان پر ہمیشہ وقتی اور تغیر پذیر خصائص پردہ ڈالے رہتے ہین،

اس بنا پر معتقداتِ جماعت کی دو ممتاز قسمین ہین، ایک قسم کے معتقدات وہ ہوتے ہین جو مدتون ایک ہی حالت پر برقرار رہتے ہین اور جو گویا قومی تہذیب کے لیے مرکز کی طرح ہوتے

ہین کہ اس قوم کے تمام عناصر تمدن اسی ایک مرکز سے باہم پیوست ہوتے ہین، اس قسم کے معتقدات اساسی کی مثال ہمارے زمانہ کے جمہوریت پسندی کے خیالات ہین، بخلاف اسکے دوسری قسم کے معتقدات وافکار وہ ہوتے ہین جنمین ہر وقت تغیر ہوتا رہتا ہے کہ آج انکا ظہور ہوا، اور کل مٹ گئے، لیکن اس قسم کے خیالات کی پیدائیش ہمیشہ پہلی قسم کے مستحکم خیالات سے ہوتی ہے، اس طرح کے خیالات کی مثالین جیسے موجودہ زمانہ مین طبعیین اور روحانیین کے مذاہب جو بیسیون پیدا ہوئے اور مٹ مٹ گئے، ان معتقدات کی حالت سطح بحر کی موجون کی سی ہوتی ہے، کہ وہ سطح بحر پر برابر تلے اوپر پیدا ہوتی رہتی ہین،

لیکن پہلی قسم کے مستحکم معتقدات وافکار مین تغیر پذیر معتقدات وافکار سے بہت تھوڑے مگر بہت مستحکم ہوتے ہین، اور در اصل انھین افکار کے عروج وزوال سے قومونکی تاریخ مین نیا دور شروع ہوتا ہے، اور حقیقت مین انہی مستحکم عقائد پر قومون کے تہذیب و تمدن کا بھی دار مدار ہوتا ہے،

بلاشبہہ نفوس جماعت مین کسی ایسے عقیدہ یا خیال کو وقتی طور پر پیوست کر دینا تو بہت آسان کام ہے جو تغیر پذیر ہو، لیکن کسی ایسے عقیدہ کا دلون مین راسخ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے جو مدتون ایک حال پر قائم رہے اور بالکل ناقابل تغیر ہو، اور پھر اگر کسی طرح نفوس جماعت مین کبھی ایسے غیر تغیر پذیر عقیدہ کا نقش قائم بھی ہوگیا، تو اس کے بعد پھر دلون سے اس نقش کے اثر کو مٹانا بھی کچھ آسان کام نہین ہے، کسی غیر تغیر پذیر عقیدہ اور خیال کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اول تو کبھی نفوس مین اسکا رسوخ ہی نہین ہوتا اور اگر ہوگیا تو اب اس کو اپنی جگہ سے ہلانا دشوار ہو جاتا ہے، ہان البتہ اس قسم کے عقیدے جو

دلون مین راسخ ہوگئے ہون ان کو مٹانے اور اپنی جگہ سے ہلانیکی صرف ایک صورت ہوتی ہے وہ یہ کہ سخت شورشین ان عقیدون کے خلاف برپا کیجائین اور مستحکم عقیدون کے اثر کا شورشون کے آہنی ہتھیارون سے مقابلہ کیا جائے، لیکن مشکل یہ ہوتی ہے کہ یہ شورشین بھی اس وقت تک کارگر نہین ہوتین تاوقتیکہ پہلے سے ان عقیدون کا اثر مضمحل نہ ہوگیا ہو، اور پھر بھی شورشون سے صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ عقیدون کا بچا کھچا اثر مٹ جاتا ہے، بشرطیکہ عوائد مستمرہ اس اثر کو زائل ہونے دین، باقی ان کے اختیار مین یہ نہین ہے کہ وہ ان عقیدون کے اثر کو دلون سے بالکلیہ زائل وفنا کردین،

پس حاصل یہ کہ جو خیالات عمل توارث سے قوم کے دلون مین جگہ پکڑ لیتے ہین، انکا ازالہ شورشون سے بھی [illegible] نہین ہوتا، لیکن ان معتقدات کے فنا کرنیکی ایک تدبیر اور ہے، جو عموماً بہت کارگر ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو معتقدات عام طور پر مسلم مان لئے گئے ہون ان مین بحث ومباحثہ شروع کردیا جائے، اصل مین عقیدہ اسی وقت تک عقیدہ رہتا ہے جب تک وہ مناظرہ اور مباحثہ کی زد سے محفوظ رہتا ہے، لیکن جہان اس کے متعلق بحث ومباحثہ کا دروازہ کھولا گیا، بس اس کی قوت مین اسی وقت سے فرق آنے لگتا ہے، تمام عقیدون کی قوت کا راز یہی ہے کہ وہ عام نگاہون سے کچھ اس طرح اوجھل رکھے جاتے ہین کہ ان کے سقم کی جانب کسی کا خیال تک نہین جاتا،

لیکن اس کے بعد بھی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ وہ رسوم ورواج یا نظام حکومت ونظام تعلیم وتربیت وغیرہ جو ان معتقدات اساسی پر مبنی ہوتے ہین، ان معتقدات کی حفاظت کرتے ہین، اور ان رسوم ورواج مین ذرا دیر مین تغیر ہوتا ہے، مگر جہان ان رسوم مین تغیر ہوا بس پھر اس عقیدہ کے مٹنے مین کوئی کسر نہین رہتی لیکن جب

قوم کے معتقدات اساسی مین تغیر ہو جاتا ہے، تو اس کے بعد یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ
اپنے تمام ارکانِ تمدن اور عناصرِ تہذیب مین بھی ایکدم تغیر کر دے، اور تاوقتیکہ کوئی جدید
عقیدہ اس فنا شدہ قدیم عقیدہ کی جگہ نہین لے لیتا ہے، اس وقت تک قوم پر ایک
انتشار کی کیفیت طاری رہتی ہے،

غرض کسی قوم کے عقائدِ اساسی اس قوم کے لئے نعمت ہوتے ہین، اور انکی قدر
کرنا اور ان کو شور شون کے حملون سے محفوظ رکھنا اس قوم کا فرض ہوا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ قومین
ہمیشہ اپنے ان معتقدات کی قدر و قیمت پہچانتی ہین جو آبا و اجداد سے انکو ورثہ مین ملتے ہین
اور قومون کو یہ معلوم رہتا ہے کہ اصل مین انکے زوال کا دن وہی ہے جب انکے عقائدِ اساسی
نشانۂ ہدف بنجائین، رومی قومین جب تک شہرِ روم کی نہایت تعصب کے ساتھ پرستش کرتی
رہین، اس وقت تک انکا ستارۂ اقبال عروج پر رہا، لیکن جس دن سے اس عقیدہ کی بنیاد
کھوکھلی ہو گئی، اسی روز سے رومیون پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، اور یہی بات ہے
کہ قومین نہایت تعصب اور تنگ نظری کیساتھ اپنے عقائد کی جانب سے جان توڑ مدافعت
کرتی ہین، تعصب گو عقلی پہلو سے کسی قدر مذموم کیون نہ خیال کیا جائے لیکن عملی حیثیت
سے قومون کی حیات و ممات مین ہمیشہ تعصب کو بہت بڑا دخل رہا ہے، قرون متوسطہ
مین جو لوگ زندہ جلا دیئے جاتے تھے تو کس غرض سے؟ صرف اس لئے کہ مسیحیت کے
عقائد کی الحاد و دہریت کے جھونکون سے حفاظت کیجائے، اسی طرح قرون متوسطہ مین
بعض بڑے بڑے لوگون کو مرتے دم کس بات کی حسرت رہجاتی تھی؟ صرف اس بات
کی کہ کاش وہ اپنے مذہب کی حفاظت کی راہ مین شہید ہوئے ہوتے، پھر بالآخر
میدانِ جنگ مین ہمیشہ لوگ اپنی گردنین کیون کٹوایا کئے ہین؟ اسکی غرض بھی صرف

یہی ہے کہ اجنبی حملون کی زد سے قومی عقیدہ کے مستحکم قلعون کی حفاظت کیجائے غرض دنیا مین ہمیشہ قومون نے اپنے قدیم عقائد کی اجنبی حملون سے اسی طرح مستعدی کے ساتھ حفاظت کی ہے، اور شاید کہ دنیا مین قیامت تک یہی ہوتا رہے گا،

اور گو جیسا کہ مین اوپر بیان کرچکا ہون کسی جدید اعتقاد کا نفوس مین راسخ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جب کسی عقیدہ کو رسوخ حاصل ہو جاتا ہے تو اُس کے غلبہ اور رسوخ مین ترقی ہوتی رہتی ہے، اور ایک مدت تک نفوسِ جماعت پر اسی عقیدہ کا قبضہ اور تسلط رہتا ہے، دیکھو یورپ مین قومون پر ایک مدت تک ان جھوٹے قصون کا کیسا اثر قائم رہا جو قدیم زمانہ مین مشہور و مسلّم تھے، حالانکہ واقع مین وہ کہانیان اس قابل نہ تھین کہ روشن عقلین، ان کو اس طرح بلاچون وچرا تسلیم کرلیتین، باوجودیکہ اس زمانہ مین گلیلیو، نیوٹن، لبنٹز وغیرہ بڑے بڑے روشن خیال فلسفی موجود تھے لیکن کسی کو بھی ان قصون اور خرافات کے باطل کرنے یا ان کی حقیقت دریافت کرنے کا کبھی خیال نہین آیا، اور صرف اسی ایک بات سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ معتقداتِ جماعت نفوس پر کیسا ساحرانہ تسلط حاصل کر لیتے ہین، نیز اس بات کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ عقل انسانی کا دائرہ کس قدر محدود ہے،

لیکن جب یہ نیا عقیدہ ذہنون مین خوب پختہ ہو جاتا ہے تو اس وقت اس قوم کا نظامِ حکومت، اسکا نظامِ معاشرت، اس کے علوم و فنون، اور اس کے تمام اعمال و افعال کی بنا بھی یہی عقیدہ قرار پاتا ہے، اب واضعانِ قوانین، اسی عقیدہ کی بنیاد پر قوانین وضع کرتے ہین اور فلاسفہ اور اہل فن اسی عقیدہ کو پیش نظر رکھکر اپنے اپنے فلسفہ اور اپنے اپنے فن کا سنگِ بنیاد رکھتے ہین، اور گو کبھی اس عقیدہ سے بعض وقتی افکار اور تغیر پذیر خیالات کا

بھی نشو و نما ہوتا ہے تاہم یہ وقتی افکار اور تغیر پذیر خیالات بھی اسی عقیدہ کے رنگ مین رنگے ہوتے ہین، زمانۂ قدیم مین مصریون کے تمدن کی بنا چند مذہبی خیالات تھے جنکا رنگ انکے ہر شعبۂ زندگی پر چڑھا ہوا تھا، اسیطرح ازمنہ متوسطہ مین اہل یورپ اور مسلمانون کے تمدنون پر بھی یہی دینی رنگ غالب تھا،

پس بیاناتِ بالا سے معلوم ہوا کہ ایک زمانہ کے تمام لوگ اپنے خیالات، افکار و عادات مین ایک دوسرے کے مشابہ جو ہوتے ہین تو اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انکے موروثی عقائد مین کسی طرح کا اختلاف نہین ہوتا، اور چونکہ انسان کی سیرت اور عادات کی ترکیب جس خمیر سے ہوتی ہے، وہ اسکے موروثی عقائد ہوا کرتے ہین، اس لئے ہمارے ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کی بنا بھی انھی عقائد پر ہوتی ہے، اور ایک قوم اور ایک زمانہ کے لوگون کے اعمال و افعال مین بھی ہمرنگی پائی جاتی ہے، اور گو ہماری عقلی حالت کسی قدر کیون نہ برتر ہو جاے، مگر ہم کو ان عقائد سے کسی وقت رہائی نہین مل سکتی، پس حقیقی استبداد وہ ہے جو ہم پر غیر شعوری حالت مین مسلط ہوتا ہے، اور جس سے مقابلہ کرنے کی کسی مین قدرت نہین ہوتی، دیکھو قیصر ٹیبر، چنگیز خان، نپولین کس قدر صاحبِ نفوذ بادشاہ گذرے ہین لیکن حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ان لوگون کو کبھی نفوذ حاصل نہین ہوا، البتہ اگرچہ بعض اوقات ان موروثی عقائد کا اثر تھوڑی دیر کے لئے کسی دغا بازی کی وجہ سے زائل ہو جایا کرتا ہے، لیکن جو عقیدہ نفوس مین راسخ ہو گیا ہو اس کو دغا بازی بھلا کیا فنا کر سکتی ہے، اس وقت بھی آخر مین جا کر اسی موروثی عقیدہ ہی کو فتح ہوتی ہے، انقلابِ فرانس کے موقع پر جب عیسائیت اور شورش الحاد کے مابین جنگ جاری تھی تو اوقات گو بانیانِ شورش کے نظام کے باوجود عام طور پر جماعت کا میلانِ طبع ظاہر مین فرانسیسی شورش ہی کی جانب تھا مگر آخر مین شورش ہی کا ستیاناس ہوا،

حقیقت یہ ہے کہ انسان جن چیزون کا محکوم ہوتا ہے، وہ وہ انسانی اموات ہوتے ہین جو قبرون کے اندر سے لوگون پر حکومت کرتے ہین،

پھر یہ عقائد اور خیالات ذہنون مین جو رسوخ حاصل کرتے ہین، ان کے لیے یہ بھی کچھ ضروری نہین ہے کہ عقلی پہلو سے بھی یہ خیالات اور عقائد اپنے اندر واقعیت رکھتے ہون بلکہ اس کے خلاف جن عقائد کو غلبہ ہوتا ہے وہ عموماً وہی خیالات ہوتے ہین، جو عقلی پہلو سے گرے ہوئے ہوتے ہین مذہبِ اشتراکیت جو اس وقت ہم کو انحطاط پذیر نظر آرہا ہے، اس کی وجہ یہ نہین ہے کہ عقلی پہلو سے وہ کچھ کم رتبہ ہے اور اس لئے اسکا اثر لوگون پر نہین ہوتا بلکہ اصلی وجہ یہ ہے کہ مذہبِ اشتراکیت کے علاوہ اور جو مذاہب ہین وہ انسان سے یہ وعدہ کرتے ہین کہ ان کو اس جہان کے علاوہ ایک دوسرے جہان مین راحت ابدی حاصل ہوگی، بخلاف اس کے مذہبِ اشتراکیت لوگون کو یہ طمع دلاتا ہے کہ اگر اس کے اصول پر عمل درآمد کیا گیا تو لوگون کو اسی جہان مین حیات جاودانی حاصل ہوسکتی ہے، لیکن جب اس کے اصول پر عمل کیا جاتا ہے تو اس وقت اس کے جھوٹے وعدون کی قلعی کھل جاتی ہے، یہی بے اعتباری ہے جو مذہبِ اشتراکیت کو فروغ نہین حاصل ہونے دیتی،

(۲)

جماعت کے معتقدات غیر اساسی

جماعت کے عقائد غیر متغیرہ جنکی مین نے صفحات بالا مین تشریح کی ہے انکے علاوہ جماعت کے بعض افکار اور عقائد ایسے بھی ہوتے ہین جو ہمیشہ تغیر پذیر اور حالتِ دوران

مین رہتے ہین،

لیکن ان تغیر پذیر افکار مین سے بعض وہ ہوتے ہین جو بالکل نقش بر آب ہوتے ہین، اور بعض عقائد جو زیادہ اہم ہوتے ہین وہ بھی زیادہ سے زیادہ ایک صدی تک اپنی حالت پر قائم رہتے ہین، اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کرچکے ہین کسی قوم کے یہ تمام تغیر پذیر افکار و عقائد مبنی ہوتے ہین، ان اصولی افکار پر جو اس قوم مین بذریعۂ وراثت رسوخ پیدا کرلیتے ہین، اس کی مثال مین ہم نے اپنے ملک کے نظام سیاسی کو پیش کیا تھا، کہ گو ہمارے ملک کے تمام فرقون کے اصول ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہین، مگر ان سب کا ایک مشترک مقصد ہے جو ہمارے مخصوص مزاج عقلی سے پیدا ہوا ہے، نیز ہم یہ بھی بیان کرچکے ہین کہ خیالات و افکار مین صوری اور اسمی تغیر کردینے سے ان خیالات کی اصلی حقیقت نہین بدلتی اور اسکی مثال مین ہم نے بانیان انقلاب فرانس کو پیش کیا تھا کہ گو یہ لوگ اپنے عادات و اطوار اور خیالات مین رومیون کی تقلید کرنا چاہتے تھے، لیکن اس سے وہ کچھ رومی نہین بن گئے کیونکہ انکے قومی روایات رومیون کے قومی روایات سے بالکل مختلف تھے، پس دانایان قوم کا جو اصلی فرض ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے، کہ وہ تغیر پذیر قومی عقائد مین سے غیر تغیر پذیر قومی عقائد کو ڈھونڈھ نکالین اور حقیقی عقائد کو غیر حقیقی عقائد سے اور ملمع کو اصل سے متمیز کردین، باقی رہا ان عقائد مین تغیر کرنا تو یہ ان کے بس کی بات نہین،

لیکن جب ہم کسی قوم کے عقائد و خیالات کی تجرید و تفرید کرکے معتقدات اساسی کو معتقدات غیر اساسی سے متمیز کرتے ہین، تو ہمین نظر آتا ہے کہ قومون کے مزاج عقلی کو چھوڑ کر قومون کے باقی اور دیگر حالات مین ایک مدت کے بعد عظیم الشان

تغیر ہوجاتا ہے، شواہد و امثلہ تلاش کرنے کے لئے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہین، ایک اپنے ہی ملک کی تاریخ کو لو، ۱۷۹۰ء اور ۱۸۲۰ء کے مابین جو واقعات ملک فرانس مین ظہور پذیر ہوئے ہین، ان مین ہم نے دیکھا ہے کہ کس سرعت کے ساتھ قوم کے مذہبی اور سیاسی خیالات مین تغیر ہوتا رہا، جو لوگ پہلے نہایت جمہوریت پسند تھے وہ کس طرح ایکبارگی بادشاہ پرست بن گئے، جنکا تعلق پہلے کیتھولک فرقہ سے تھا وہ کس طرح بعد کو ملحد و بے دین ہو گئے، پھر سب سے زیادہ تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو پہلے تسلط و استبداد کے جانی دشمن تھے، خدا جانے ان مین کیا تغیر ہو گیا کہ وہ ایکبارگی نپولین کے سامنے بالکل بے دست و پا ہو کر اس کے حلقہ بگوش بن گئے،

اسیطرح ہمارے ملک کے علاوہ اگر یورپ کے دیگر ممالک کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ ادھر کچھ عرصہ کے اندر یورپ کی سیاست مین کتنے عظیم الشان تغیرات واقع ہوئے ہین، پہلے انگریز ہمارے حلیف تھے، پھر روس کے مقابلہ مین انگریزون نے دو بار ہم کو دھوکا دیا، اور ہمارے دشمن بن گئے اور اس کے بعد اب پھر وہ ہمارے حلیف ہین،

علاوہ برین ان مذہبی اور سیاسی تغیرات کے علاوہ مختلف علوم و فنون مین بھی ایک مدت کے بعد عظیم الشان تغیر ہوجاتا ہے، آجکل فلسفہ کے جو مختلف اصول ہمین نظر آرہے ہین وہ سب اسی کلیہ کے شواہد ہین، اسیطرح اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آج ایک اڈیٹر یا مصور قوم کو مسخر کئے ہوئے ہے، تو کل وہی قوم کی نگاہ مین ذلیل ہو جاتا ہے،

لیکن یہ تغیرات اور انقلابات زمانہ جنکو ظاہر بین نگاہین حقیقی اور اصلی تغیرات سمجھتی ہین، ان مین جب ذرا زیادہ غور کیا جاتا ہے تو نظر آتا ہے کہ جو خیالات و افکار موروثی

عقائد کے خلاف اور ان کے برعکس ہوتے ہین وہی سریع الزوال بھی ہوتے ہین جو عقیدہ
اور خیال قوم کے موروثی عقائد کے خلاف ہو اس کے متعلق یاد رکھو کہ اس کو ایک لمحہ فروغ
نہین ہو سکتا لیکن جو خیالات موروثی عقائد کے خلاف نہین ہوتے وہ حسب حیثیت و رتبہ
ایک مدت تک باقی رہتے ہین، اور اس کے بعد جب انکا وقت آجاتا ہو تو وہ بھی مٹجاتے ہین

زمانۂ حال مین اس قسم کے تغیر پذیر خیالات کی بڑی کثرت ہے اور اس کے
تین سبب ہین،

(۱) چونکہ قدیم افکار و عقائد بہت بوسیدہ اور از کار رفتہ ہو گئے ہین، اس لئے اب وقتی
اور عارضی افکار و خیالات کے لئے میدان بہت وسیع ہو گیا ہے،

(۲) جماعت کے اثر مین ترقی ہو گئی ہے، اور جو قوتین جماعت کے اثر کو روکنے والی تھین
وہ اس کے غلبہ کے آگے سپر انداز ہو گئی ہین، اور چونکہ جماعت کے افکار بے حد تغیر پذیر ہوتے
ہین، اس لئے اب وہ بالکل خود سر ہو گئی ہے،

(۳) اس زمانہ مین مطبوعات گھر گھر پھیلے ہوئے ہین جنکی وجہ سے اوباش لوگون کے
سامنے عجیب عجیب متناقض اور غیر مربوط خیالات پیش ہوتے ہین آج ایک خیال اچھی
طرح ذہنون مین راسخ نہین ہونے پایا کہ کل دوسرا خیال کتابون کے ذریعہ سے
پھیلا دیا جاتا ہے،

یہ تین سبب ہین جنکی وجہ سے ہمارے زمانہ مین طبیعتون مین عجیب قسم کا انتشار پیدا
ہو گیا ہے، اور تاریخ انسانی مین ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے، جو دوسرے ادوار سے
اس بات مین ممتاز ہے کہ موجودہ دور مین راے عام حکومت سے بالکل آزاد ہو گئی ہی
اور حکومتون کو مجبوراً راے عام کی اتباع کرنا پڑتی ہی،

زمانۂ سابق مین چونکہ قاعدہ یہ تھا کہ راے عام پر حکومتون اور چند صاحب اثر لوگون
کا غلبہ ہوتا تھا، اس لئے اس زمانہ مین راے عام مین اضطراب و انتشار نہین پیدا ہونے پاتا
تھا، لیکن اس زمانہ مین حالت یہ ہو گئی ہے کہ اڈیٹران اخبار اور ممتاز صحائف خود راے عام
کی پیروی کرتے ہین اور رہبری اور رہنمائی سے جی چراتے ہین، بلکہ اہلِ سیاست کا حال
تو یہ ہے کہ وہ بجاے راے عام سے آگے آگے چلنے کے اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہین،
اور راے عام کا رعب کچھ ان پر ایسا غالب آ گیا ہے، کہ وہ کسی ارادہ پر منٹ بھر
نہین قائم رہتے ہین،

گذشتہ بیانات سے معلوم ہوا کہ راے عام روز بروز حکومتون کی سیاست پر
حاوی اور مستولی ہوتی جاتی ہے اور اب یہان تک نوبت پہونچ گئی ہے کہ وہ قومون کو
مصالحت اور مخالفت پر بھی مجبور کرنے لگی ہے، فرانس اور روس کے مابین جو آخری
عقدِ مصالحت ہوا ہے، اس کا باعث راے عام ہی تھی اور اب پوپ اور تمام بادشاہ
اس بات کے عادی ہو گئے ہین کہ اپنی باہمی مراسلات اور باہمی مکالمات کو شائع کرین
تاکہ جمہور ان پر راے زنی کر سکین، لوگ کہتے ہین کہ سیاست ان چیزون مین سے نہین ہے
جو جذبات و مشاعر کے زور پر چلتے ہین، لیکن میری راے مین یہ خیال غلط ہے، اس وقت
جماعت حکومتون کی سیاست پر مسلط ہے، اور جماعت کے تمام کام عقل کے زور پر نہین بلکہ
مشاعر و جذبات کے زور پر انجام پاتے ہین،

لیکن حکومتون کے علاوہ جرائد و صحائف کی حالت بھی موجودہ زمانہ مین ناگفتہ بہ
ہو گئی ہے، اور ان کو بھی مجبوراً جماعت کے غلبہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے اور ظاہر
مین یہ جو نظر آتا ہے کہ لوگون پر جرائد کا اثر ہے تو یہ محض اس وجہ سے ہے کہ وہ بھی روزانہ

راے عام کے ساتھ ساتھ اپنی پالیسی مین تغیر کرتے رہتے ہین اور انکا وظیفۂ عمل صرف یہ رہگیا ہے کہ لوگون کی رایون کو بلاکم وکاست پیش کردین، اب اخبارات نے صرف اس بات پر قناعت کر لی ہے کہ روزانہ خبرین چھاپ دیا کرین۔ اور طوعاً وکرہاً جس طرح بنے جماعت کے جذبات اور اسکی خواہشون کی اتباع کرین اور اگر وہ یہ نہ کرین تو انکو خسارہ برداشت کرنا پڑے، بڑے بڑے قدیم جرائد کی حالت دیکھو، لا کانسٹیٹیوشنل ڈیبٹس ورسائل یہ کسی زمانہ مین ایسے نامور اخبار تھے کہ ہمارے آبا واجداد ان کے اقوال وآرا کو بمنزلہ وحی سمجھتے تھے، لیکن اب ان کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ وہ بعض نکاہات اور تجارتی اشتہارات سے ناظرین کی ضیافتِ طبع کردیا کرتے ہین، غرض اس زمانہ مین کوئی اخبار ایسا نہین ہے، جو اپنی قلت آمدنی کے باعث اپنی ذاتی راے کا اظہار کرتا ہو کیونکہ اس کو اس بات کا خوف لگا رہتا ہے کہ اگر اس نے اپنی ذاتی راے کا اظہار کیا تو لوگ اسکو ناپسند کرینگے اور اخبار کی وقعت گرجائیگی، جماعت کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ وہ زیادہ تر اس بات کو پسند کرتی ہے کہ اخبار مین کچھ ظریفانہ چٹکلے ہون، کچھ مضحکہ آمیز واقعات ہون، اور اسیطرح کا دلچسپی کا سامان ہو، لیکن اس کے خلاف کوئی اخبار آزادانہ اظہار خیال کرتا ہے، تو لوگ یہ سمجھتے ہین کہ شاید اس اخبار کی اسمین کوئی ذاتی غرض مخفی ہے صرف یہی نہین، بلکہ اب حالت یہ ہے کہ اہل نقد ونظر بھی کسی کتاب یا ڈرامے کے شایع کرنے سے دل چراتے ہین، کیونکہ کتابون پر جو نکتہ چینی کی جاتی ہے، اس سے بجائے نفع کے ضرر ہوتا ہے، اخبارات کو اب اس کا پورا یقین ہوگیا ہے کہ ذاتی خیالات کے ظاہر کرنے اور کسی کتاب پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے کوئی فائدہ نہین، اس لئے وہ اب کسی کتاب پر نکتہ چینی کے بجاے صرف کتابون کا اشتہار شایع کردیتے ہین، اور لوگون کو کتاب کی خریداری کے

جانب مائل کرنے کی غرض سے دو چار سطرین اپنی جانب سے بھی لکھدیتے ہین،

پس جرائد اور حکومتون کا مشغلہ اور وظیفۂ عمل اب صرف یہ رہ گیا ہے کہ راے عام کا تتبع کرین، یہی وجہ ہے کہ کسی اہم واقعہ یا کسی ضروری قانون یا کسی لکچر کو ان کے نزدیک اہمیت جو حاصل ہوتی ہے، تو وہ صرف اس لحاظ سے کہ ان چیزون کا اثر لوگون پر کیا پڑا اور اس اثر کا دریافت کرلینا کچھ مشکل بھی نہین ہوتا کیونکہ جماعت کے افکار اس قدر تغیر پذیر ہوتے ہین کہ آج جس سے وہ ناراض تھی کل اس سے وہ خوش ہوجاتی ہے، اور اس بنا پر اس کے تغیر پذیر اور متنوع تاثیرات کا حال جلد دریافت ہوجاتا ہے،

غرض اس وقت جماعت کی حالت اضطرابی سے جو نتائج پیدا ہوئے ہین، وہ یہ ہین کہ یقین زائل ہوگیا ہے، وجدانیات اور جذبات کا اثر غالب ہوگیا ہے، اور قومین ایک حالت اضطراب و فوضی مین ہین، اور جدید مذاہب جو پیدا ہوئے ہین مثلاً مذہب اشتراکیت تو ان کے معتقدین کی حالت یہ ہے کہ وہ اجہل طبقات مین سے ہین، اور متوسط الحال طبقہ جو ہے، وہ کچھ اس طرح حالتِ شک مین گرفتار ہے کہ اس کو کسی بات پر یقین ہی نہین رہا ہے،

لیکن یہ انقلاب کوئی ادھر بیس پچیس سال کے عرصہ سے لوگون کے خیالات مین ہوا ہے، ورنہ اس سے قبل کی حالت یہ تھی کہ چونکہ افکار و خیالات چند عقائد عامہ پر مبنی ہوتے تھے، اس لئے ان کے خاص خاص اغراض متعین ہوتے تھے، مثلاً جو شخص حکومت پرست ہوتا تھا، اس کے خاص قسم کے خیالات علمی طور پر منضبط ہوتے تھے، جو جمہوریت پسند ہوتا وہ بھی چند مخصوص خیالات کا پابند ہوتا تھا، اگر ایک شخص کا یہ اعتقاد ہوتا کہ انسان بندر سے پیدا ہوا ہے، تو دوسرے کی راے بالکل اس کے خلاف ہوتی، اگر ایک شخص کو انقلاب و شورش سے نفرت ہوتی تو دوسرا اسے بجید پسند کرتا، اسیطرح بعض اسماء اس قسم کے تھے

کہ ہمیشہ ان کے ساتھ خشوع و اجلال کا اظہار ضروری سمجھا جاتا تھا مثلاً رومبیر اور مارٹ وغیرہ اور بعض نام وہ ہوتے تھے جنکے ساتھ ذلت وحقارت کا برتاؤ کیا جاتا تھا، مثلاً اگسٹس، قیصر، اور نپولین وغیرہ لیکن اس وقت حالت بالکل مختلف ہو گئی ہے، اور بحث ومباحثہ کی بدولت کسی خیال کی وقعت لوگون کے ذہنون مین باقی نہین رہی ہے،

لیکن باوجود اس کے ہم کو اس انتشارِ خیال سے جو ہمارے زمانہ مین پیدا ہوگیا ہے بالکل گھبرانا نہ چاہیئے، ہان بلاشبہہ یہ ضرور ہے کہ یہ انتشارِ خیال قومی انحطاط وتنزل کا باعث ہوتا ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ نفوسِ جماعت پر مضطرب الخیال اور اہل افکار لوگون سے زیادہ ان لوگون کا اثر پڑتا ہے، جنکے قلوب مطمئن اور خیالات راسخ ہوتے ہین لیکن ہم کو یہ بات بھی فراموش نہین کرنی چاہیئے کہ جب کوئی خیال یا کوئی رائے نفوس پر ایسا غلبہ حاصل کرلیتی ہے جیسا اس وقت جماعت کو حاصل ہو گیا ہے، تو اسمین ایک استبدادی شان پیدا ہو جاتی ہے جو تمام کائنات کو مسخر کرلیتی ہے، اور جس سے ایک مدت کے لئے حریت فکری کا دروازہ مسدود ہو جاتا ہے، اس لئے اب ہمارے لئے اسکے سوا کوئی چارہ نہین کہ ہم جماعت کے غلبہ کو تسلیم کرلین، اگرچہ ہم یہ جانتے ہین کہ جماعت کا غلبہ اور تسلط ہمارے تمدن کو برباد کرکے چھوڑے گا،

باب سوم

جماعت کے مختلف اقسام کی نفسانی تشریح

فصل اوّل

جماعت کے اقسام

جماعت کی عام تقسیم و تجنیس، جماعت کی قسمین،

(۱) وہ جماعتین جو مختلف عناصر سے مرکب ہوتی ہین،

ان جماعتون کے ممیزات عمومی قومیت کے اثرات، قومیت کا اثر جتنا قوی ہوتا ہے، اسی قدر روحِ جماعت ضعیف ہوتی ہے، قومیت کا اثر حالتِ تمدن کی، اور جماعت کا اثر دورِ وحشت کی یادگار ہوتا ہے،

(۲) وہ جماعتین جو متشابہ عناصر سے مرکب ہوتی ہین،

ان جماعتون کے اقسام، ذاتین، فرقے، طبقات وغیرہ،

صفحات بالا مین ہم جماعتون کے نفسانی خصائص کو تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے اب جماعتون کے نفسانی خصائص کی وضاحت کرنے کے بعد ان خاص خاص اوصاف کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے جو جماعت کی بعض بعض قسمون کے ساتھ مخصوص ہوتے ہین، اس لئے اب ذیل مین ہم پہلے جماعت کے اقسام بالاجمال بیان کرتے ہین پھر اس کے بعد جماعت کی بعض خاص قسمون کو لیکر قسم وار خصائص کی تشریح کرین گے،

جماعتون مین سب سے پہلے ہماری نظر جس جماعت پر پڑتی ہے، وہ ایسی جماعت ہوتی ہے، جس کے افراد کے مابین ہین کوئی رابطۂ اتحاد بجز اس کے نظر نہین آتا کہ ان جماعتون کا سردار چند آوارہ گرد افراد کو اپنے ذاتی اثر سے اپنے ذاتی اغراض حاصل کرنیکے لئے مجتمع کر لیتا ہے، اس قسم کی ابتدائی جماعتون کی مثال مین ہم ان گروہون کو پیش کرسکتے ہین جو قدیم زمانہ مین دولت روم پر مختلف اوقات مین حملہ آور ہوئے تھے،

پھر ان کے بعد ان جماعتون کا نمبر آتا ہے جنمین مختلف عوامل اور ماحول کے اثر سے مختلف نفسانی خصائص کا ظہور ہونے لگا ہو، ورنہ ان جماعتون مین بعض ایسے اوصاف بھی پیدا ہو جاتے ہین جو انکےطین کے ساتھ مخصوص ہوتے ہین، لیکن یہ مخصوص اوصاف ہمیشہ جماعت کے اوصاف عمومی کے زیر اثر رہتے ہین،

لیکن جب ان دونون قسم کی جماعتون مین وہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہین جنکی تشریح صفحات بالا مین گذر چکی ہے، تو اس وقت انکو "جماعت نفسیہ" یا "جماعت منظمہ" کہتے ہین،

ان جماعتون کی تقسیم حسب ذیل طریقہ پر کیجا سکتی ہے،

(۱) وہ جماعتین جنکی ترکیب مختلف عناصر سے ہوتی ہے،	(۱) غیر معروف الاسم جماعتین، جیسے شہد ولن، بچون، یا شوارع عام کی جماعتین وغیرہ،

(۲) معروف الاسم جماعتین (مثلاً جیوریون کی جماعت یا پابلی مجالس)

(۲) وہ جماعتین جنکی ترکیب متشابہ عناصر سے ہوتی ہے،

(۱) سیاسی اور مذہبی فرقے،

(۲) پیشہ ور جماعتین،

(۳) طبقات (یعنی قوم کا طبقۂ اعلی، طبقۂ متوسط اور طبقۂ ادنی)

(۱)

وہ جماعتین جو مختلف النسل افراد سے مرکب ہوتی ہین

یہ جماعتین جو مختلف النسل، مختلف الخیال، اور مختلف العقیدہ، افراد سے مرکب ہوتی ہین، اسی قسم کی جماعتین ہین جنکے نفسانی خصائص کی تشریح ہم نے صفحاتِ بالا مین کی ہے، یہ جماعتین عموماً ایسے افراد سے مرکب ہوتی ہین جن کے پیشے اور کاروبار مختلف ہوتے ہین، جب اس قسم کے چند افراد مجتمع ہوکر جماعت کی تشکیل کرتے ہین، تو ان کے انفرادی نفسانی خصوصیات پر ان خصائص سے پردہ پڑ جاتا ہے، جو عموماً جماعتون مین پائے جاتے ہین، اور جنمین اس خصوصیت کو زیادہ اہمیت ہوتی ہے، کہ جماعت مین آکر افراد کی عقلی خصوصیتین جماعت کے جذبات و احساسات سے مغلوب ہوجاتی ہین،

جماعات مختلفۃ العناصر پر جو عوامل اثر کرتے ہین، انمین سے ایک عامل یعنی قومیت کا اثر ان جماعتون پر بہت گہرا ہوتا ہے، صفحاتِ بالا مین ہم متعدد جگہ بیان کرچکے ہین کہ جس طرح قومیت کا اثر افراد کے افعال و عادات پر گہرا ہوتا ہے، اسی طرح

جماعتین بھی اس اثر کی بہت زیادہ محکوم ہوتی ہین، یہی وجہ ہے کہ جو جماعت صرف انگریزون سے مثلاً مرکب ہوتی ہے، اس کی حالت اس جماعت سے مختلف ہوتی ہے جسمین روسی فرانسیسی قوم کے افراد بھی شامل ہوتے ہین،

جب چند مختلف الجنس افراد مجتمع ہوتے ہین، توگو وہ منافع اور مقاصد جنکے لئے یہ افراد مجتمع ہوئے ہین ظاہر مین متحد ہون لیکن جہان تک اس جماعت کے شعور اور دماغی حالات سے تعلق ہے، ان افراد مین اختلافِ قومیت کی بنا پر ضرور کچھ نہ کچھ فرق نمایان رہتا ہے، اشتراکیین نے اکثر ایک ایسی مجالس منعقد کرنے کا ارادہ کیا جس مین ہر قوم کی مزدوری پیشہ جماعت کے ڈیلیگیٹ شریک ہون، لیکن ہمیشہ اس کا نتیجہ باہمی اختلاف کی صورت مین ظاہر ہوا،، یوروپ کی قومون مین باہم اتنا اختلاف ہے، کہ اگر لاطینی قوم کا میلان اس جانب ہے کہ تمام قومی فرائض کو حکومت انجام دے تو اس کے مقابلہ مین انگریزی قوم حکومت کے دائرۂ عمل کو بہت محدود کردیتی ہے، اور اگر لاطینی قومین افراد کی حریت شخصی اور استقلال ذاتی کو عملاً ہیچ سمجھتی ہین، تو اس کے مقابلہ مین انگریزی قوم مین تمام کام افراد کے ذاتی استقلال اور انکی ذاتی ہمت سے انجام پاتے ہین، یہی وجہ ہے کہ قومی اختلافات کی بنا پر یوروپ کے اشتراکیین اور جمہوریت پسندون کے اصول اور مذاہب مین ہمکو نمایان اختلاف نظر آتا ہے،

قومیت کا اثر جماعت پر اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ یہ اثر جماعت کے حرکات وسکنات مین ہمیشہ پیش پیش اور نمایان رہتا ہے، اسی مقام پر سے یہ کلیہ قائم کیا گیا ہے کہ قومیت کی روح جتنی زیادہ قوی ہوگی اسی قدر جماعت مین انحطاط پذیر اوصاف کا اثر ضعیف ہوگا، بات یہ ہے کہ جماعت کی روح دورِ توحش کی یادگار ہے اور جب اس روح کا غلبہ ہوتا ہے

توجماعت سے وحشت کے افعال صادر ہونے لگتے ہین، لیکن قومیت کی روح دور تمدن کی یادگار ہے، توجبتک جماعت پر اس روح کا غلبہ رہتا ہے، اس وقت تک قوم جماعت کے اثر وغلبہ سے اطمینان مین رہتی ہے،

اس قسم کی مختلفۃ العناصر جماعتون کے تحت مین بعض وہ جماعتین شامل ہین جو مجہول الاسم ہوتی ہین، مثلاً شوارع عام کی جماعتین، یا شہدون کی جماعتین، وغیرہ، اور بعض جماعتین وہ ہوتی ہین جو خاص خاص اسمار کے ساتھ مشتہر ہوتی ہین، مثلاً جیوریون کی جماعتین اور نیابی مجلسین وغیرہ، ان دونون قسم کی جماعتون مین جو اختلاف وامتیاز ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ پہلی قسم کی مجہول الاسم جماعتین اپنے نتائجِ اعمال کی ذمہ دار نہین ہوتین اور دوسری قسم کی جماعتین اپنے نتائجِ اعمال کی ذمہ دار ہوتی ہین،

(۲)

وہ جماعتین جو متحد النسل افراد سے مرکب ہوتی ہین

وہ جماعتین جو متحد النسل افراد سے مرکب ہوتی ہین، انکی تین قسمین ہین،

(۱) فرقے، (۲) پیشہ ور جماعتین (۳) طبقات،

ان اقسام مین فرقون کا پہلا مرتبہ ہے، جنکی ترکیب ان افراد سے ہوتی ہے جو تربیت اور پیشہ مین مختلف ہوتے ہین، لیکن جنکے درمیان رابطۂ اتحاد صرف وحدتِ اعتقاد سے ہوتا ہے، ان جماعتون مین دینی اور سیاسی فرقے شامل ہین، انکے بعد دوسرا درجہ پیشہ ور جماعتون کا ہے، جنکی تشکیل ان افراد سے ہوتی ہے جو پیشہ اور تربیت مین متحد ہوتے ہین، مثلاً فوجی جماعتین وغیرہ، پھر ان کے بعد سب سے اعلیٰ مرتبہ طبقات کا ہے

جنکی تشکیل ان افراد سے ہوتی ہے، جنکے درمیان رابطۂ اتحاد نہ تو فرقون کی طرح وحدت اعتقاد سے ہوتا ہے اور نہ پیشہ ور جماعتون کی طرح وحدتِ تربیت سے، بلکہ جن کے ذرائعِ معاش متحد ہوتے ہین انکی مثال زراعت پیشہ دیہاتی وغیرہ ہین،

لیکن چونکہ اس کتاب مین میرا مقصود صرف جماعات مختلفة العناصر سے بحث کرنا ہے، اور میرا ارادہ یہ ہے کہ جماعات مؤتلفة العناصر سے ایک جدا گانہ کتاب مین بحث کرون، اس لئے اب مین جماعات مؤتلفة العناصر کے بیان کو زیادہ طول دینا نہین چاہتا، اور جماعات مختلفة العناصر کے بعض مخصوص اقسام سے بحث کرکے کتاب کو ختم کرتا ہون،

فصل دوم،

جرائم پیشہ جماعتین

جرائم پیشہ جماعتین، جماعت قانون کی نگاہ مین مجرم ہو سکتی ہے، مگر فلسفیانہ نگاہ مین اس کو مجرم نہین کہا جا سکتا، جماعت سے غیر شعوری کی حالت مین افعال کا صدور ہوتا ہے، بیان ماسبق کی مختلف مثالین، ماہ ستمبر کی شورہ پشت جماعت کے افعال کی نفسانی تشریح، اس جماعت کے افکار، اسکے شعور، اور اسکے اخلاق پر بحث،

چونکہ ایک مدت تک مختلف مہیجات اور عوامل کے زیر اثر رہتے رہتے جماعت پر غیر شعوری کی ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ آلۂ بیجان ہو کر تمام اوامر و احکام کی تعمیل کرنے لگتی ہے، اور اسی حالت مین اس سے بعض اوقات، جرائم کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہے، اس لئے عام استعمال اور علم النفس کی کتابون مین جماعتون کے جانب مجرمانہ افعال کا بھی انتساب کیا گیا ہے، لیکن میرے خیال مین فلسفیانہ حیثیت سے

جماعت کے جانب مجرمانہ افعال کا انتساب کرنا سخت غلطی ہے، یہ صحیح ہے کہ جماعت کے بعض افعال بعض اوقات جرم کی حد کے اندر آجاتے ہین، لیکن یہ جرائم اسی طرح کے ہوتے ہین جس طرح درندے جرائم کا ارتکاب کرتے ہین، اور باوجود اس کے درندون کو کوئی مجرم نہین کہتا، بات یہ ہے کہ جماعت سے جو جرائم سرزد ہوتے ہین وہ کسی ہیجِ شدید کی بدولت اس سے وقوع مین آتے ہین اور اس ہیجِ شدید سے متاثر ہو کر جو افراد ان جرائم کا ارتکاب کرتے ہین وہ یہ نہین سمجھتے کہ وہ جرائم کا ارتکاب کر رہے ہین بلکہ وہ یہ سمجھتے ہین کہ وہ ایک واجب یا فرض ادا کر رہے ہین، اور ظاہر ہے کہ یہ شان مجرمون کی نہین ہوتی ہے،

اس طرح کے واقعات مین سے ایک واقعہ قلعہ باسٹل کے مہتمم جیل ہوسیو لونی کے قتل کا ہے، تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ قلعہ باسٹل پر انقلاب فرانس کے زمانہ مین جب شورش پسندون کا قبضہ ہو گیا تو باغیون نے وہان کے مہتمم جیل کو گھیر لیا، اور اس بیچارے پر ہر طرف سے بوچھار شروع ہو گئی، کوئی اس کے بابت پھانسی دینے کی رائے دیتا تھا، کوئی کہتا تھا کہ اس کو قتل کر دینا چاہیے، کسی کی رائے یہ تھی کہ نہین گھوڑے کی دم مین باندھکر اسکی تشہیر کرنا چاہیے، غرض اسکی بابت ہر شخص ایک نئی رائے دیتا تھا، اور وہ بیچارہ مدافعت مین مشغول تھا، کہ اتفاق سے باغیون کے گروہ مین سے ایک شخص کے اس کی لات لگ گئی، بس پھر کیا تھا مجمع غصہ سے بیتاب ہو گیا، اور رائے یہ قرار پائی کہ اسکی لات جس شخص کے لگی ہے، وہ اس کو قتل کرے، راوی بیان کرتا ہے کہ لات جس شخص کے لگی تھی وہ ایک تماشہ بین نانبائی تھا جو وہان تماشہ دیکھنے گیا تھا، اس نے جو یہ سنا کہ مجھے مہتمم جیل کو قتل کرنا ہوگا، تو وطن پرستی کے جوش کی بنا پر اسے خیال پیدا ہوا کہ اچھا مین وطن کا ایک فرض ادا کر کے ایک تمغہ حاصل کرون گا، اس جوش

مین آکر اس نے تلوار کا ایک وار کیا، لیکن وار خالی گیا، جھنجلا کر اس نے جیب سے ایک چھرا نکالا اور اس سے مہتمِ جیل کا کام تمام کر دیا،

اس مثال سے ظاہر ہوتا ہے، کہ کس طرح غیر شعوری کی حالت مین جماعت سے جرائم کا صدور ہوتا ہے، اسی واقعہ مین دیکھو کہ جماعت کس طرح خارجی تحریک سے غصہ مین آگئی اور قاتل یہ سمجھتا رہا کہ وہ وطن کا فرض ادا کر رہا ہے، پس اس طرح کے افعال جو جماعت سے صادر ہوتے ہین گو قانوناً جرم سمجھے جا سکتے ہین، مگر علم النفس کے نقطۂ نظر سے وہ کسی طرح جرم کی حد مین داخل نہین ہین،

جرائم پیشہ جماعتون کو دوسری جماعتون سے کسی بات مین امتیاز نہین ہوتا اور ان جماعتون مین بھی تقریباً وہ تمام خصائص پائے جاتے ہین جنکا ظہور دیگر جماعتون مین ہوتا ہے، اور جن کو ہم صفحاتِ بالا مین بالتفصیل بیان کر چکے ہین، مثلاً اثر پذیری، تلوّن مزاجی، اور ضعف عقلی، وغیرہ،

اب ہم ذیل مین جرائم پیشہ جماعتون کے خصائص پر مفصل نظر ڈالنے کے لئے ایک خاص جماعت کے کارنامون کو تفصیل سے بیان کرتے ہین جس سے جرائم پیشہ جماعتون کے اوصاف کی نفسانی تشریح اچھی طرح ہو جائیگی، ماہ ستمبر کے فتنہ کا واقعہ فرانس کی تاریخ مین ایک افسوسناک یادگار ہے، اور گو واقعۂ ماہ ستمبر[1] کی جماعت اور واقعۂ سینٹ بارتھولومیو کی جماعت کے اوصاف مین نمایان مشابہت پائی جاتی ہے، مگر مین یہان واقعۂ ماہ ستمبر کے تفصیلی حالات موسیو ٹائن سے لیکر نقل کرتا ہون جو واقعۂ انقلاب فرانس کا بہترین مؤرخ ہے،

---

[1] یہ مشہور حادثہ زمانہ انقلاب فرانس مین بماہ ستمبر ۱۷۹۲ء پیرس مین وقوع پذیر ہوا، اس واقعہ کا باعث ایک شخص مارٹ نامی تھا یہ شخص پہلے طبیب تھا، پھر ایک اخبار کا اڈیٹر ہو گیا، اسکا یہ خیال تھا کہ ۲۷۰ آدمیون کو وطن کے فدیہ مین پھانسی دیدینا چاہیے، (مؤلف)

ہم کو اس سے غرض نہین کہ واقعۂ ماہ ستمبر کے فساد کا بانی کون تھا، ڈانٹن یا کوئی اور[1]

بہرحال اس واقعہ مین ہماری بحث کا تعلق جس بات سے ہے وہ یہ ہے کہ باغیون کی جماعت مین ایک ایسی تحریک پیدا کردی گئی جس سے اس جماعت کے تمام افراد متاثر ہوگئے، اور جماعت وحشیانہ افعال کا ارتکاب کرنے لگی،

باغیون کی یہ جماعت تین سو جلادون سے مرکب تھی جو سب کے سب مختلف ذاتون اور مختلف فرقون سے تعلق رکھتے تھے، ان مین دوکان دار، پیشہ ور، دست کار، معمار، سرکاری ملازمین، اور دلال، سبھی طرح کے لوگ تھے، اور سب ایک ہی مہیج کے زیر اثر تھے، اور سب کا اعتقاد یہ تھا کہ وہ ایک وطنی خدمت انجام دیرہے ہین، ان لوگون نے جو پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ ایک خاص عدالت کا محکمہ ایجاد کیا، اس محکمہ نے تفتیش کرکے ملزمین کی ایک فہرست تیار کی اور یہ قرار پایا کہ سب سے پہلے امرار، پادریون، ملازمین پولیس، اور سرکاری ملازمون کو قتل کرنا چاہیئے، غرض کہ جتنے لوگ اس محکمہ کے نزدیک مجرم قرار پائے وہ بلا رد و رعایت تلوار کے گھاٹ اتارے گئے، اور شہر مین ایک فتنۂ محشر خیز برپا ہوگیا، عام باشندون کے قتل کرنے کے لئے کسی خاص حکم کی ضرورت نہ تھی بلکہ قتل خود ایک قضائے مبرم تھا، لیکن خاص خاص لوگون کے قتل کے لئے علی حسب مراتب احکام صادر کئے جاتے تھے، اس فتنہ مین جس قساوت قلبی اور وحشت کا اظہار کیا گیا ہے، وہ بیان سے باہر ہے لیکن باوجود اس کے یہ عجیب بات تھی کہ اس قساوت قلبی کے مقابلہ مین لطف و مہربانی کے نمونے بھی کہین کہین نظر پڑتے تھے،

چنانچہ یہ ایک واقعہ قابل ذکر ہے، کہ اتفاق سے اس جماعت مین ایک

---

[1] صحیح یہ ہے کہ اس فساد کا بانی ایک شخص مورات نامی تھا،

شخص کو معلوم ہوا کہ قیدیون کو چھ گھنٹے سے متواتر پانی نہین ملا ہے، یہ سن کر وہ فوراً
غصہ مین آگیا اور مہتمم جیل پر جھپٹ پڑا، لیکن جب قیدیون نے خود ہی اسکی سفارش
کی تو اس نے چھوڑ دیا، اسی طرح جب عدالت سے کوئی مجرم بری کیا جاتا تو یہ لوگ بہت
خوش ہوتے اور وفورِ مسرت سے تالیان بجاتے، اور جب زیادہ وجد مین آجاتے تو
ناچنے گانے لگتے تھے، عورتون کے لئے بھی ایک جگہ مخصوص کردی گئی تھی جہان سے وہ
قتل و غارت کے مہیب منظر کا تماشہ دیکھتی تھین، لیکن جب لوگون نے یہ شکایت کی
کہ عورتون اور دیگر تماشہ بینون کو تماشہ اچھی طرح نظر نہین آتا، تو اس وقت سے یہ حکم ہوا
کہ ملزمین کو دو دو صفین گھیرے رہا کرین، اور آہستہ آہستہ چلا کرین تاکہ تماشہ بینون کی نظر
کے سامنے یہ تماشہ دیر تک رہا کرے، بعض لوگ ملزمین کو برہنہ کرکے میدانِ قتل مین
لاتے اور اس کے بعد ان کے پیٹ پھاڑتے، یہ عجیب دردناک منظر ہوتا تھا، لیکن ان
دردناک منظرون مین کہین کہین دیانت و امانت کی مثالین بھی نظر پڑ جاتی تھین،
یہ لوگ مقتولین کے مال و زر کو بالکل ہاتھ نہین لگاتے تھے، بلکہ تمام مال و زر اور
جواہر لاکر ججون کے سامنے پیش کردیتے تھے،

اس کے علاوہ جو دلائل و براہین وہ قائم کرتے تھے، وہ نہایت سادہ لوحی پر
مبنی ہوتے تھے، چنانچہ جب یہ لوگ ایکہزار دوسو یا ایکہزار پانچسو آدمیون کو (باختلافِ
روایت) قتل کرچکے تو ان کو خیال ہوا کہ دوسرے قیدخانون مین بھی بکثرت آدمی سڑ گل
رہے ہین، ان کو بھی قتل کردینا چاہئے، اور قیدخانون مین اتفاق سے جو لوگ تھے وہ
نہایت بیکس اور غریب تھے، اور زیادہ حصہ ان مین عورتون اور ناباغون کا تھا، ان
لوگون نے خیال کیا کہ یہ قیدی اگرچہ مجرم نہین ہین اور نہایت غریب اور بالکل بیگناہ ہین

لیکن ممکن ہے، کہ آگے بڑھکر یہ لوگ قوم و وطن کے دشمن نکلین، اس لئے انکو مٹا دینا ہی اچھا ہے، ان قیدیون مین ایک عورت تھی جس کا شوہر زہر دیکر مار ڈالا گیا تھا، اس متعلق بعضون نے یہ رائے قائم کی کہ یہ عورت اپنے قید ہونے پر غصہ مین توضرور ہوگی اگر کہین اتفاق سے یہ چھوڑ دیگئی تو یہ غصہ کے مارے پیرس مین آگ لگا دیگی اسلئے اس کو توضرور ہی قتل کر دینا چاہئے، اس رائے کو سب نے بسر و چشم قبول کیا اور بیچاری عورت اور اس کے ساتھ پچاس نوعمر لڑکے سترہ سترہ اٹھارہ اٹھارہ برس کی عمر کے تہ تیغ کر ڈالے گئے، اسپر بھی ان جلادون کا یہ قول تھا کہ اچھا ہوا یہ قتل کر دیے گئے ورنہ یہ اگر زندہ رہجاتے تو سب سے بڑھکر یہی قوم و وطن کے دشمن نکلتے اچھا ہوا جو ان سے نجات مل گئی،

غرض یہ مشق جفا کامل ایک ہفتہ تک جاری رہی، اور اس کے بعد جب یہ لوگ قتل کرتے کرتے تنگ آگئے تو اس وقت ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ چونکہ انھون نے وطن کی ایک بیش بہا خدمت انجام دی ہے، اس لئے انھین تمغہ اور انعام ملنا چاہئے یہ تفصیل ہے اس عبرتناک واقعہ کی،

اس واقعہ کے علاوہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے دوران مین بھی بہت سے واقعات اسی طرح کے پیش آئے اور آیندہ بھی ذرا جماعت کے اثر و غلبہ کو ترقی ہونے دو تو دیکھنا کیا کیا وقوع پذیر ہوتا ہے،

فصل سُوم

فوجداری عدالتون کی جیوریان

فوجداری عدالتون کی جیوریان، جیوری کے خصائص، عمومی اعداد
وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ جیوریون کے فیصلون پر انکی نوعیت تشکیل سے
کوئی اثر نہین پڑتا، جیوری کے ممبر کس طرح دفعۃً اثر پذیر ہو جاتے
ہین عقلی دلیل کا جیوریون کی راے پر کوئی اثر نہین پڑتا، مشہور بیرسٹر
کن کن طریقون سے جیوری کی راے پر اثر ڈالتے ہین، وہ کون سے
جرائم ہین جن کے ارتکاب کرنے والے جیوری کے جذبۂ تلطف کو اپنی
جانب جذب کر لیتے ہین، جرائم کی تحقیقات مین جیوریون کے توسط
کے فوائد اور یہ بحث کہ اگر جرائم کی تحقیقات مین جیوریون کی رایون
سے فائدہ نہ اٹھایا جائے تو عدل و انصاف مین رکاوٹ پیش آئے

چونکہ ہم جیوریون کے تمام اقسام پر اس کتاب مین مفصل بحث نہین کر سکتے،

اس لئے ذیل مین ہم صرف فوجداری عدالتون کی جیوریون سے بحث کرین گے جو مختلف جماعتون کا ایک نہایت کامل نمونہ ہوتی ہین، دیگر جماعتون کی طرح جیوریون کی جماعتین جماعت کے ان تمام اوصاف سے متصف ہوتی ہین جنکا ذکر صفحات بالا مین گذر چکا ہے، دیگر جماعتون کی طرح یہ جماعتین بھی سریع الانفعال اور متلون المزاج ہوتی ہین، دیگر جماعتون کی طرح ان جماعتون کے فیصلے بھی عقلی پہلو سے گرے ہوتے ہین، اور دیگر جماعتون کیطرح یہ جماعتین بھی اپنے اپنے لیڈرون کی تابع فرمان ہوتی ہین، غرض ان جماعتون مین بھی وہ تمام اوصاف پائے جاتے ہین جو نفس اجتماعی کا خاصہ ہین، اور جنکا تذکرہ صفحات بالا مین گذر چکا ہے،

جیوریون کی حالت کا اندازہ کرنیکی غرض سے ہماری نظر سب سے پہلے جیوریون کی تجاویز اور فیصلون پر پڑتی ہے، یہ جماعتین عموماً جو فیصلے صادر کرتی ہین، ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ چونکہ جماعت پر روشن عقلون کا کچھ اثر نہین پڑتا، اس لئے جیوریونکی تجاویز اور فیصلے بھی عقلی پہلو سے گرے ہوتے ہین، اور اگر اہل فن اور اہل علم لوگ بھی اپنے اپنے علوم و فنون کے حدود سے تجاوز کرکے فوجداری عدالتون کے مقدمات کے فیصلے تحریر کرین تب بھی ان کے فیصلے ان فیصلون سے زیادہ وقیع نہ ہون گے جو عام قابلیت کے لوگ صادر کرتے ہین، ۱۸۴۸ء کے پیشتر جیوریون کا انتخاب عموماً روشن خیال اور اہل علم طبقہ سے کیا جاتا تھا، لیکن اب اس زمانہ مین یہ بات موقوف ہوگئی ہے، اور اب ان کا انتخاب عموماً حرفت پیشہ گروہ سے کیا جاتا ہے، علماء اعداد نے شمار و اعداد سے بتایا ہے کہ جیوریون کا انتخاب خواہ کسی گروہ سے کیا جاتا ہے، انکے فیصلے ہمیشہ یکسان ہوتے ہین. بلکہ اس واقعہ کا اعتراف علماء کے علاوہ خود ججون نے بھی کئی بار کیا ہے،

موسیو ڈی گلاگو سابق جج عدالت فوجداری نے اپنی کتاب مین لکھا ہے:-

اس زمانہ مین جیوریون کے انتخاب کا حق میونسپلٹیون کو تفویض کردیا گیا ہے جو اپنے سیاسی اغراض کی بنا پر جیوریون کا انتخاب کرتی ہین اور عموماً اس زمانہ مین تجارت پیشہ طبقہ اور کم حیثیت لوگون مین سے جیوریون کا انتخاب کیا جاتا ہے، لیکن باوجود اس کے ان جیوریون کی تجاویز اور فیصلے بھی اسی رتبہ کے ہوتے ہین جس رتبہ کے ان کے پیشرو اہل علم جیوریون کے ہوتے تھے،

عبارتِ بالا سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جیوریون کی تجاویز اور فیصلے عموماً صحیح اور انصاف پر مبنی ہوتے ہین، البتہ عقلی پہلو سے ان مین ضعف ضرور ہوتا ہے، لیکن اگر فیصلے عقلی پہلو سے ضعیف ہوتے ہون، تب بھی تعجب کی کون سی بات ہے اس لئے کہ تمام بیرسٹر اور جج عموماً جماعتون کے نفسانی حالات سے ناواقف ہوتے ہین موسیو لاشانو جو عدالتِ فوجداری کا ایک کامیاب بیرسٹر تھا، ہمیشہ ججون اور جیوریون کی رائے سے مخالفت کیا کرتا تھا، لیکن، اب تجربہ سے یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ روشن خیال ججون کی رائے سے اختلاف کرنا بالکل بیکار ہوتا ہے چنانچہ اب پیرس کے بیرسٹرون نے عموماً یہ عادت ترک کردی ہے، لیکن باوجود اس کے جیسا کہ موسیو گلاگو نے تحریر کیا ہے ججون اور جیوریون کے فیصلون مین اب بھی کسی قسم کا تغیر نہین نظر آتا، اور اس زمانہ مین بھی جیوریون کے فیصلے نہ سابق فیصلون سے زیادہ منصفانہ ہوتے ہین، اور نہ نامنصفانہ،

جیوریون کی جماعت بھی، دیگر جماعتون سے اس بات مین مشابہ ہوتی ہے کہ اس مین جذبات کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے، اور دیگر جماعتون کی طرح ممبران جیوری بھی عقلی استدلال

سے اثر پذیر نہین ہوتے، ایک بیرسٹر کا مقولہ ہے کہ اگر کوئی عورت ان کے سامنے لائی جائے جو غریب ہو اور ایک بچہ کو دودھ پلاتی ہو یا اگر چھوٹے چھوٹے یتیم بچے ان کے سامنے پیش کئے جائین تو وہ جوشِ رقت سے بیتاب ہوجاتے ہین، اور جادۂ انصاف سے ہٹ جاتے ہین، موسیو گلاگو لکھتے ہین،

جیوری کی توجہ کو اپنی جانب جذب کرنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ عورت ذرا ظریف طبع ہو،

عموماً جن جرائم سے خود خوف کھاتے ہین، اور جو ہیئت اجتماعی کیلئے مضر ہوتے ہین، ان کے ارتکاب پر تو جج آپے سے باہر ہوجاتے ہین، لیکن ایسے جرائم جنکا ارتکاب محض جذبۂ محبت کی بنا پر کیا گیا ہو، اور جو ہیئت اجتماعی پر مضر اثر نہ ڈالتے ہون، انکے ارتکاب سے ججون کو کچھ خیال بھی نہین ہوتا، پس اگر انکے سامنے ایسی عورتین پیش کیجائین، جنکو بدمعاش لوگ گھرون سے بھگالے گئے ہون، تو اس پر ان کو سخت غصہ آتا ہی، کیونکہ انکے خیال مین یہ ہوتا ہے کہ جس ملک مین قانون اس قسم کے جرائم کا انسداد نہ کرے وہان گھربار بالکل محفوظ نہین رہ سکتا، اس لئے اس قسم کے جرائم پر وہ غصہ سے بیتاب ہوجاتے ہین،

دیگر جماعتون کی طرح ججون اور جیوریون کی جماعتین بھی نفوذ سے بہت جلد اثر پذیر ہوتی ہین، موسیو گلاگو نے کیا خوب کہا ہے کہ جج اور جیوری اپنے خیالات مین خواہ کتنے ہی جمہوریت کے حامی ہون لیکن عملاً وہ بالکل آزاد نہین ہوتے، حسب و نسب، دولت و ثروت شہرت، اور کسی مشہور بیرسٹر کی پیروکاری، یہ سب ذرایع ہین جن سے جج کی راے پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے،

ججون اور جیوریون کی رائے پر جس تدبیر سے اثر ڈالنا چاہیے اس کی کیفیت ایک

کامیاب انگریز بیرسٹر نے خوب بیان کی ہے جسے مین یہان نقل کرتا ہون وہ لکھتا ہے،

"سب سے پہلے بیرسٹر کے لئے لازمی ہے کہ وہ برابر جج کی رائے پر اثر ڈالنے کی کوشش کرتا رہے، تقریر تھوڑی ہو اور استدلال سے گریز کرے" تقریر کرتے وقت جج کے حرکات وسکنات کی نگرانی اور مناسب موقع ووقت کی تلاش بھی ضروری ہے، سب سے زیادہ اس بات کی نگرانی کرتے رہنا لازمی ہے کہ میرے الفاظ اور جملون سے جج کے چہرے پر کیا آثار طاری ہوتے ہین، اپنے سامنے کی صف مین جو جج بیٹھے ہون پہلے انکے چہرون کو بغور دیکھنا چاہئے پھر ان کے بعد والے ججون کے چہرے کو، آخر مین اس جج کی جانب توجہ کرنا چاہئے، جو بیرسٹر کی رائے کے خلاف ہے، اور حتی الامکان یہ کوشش کرنا چاہئے کہ کسی طرح یہ جج اپنی رائے پلٹ دے، اور یہ سب سے زیادہ مشکل کام ہے"

سطور بالا مین بیرسٹر مذکور نے گویا فن خطابت کی تلخیص کر دی ہے، اور بتا دیا ہے کہ خطیب اپنے خطبہ کے پہلے ہی حصہ مین جو کامیاب نہین ہوتا تو اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نفوس سامعین مین اس کے خطبہ سے جو اثر پیدا ہوتا ہے، اس کے مطابق اسے اپنے خطبہ مین تغیر کرنا پڑتا ہے، اس لئے خطیب کو اس وقت تک کامیابی نہین ہوتی تا وقتیکہ خطبہ کے سلسلہ مین وہ سامعین کے جذبات وخیالات کا پورا اندازہ نہ کرے، اور یہ بات خطبہ کے ابتدائی حصہ سے حاصل نہین ہوتی،

پھر یہ کچھ ضروری نہین ہے کہ بیرسٹر تمام ججون کی رایون کو اپنے موافق بنا لینے کی کوشش کرے، بلکہ صرف یہ کافی ہے کہ جو جج سب کا رئیس ہے، اسی کی رائے پر اثر ڈالا جائے

اور جہان اس نے اپنی رائے پلٹی بس فوراً اسی کی رائے کی جانب اغلبیت ہو جاتی ہے،
مذکور الصدر انگریز بیرسٹر لکھتا ہے:۔

"مجھے تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ جب فیصلہ کے تحریر کرنیکا وقت آتا ہی تو

صرف دو یا ایک ججون کی رائے دوسرون کو بھی اپنا ہمخیال بنا لیتی ہے،"

پس یہ ضروری ہے کہ ان دو یا تین ججون کو ہوشیاری سے اپنا موافق بنا لیا جائے تو فیصلہ بھی اپنے موافق ہو جاتا ہے، اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بیرسٹر پہلے ہی سے کوشش کرکے ججون کو حیرت و استعجاب مین ڈالدے، کیونکہ جماعت جب کسی شخص کو حیرت و استعجاب کی نظر سے دیکھنے لگتی ہے تو اس کے ادلہ و براہین کو خوب کان دھر کر سنتی ہے، مین نے موسیو لاشاڈ کے حالات مین حسب ذیل واقعہ پڑھا ہے جس کو مین یہان نقل کرتا ہون،

مشہور ہے کہ مشہور بیرسٹر لاشاڈ اکثر بحث کرنے مین اس بات کی بے حد کوشش کرتا تھا کہ وہ ایک جج جنکو وہ صاحب نفوذ پاتا اس کے ہمخیال بن جائین، اور اس تدبیر سے موسیو لاشاڈ اکثر کامیاب ہو جایا کرتا تھا، ایک مرتبہ اتفاق ایسا ہوا کہ کسی مقدمہ مین موسیو لاشاڈ قریب قریب ایک گھنٹہ تک بحث کرکے تھک چکا اور مختلف تدبیرون سے اس بات کی کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح ایک خاص جج جسکی رائے موسیو لاشاڈ کے خلاف تھی، اس کا ہمخیال ہو جائے جب سب تدبیرون پر عمل کر چکا اور کسی طرح کامیابی نہ ہوئی تو ایکدفعہ تقریر کرتے کرتے یکایک خاموش ہو گیا اور چیف جج سے مخاطب ہوکر کہنے لگا کہ "والا جج صاحب کی آنکھ [illegible] پر [illegible] ہے [illegible] حضت ربانی فرماکر چپکے ہو رہا دیکھنے والے یہ سمجھا تھا کہ [illegible] ہوئی

فوراً اپنی راے پلٹ کر وہ بھی لاشاڈ کا ہمخیال بن گیا،

جیوریون کے طبقہ سے ججون کو انصاف کرنے مین جو سہولت ہوتی ہے، اسکو نظرانداز کرکے اس زمانہ مین اہل صحافت وانشار کے طبقہ سے ایک فرقہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے، جو جیوریون کے نظام پر سختی سے نکتہ چینی کر رہا ہے، حالانکہ اس کو یہ معلوم نہین کہ ججون کی جماعت سے جو غلطیان سرزد ہوتی ہین، ان کی نگرانی جیوریون ہی کی جماعت کرتی ہے، بخلاف اس کے بعضون کی یہ رائے ہے کہ جیوری کے طبقہ کو بحال تو رکھنا چاہیے، مگر صرف روشن خیال طبقہ تک اس کے دائرہ کو محدود کر دینا چاہئے لیکن ہم اوپر بیان کر چکے ہین کہ تجویز اور فیصلہ کا جہان تک تعلق ہے روشن خیال اور غیر روشنخیال دونون طبقے اس بارے مین یکسان ہین،

لیکن ایک فرقہ اور ہے جسکی راے یہ ہے کہ چونکہ جیوریون سے غلطیان واقع ہوتی ہین، اس لئے ان کو قاضی اور جج بنا دینا چاہیے، میری سمجھ مین نہین آتا کہ یہ لوگ جن غلطیون کا انتساب جیوریون کے جانب کرتے ہین انھین یہ نہین معلوم کہ اسی قسم کی غلطیان ججون سے بھی سرزد ہوتی ہین، مجرم جب ان کے سامنے لایا جاتا ہے تو وہ اول ہلہ مین اسکی بابت مجرم ہونیکی راے قائم کر لیتے ہین، پس اگر جیوریون کو نظرانداز کرکے آخری فیصلہ کا حق صرف ججون کو تفویض کر دیا جائے، تو بیچارہ مجرم اپنی بریت کی کوشش کس طرح کریگا یہ صحیح ہے کہ جیوریون سے غلطیان ہوتی ہین، لیکن جیوری سے پہلے خود جج غلطی کا ارتکاب کرتے ہین پس اصل الزام خود ججون پر ہے حال ہی مین یہ واقعہ گذرا ہے کہ ایک ڈاکٹر پر ایک نوجوان سادہ لوح عورت نے یہ الزام قائم کیا تھا کہ اس نے تیس فرنک کے عوض مین اسکا حمل ساقط کر دیا، اس بیان کو سنکر ججون نے فوراً اسکے لئے سزا تجویز کر دی، اگر رائے عام اس فیصلہ کے خلاف نہوتی

تو وہ بیچارہ ماخوذ ہوکر جیل مین جا چکا تھا، اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ باوجودیکہ لوگ عام طور پر مجرم کو بری سمجھتے تھے، لیکن ججون کو خواہ مخواہ اس کے مجرم ہونے پر اصرار تھا، حاصل یہ ہے کہ جب کوئی مقدمہ پیچیدہ ہوتا ہے تو چونکہ جیوریون کو اس کے اصلی حالات کا علم کم ہوتا ہے، اس لئے وہ مجبور ہوکر ججون کی رائے سے اتفاق کر لیتے ہین، کیونکہ وہ دیکھتے ہین کہ یہ لوگ خود ان مسائل سے خوب واقف ہین، یہ کیا غلطی کرین گے، پس اب بتاؤ کہ اصلی خطاوار کون ہوتا ہے، ممبرانِ جیوری یا خود جج صاحبان حقیقت یہ ہے کہ جسطرح ہم نفیس چیزون کی قدر کرتے ہین، اسی طرح ہمکو جیوریون کی جماعت کی قدر کرنا چاہیے، کیونکہ صرف یہی ایک طبقہ ہے جو قانون کی سختی اور شدت کا مقابلہ کر سکتا ہے، قانون کے دفعات تو بالکل مطلق اور عام ہوتے ہین، ایمین شواذ و نوادر کا کچھ لحاظ نہین ہوتا، اور جج صرف قانونی صراحت کی پابندی کرتے ہین، ان کو اس بات کا خیال نہین ہوتا کہ ایک شخص جو بھولی بھالی لڑکی کو بھگا کر لے گیا، اور پھر اس نے اسکو چھوڑ دیا، ان دونون مین سے لڑکی مجرم نہین ہے، بلکہ بھگانیوالا مجرم ہے، بخلاف ممبرانِ جیوری کے کہ وہ اسبات کو خوب سمجھتے ہین کہ اس لڑکی سے زیادہ وہ شخص مجرم ہے، جو اس کو بھگا کر لے گیا،

یہ تفصیل ہے جیوریون کی جماعت کے نفسیات کی، اور مجھے تو فی الواقع جیوریون کی جماعت غلطی کا ارتکاب کرتے ہوئے نظر نہین آتی، بلکہ میرے نزدیک تو جج زیادہ غلطیان کرتے ہین، ججون کی حالت اس جماعت کی سی ہوتی ہے، جو لینت اور شفقت کے مفہوم سے ناآشنا ہوتی ہے، اور جیوری کی حالت اس جماعت کی ایسی ہے، جو مجسمہ شفقت اور ہمہ تن رحم ہوتی ہے،

فصل چہارم

ووٹ دینے والی جماعتین

ووٹ دینے والی جماعتون کے خصائص عمومی، یہ بحث کہ امیدوار انتخاب کو کن اوصاف کا جامع ہونا چاہیے، امیدوار انتخاب کے لئے نفوذ کی ضرورت، یہ بحث کہ اجرت پیشہ اور صنعت پیشہ گروہ اپنے مین سے نائب شاذونادر کیون منتخب کرتے ہین، منتخب کرنیوالی جماعتون پر الفاظ اور جملون کا کتنا اثر پڑتا ہے، منتخب کرنے والی جماعتون کی رائے کیونکر قائم ہوتی ہے، سیاسی کمیٹیون کا اثر، سیاسی کمیٹیان مجسمۂ استبداد ہوتی ہین، واقعۂ انقلاب فرانس کی کمیٹیان، اس بات کا سبب کہ اگر حقِ انتخاب کو ایک خاص طبقہ تک محدود کر دیا جائے تب بھی وہ نتیجہ کیون حاصل ہوگا، جو حقِ انتخاب کو عام کر دینے کے وقت ہوتا ہے، مختلف اقوام مین ووٹ دینے کے حق کا کیا مطلب ہے،

وہ جماعتین جو کسی خاص غرض کے لئے نائب منتخب کرتی ہین، جماعات مختلفۃ العناصر کا مکمل نمونہ ہوتی ہین یعنی جن افراد سے ان جماعتون کی تشکیل ہوتی ہے، وہ مختلف نسل اور مختلف پیشہ کے لوگ ہوتے ہین، ان مین تجارت پیشہ بھی ہوتے ہین، اہل فضل و کمال بھی ہوتے ہین طبقۂ متوسط اور طبقۂ اعلی کے افراد بھی شریک ہوتے ہین، غرض یہ جماعتین مختلف النسل اور مختلف الخیال لوگون کا معجون مرکب ہوتی ہین، لیکن چونکہ ان جماعتون کا وظیفۂ عمل مخصوص دائرۂ انتخاب مین محدود ہوتا ہے، اس لیے ان جماعتون مین ان تمام اوصاف کا پایا جانا ضروری نہین جو دیگر جماعتون مین پائے جاتے ہین، بلکہ ان مین صرف حسب ذیل مخصوص اوصاف پائے جاتے ہین،

(۱) ضعف عقلی،

(۲) فقدان ملکۂ انتقاد،

(۳) سرعت غضب،

(۴) زود اعتقادی

(۵) سادہ لوحی و اثر پذیری،

اس کے علاوہ ان جماعتون کے تجاویز مین ان تمام عوامل کے اثرات بھی صاف نمایان ہوتے ہین، جنکا ذکر اوپر گذر چکا ہے یعنی قواد کا اثر اور ادعا، و تحکم و تکرار وغیرہ کے اثرات

ان جماعتون کے عمومی اوصاف کی تشریح کرنے کے بعد اب ہم اس امر سے بحث شروع کرتے ہین، کہ بحث و استدلال مین ان جماعتون کا طریق کار کیا ہوتا ہے، اور یہ جماعتین کس قسم کے دلائل سے اثر پذیر ہوتی ہین،

سب سے پہلے یہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ جو شخص امیدوار انتخاب ہے، اس کی

ذات مین نفوذ کا پایا جانا ضروری اور کامیابی کے لئے شرط اولین ہے لیکن اگر یہ شخص نفوذ وہبی سے محروم ہے تو اس کا قائم مقام وہ نفوذ ہو سکتا ہے جو ثروت و دولت سے حاصل ہوا ہو، علمی اور دماغی قابلیتون سے جو نفوذ پیدا ہوتا ہے، وہ اکثر بیکار ہوتا ہے، نفوذ ایک قوت ہے کہ جو شخص اس قوت سے بہرہ ور ہوتا ہے، وہ بلا پس و پیش لوگون کو اپنے موافق ووٹ دینے پر مجبور کر ہی لیتا ہے، لیکن چونکہ تجارت پیشہ اور مزدوری پیشہ گروہ مین سے کسی شخص کو نفوذ حاصل نہین ہوتا، اس لئے یہ گروہ اپنے مین سے قائم مقامون کو کم منتخب کرتے ہین اور اگر کبھی منتخب بھی کرتے ہین تو محض اس لئے کہ اپنے فریق مخالف صاحب رتبہ امیدوار انتخاب کو نقصان پہونچایا جائے،

لیکن ایک حد تک صرف نفوذ ہی کامیابی کا آلہ نہین ہوتا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ امیدوار انتخاب لوگون کو اس بات کی امید دلائے کہ اگر وہ منتخب ہو گیا تو لوگون کی خواہشین پوری کریگا، مگر اس مین اتنا تجاوز نکرے کہ اس کی امیدین خلاف عقل اور محال آنے لگین، اب اس کے مقابل مین فریق مخالف پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ بذریعۂ ادعا و تحکم و تکرار یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ میرا مخالف اور مقابل نہایت بدنفس ہے، اس نے جتنی امیدین دلائی ہین وہ کبھی پوری نہ کریگا، پس اگر پہلا امیدوار جماعت کے نفسانی حالات سے ناواقف ہوا تو وہ فوراً ادعا و تحکم کی بجائے دلائل و براہین سے ان الزامات کی تردید اور اپنی ذات کی بریت کریگا، یہان تک کہ آخر کار وہ ناکامیاب ہو جائیگا،

اس کے علاوہ اُمیدوار انتخاب کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اپنے انتخاب کے بعد جو جو اعمال انجام دینا چاہتا ہے اپنی اسپیچ مین ایک طول طویل فہرست اُنکی

اعمال و اصلاحات کی ضرورت پیش کردے، اگر اس نے اسپیچ دیتے وقت کوئی فہرست پیش کر دی ہے تو مجمع متاثر ہو جائیگا، اور اس کے بعد منتخب کرنیوالے لوگ خود فراموش کرجائین گے کہ ان کے منتخب کردہ قائم مقام نے کن کن باتون کا وعدہ کیا تھا، اور آیا اس نے وہ وعدے پورے بھی کیے یا نہین،

غرض تقریر بالا سے یہ معلوم ہوگیا کہ امیدواران انتخاب اپنی اپنی جماعتون کو کس طرح اثر پذیر کرتے ہین اور منتخب کرنیوالی جماعتون پر بعض خاص الفاظ اور جملون کا کتنا اثر پڑتا ہے، جو الفاظ جماعتون پر اثر کرتے ہین، ان کے نمونہ کے لئے چند الفاظ حسب ذیل ہین "راس المال" "یہ لوگ دغاباز ہین" "مال تمام افراد مین تقسیم کردیا جائے" یہ اور اسی قسم کے دیگر جملے اور الفاظ مجمع پر زیادہ اثر کرتے ہین، اور جو امیدوار انتخاب قلوب کو اپنے جانب جذب کرنے اور مجمع پر اثر ڈالنے کی تدبیرون سے واقف ہوتا ہے، وہ یقیناً اس قسم کے جملون کو استعمال کرکے کامیابی حاصل کرلیتا ہے، اسپین مین ۱۸۷۳ء مین جو شورش برپا ہوئی تھی، اس کے باعث اسی قسم کے چند مبہم الفاظ تھے، ہم یہان اس واقعہ کی پوری کیفیت اس زمانہ کے ایک مصنف کی زبانی بیان کرتے ہین، وہ مصنف لکھتا ہے:-

انتہا پسند جماعت کو خیال گذرا کہ جمہوریت ایک قسم کی شخصی
سلطنت کا نام ہے اور جمہوریت کی آڑ مین چند خود غرض حکومت
کرین گے، اس لئے انھون نے جمہوریت کی مخالفت شروع
کی، لیکن قوم پرست اعتدال پسند پارٹی نے انتہا پسندون کو اس
بات پر راضی کرلیا کہ جمہوریت اس طرز کی قائم

یکجائگی جیسی امریکہ مین ہے، یہ خیال ذہنون مین کچھ ایسا راسخ
ہوگیا کہ اب ہر شخص یہی کہنے لگا کہ بیشک اسی طرح کا طرز حکومت اسپین
کی سرسبزی اور ترقی کیلئے ضروری ہے لیکن باوجود اسکے ہر شخص
ان الفاظ کے معنی جدا جدا سمجھتا تھا بعض لوگ تو اس کا یہ مطلب
سمجھتے تھے کہ اب تمام صوبے آزاد کرکے مستقل حکومت بنا دیے جائین
بعض یہ سمجھتے تھے کہ اسپین مین ولایات متحدہ امریکہ کا نظام حکومت
قائم کیا جائیگا، ادھر اشتراکیون نے بارسلونا اور اندلس مین ہر ہر
گاؤن اور ہر ہر دیہات کی آزادی کا اعلان کردیا اور یہ صدا بلند
کی کہ اسپین کے ہر صوبے سے دس ہزار کی تعداد مین نائب و قائم مقام
منتخب کئے جائین جو ملک پر حکومت کرین، نیز یہ کہ فوج اور
پولیس برطرف کردیجائے، تھوڑے عرصہ مین اشتراکیون کے اس
فتنہ سے اسپین کے ہر ہر صوبہ مین بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی
اور ہر ہر شہر مین ایک مستقل حکومت قائم ہوگئی، تار کے جال کاٹ
ڈالے گئے، ریل کی پٹریان اکھاڑ ڈالی گئین، اور دار الحکومت
میڈرڈ سے بڑے بڑے شہرون کا سلسلۂ رسل و رسائل منقطع
ہوگیا اور ہر طرف توحش اور بربریت کے آثار نمایان ہونے لگے،،

منتخب کرنیوالی جماعتون پر عقلی استدلال کا اثر جو کم پڑتا ہے اس سے انکار کرنا گویا
جماعت کے نفسانی حالات سے ناواقفیت کا اظہار کرنا ہے، ان مجامع مین بدگوئی، سب و شتم
طعن و تشنیع، اور تحکمانہ خطابت، کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے، تقریرین جو کیجاتی ہین،

ان مین دلائل و براہین کا نام تک نہین ہوتا، ہان کبھی یہ دیکھا جاتا ہے، کہ ان مجامع مین مقرر نے دلائل و براہین پیش کیے اور مجمع پر سکون کی کیفیت طاری رہی، لیکن یہ بھی اس وقت ہوتا ہے جب مجمع کے اندر سے کوئی شخص اٹھکر مقرر سے سوال کر بیٹھتا ہے تو اس سے سامعین متلذذ ہوتے ہین اور تھوڑی دیر کے لئے مجمع پر سکون طاری ہوجاتا ہے، مگر یہ لذت بھی دیرپا نہین ہوتی، بلکہ سائل کی آواز مجمع کے غیر معمولی شور و غل کے اندر بالکل گم ہوجاتی ہے، مین اپنے دعوی کی شہادت مین ایک اخبار سے لیکر اسی قسم کا واقعہ درج کرتا ہون،

ایک مرتبہ کسی قائم مقام کو منتخب کرنیکی غرض سے ایک مجمع مجتمع ہوا، انارکسٹ طبقہ نے اس بات کی کوشش کی کہ وہ پہلے سے پہونچکر مقام اجتماع کو اپنے افراد سے پُر کرلے تاکہ اس کے مفاد کے خلاف انتخاب عمل مین نہ آئے اور اشتراکیون نے بھی اسی تدبیر پر عمل کرنا چاہا، یہان تک کہ اسی مخالفت اور رد و قدح مین دونون فریقون مین ڈبھیڑ ہوگئی، پھر کیا تھا، سب و شتم، طعن و تشنیع کی خوب گرم بازاری ہوئی، اس اثنا مین کمیٹی کا انعقاد ہوا اور ایک شخص کا انتخاب بھی قرار پاگیا، اشتراکیون نے جب یہ دیکھا کہ ان کے مفاد کے خلاف انتخاب ہوگیا ہے، تو انھون نے اس منتخب شدہ قائم مقام کے خلاف کارروائی شروع کی اور اسکی ذات پر حملے کرنے لگے لیکن اشتراکیون کے الزامات کا جواب اسپیکر نے ایک بسیط تقریر مین یہ دیا کہ اشتراکیون کی جماعت نہایت نادان اور احمق ہے

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ مزید وضاحت کی غرض سے اور درج کیا جاتا ہے۔

"۱۱ مئی کی پہلی تاریخ فرانس کی جرمن پارٹی نے ایک جلسہ کے انعقاد کا اعلان کیا جس کے متعلق یہ پہلے ہی سے طے کر دیا گیا تھا کہ نہایت سکون اور خاموشی کے ساتھ منعقد ہوگا، لیکن جب جلسہ منعقد ہوا تو ایک وطن پرست اسپیکر نے اپنی اسپیچ مین اشتراکیون پر اس قسم کے سخت حملے کرنا شروع کیے کہ "اشتراکی فرقہ کے لوگ لچے بدمعاش ہین،" یہ ہونا تھا کہ اسپیکرون مین باہم خوب طعن و تشنیع ہوئی حتی کہ سب و شتم سے جوتی پیزار تک نوبت پہونچ گئی اور اسی سلسلہ مین کرسیان اور میزین بھی اچھلنے لگین"

لیکن امثلۂ بالا سے یہ نتیجہ نہ اخذ کرنا چاہئے کہ یہ طرزِ خطابت کسی ایک فریق کے ساتھ مخصوص ہے اور روشنخیال لوگون کے مجمع سے اس قسم کے غیر مہذب اور ناشائستہ حرکات صادر نہین ہوتے، بلکہ (جیسا کہ مین بیان کر چکا ہون) جماعت مین داخل ہو کر افراد کے قوائے عقلی ماند پڑ جاتے ہین، پس اس بنا پر اگر روشنخیال اور اہل علم لوگونکا مجمع ہو تو اس سے بھی اسی قسم کے افعال صادر ہون گے، اس کی شہادت مین ہم اخبار ٹیمس سے ایک ایسے جلسہ کا حال اقتباس کر کے درج کرتے ہین جسمین صرف طالبعلمون کا مجمع تھا،

"جب رات زیادہ آگئی تو لوگون مین سخت اضطراب پیدا ہونے لگا اور حالت یہ ہو گئی کہ ادھر خطیب کی زبان سے الفاظ نہین نکلے اور ادھر اس پر طعن و تشنیع شروع ہو گئی، کسی طرف تالیان پٹنے لگین، ایک طرف سے سیٹیون کی آوازین نغمہ کی کیفیت پیدا کرنے لگین، ساہین

مین غل وشور برپا ہو گیا، اور ایک طرف سے "بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ" کی صدائین
بلند ہوئین اسی اثنا مین ایک دوسرا خطیب کھڑا ہوا، اور اس نے
مجمع کو بہت ملامت کی کہ یہ بہت بیجا اور غیر مہذب حرکات ہین جو
اس مجمع کے شایانِ شان نہین"

اب اس جگہ ایک یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس اژدہام وہجوم اور شور وشغب کی حالت مین انسان کے حواس کس طرح برقرار رہ سکتے ہین اور وہ کسی مسئلہ پر رائے کس طرح قائم کرسکتا ہے؟ لیکن اگر یہ پیش نظر کرلیا جائے کہ اس قسم کے مجامع مین ہر شخص کو آزادی حاصل ہوتی ہے، نیز یہ کہ مجمع کی رائے جو قائم ہوتی ہے تو کسی عقلی استدلال کی بنا پر نہین بلکہ تسلط اور غلبہ کی بنا پر قائم ہوتی ہے، اور یہ غلبہ مختلف قوتون اور مختلف پارٹیون کا ہوتا ہے جن پر چند مخصوص ذی نفوذ اصحاب قابض ہوتے ہین تو اس وقت اس خیال کی کوئی اصلیت نہ رہیگی، اور صاف کھل جائیگا کہ اس مجمع مین ہر شخص کی رائے تابع ہوتی ہے اپنی پارٹی کے رئیس کی رائے کے اور ہر شخص کو ہر مسئلہ مین رائے زنی کرنیکے لئے غور نہین کرنا پڑتا ہو سیوشیر جو زمانہ حال مین جمہوریت پرست گروہ کا رئیس ہے کیا خوب کہتا ہے کہ۔

"تم جانتے ہو کہ انتخاب کرنے والے مجمع کی کیا حقیقت ہے؟ یہ جماعتین ہمارے
آئین وقوانین کی کنجیاں اور سیاسی ہتھیار ہین! اس وقت اگر فرانس مین
کوئی حکومت ہے تو انہین پارٹیون اور جماعتون کی ہے"

یہی بات ہے کہ ان پارٹیون پر تسلط اور غلبہ حاصل کرنا سخت مشکل ہوتا ہے، خصوصاً اگر امیدوارِ انتخاب صاحبِ ثروت ہو تو اس وقت اس کا مقابلہ کرنا سخت دشوار ہوجاتا ہے، صرف تین ملین فرانک کے مالک ہونیکی بدولت جنرل بولنگر کا انتخاب کئی مرتبہ ہوا

یہ تفصیل ہے منتخب کرنے والی کمیٹیون کے نفسانی حالات کی، تم نے دیکھ لیا کہ اس قسم کی جماعتون کے نفسانی کیفیات دیگر جماعتون کے نفسانی کوائف سے جدا نہین ہوتے،

لیکن باوجود اس کے مین یہ نہین کہتا کہ عام انتخاب کا طریقہ جو آجکل رائج ہو گیا ہے بہتر ہے، اگر انتخاب کے حقوق مجھے تفویض کر دیے جائین، تو مین خود انتخاب عام کے حق کو وسعت دون گا، لیکن باوجود تمام مضرتون کے مین انتخاب عام کو [illegible] کی تائید بعض عملی وجوہ کی بنا پر کر رہا ہون جو حسب ذیل ہین،

بلا شبہہ اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ انتخاب کے عام ہونے سے جو مضرتین [illegible] ہین، وہ اظہر من الشمس ہین، یہ کتنی بڑی مضرت ہے کہ چونکہ جماعتون کی زمام قوم کے چند افراد کے ہاتھون مین ہوتی ہے جو عقلی حیثیت سے برتر ہوتے ہین، اس لئے گو حق انتخاب عام کیا جائے لیکن قومی تہذیب انھین ذی نفوذ اور صاحب اثر لوگون کے ہاتھون مین ایک کھلونے کی طرح رہتی ہے، یہ لوگ جب چاہین اسے بگاڑین اور جب چاہین سنواریں اور قوم کے ادنی طبقات کو گو حق انتخاب حاصل ہو وہ کچھ نہین کر سکتے اور اپنے حق کو عملاً استعمال نہین کر سکتے، قوم مین ان کی کوئی قدر و قیمت ہی نہین ہوتی بجز اس کے کہ انکی وجہ سے مجمع زیادہ ہو جاتا ہے، پھر دوسری مضرت یہ ہے کہ جماعت جو رائے قائم کر تی ہے وہ اکثر اوقات پر خطر ہوتی ہے، ہمارے ملک مین وقتاً فوقتاً جتنے فتنے برپا ہوئے ہین انکا باعث جماعت ہی کا اثر و غلبہ تھا،

[illegible] حق انتخاب کو عام کر دینے کی بنا پر یہ مضرتین پیدا ہوتی ہین لیکن اگر عقلی حیثیت [illegible] پر نظر ڈالی جائے، تو ان [illegible] کی کوئی قدر و قیمت باقی [illegible]

[illegible] کی مخالفت [illegible] قوم [illegible] مین سخت [illegible]

پیش آتی ہین، دیکھو! قرون متوسطہ مین مذہبی عقائد کو کس قدر غلبہ حاصل تھا کہ کوئی انکی مخالفت مین آواز نہین بلند کرسکتا تھا، تسلطِ جماعت اور حقِ انتخاب عام کا عقیدہ بھی اس قسم کا عقیدہ ہے جس نے ان اگلے عقائد کی طرح اس زمانہ مین ذہنون پر تسلط حاصل کرلیا ہے، قرونِ متوسطہ مین کسی آزاد خیال سے آزاد خیال کے ذہن مین کبھی کیا یہ گذر سکتا تھا کہ وہ اپنے زمانہ کے غیر معقول مگر مستحکم عقائد کی مخالفت مین آواز بلند کرے؟ کیا اس زمانہ کا کوئی شخص وجودِ شیطان اور حرمتِ یوم سبت کے انکار کی آسانی سے جرأت کرسکتا تھا؟ اگر کوئی شخص ایسا ہوتا تو یقیناً وہ مذہبی عدالت کے سامنے پیش کیا جاتا، جہان الحاد و کفر کے الزام مین ماخوذ کرکے وہ زندہ جلادیا جاتا، بعینہ اسی طرح کا غلبہ ہمارے زمانہ مین حقِ انتخاب عام اور تسلطِ جماعت کے عقیدہ کو بھی حاصل ہوگیا ہے، اسپیکر اپنے خطبون مین، اہل صحافت اخبارات کے کالمون مین اس عقیدہ کا تذکرہ اس جلالت و احترام کے ساتھ کرسکتے ہین جو کسی بادشاہ کو بھی کسی وقت نصیب نہوا ہوگا، پس اس عقیدہ کو اپنے حال پر چھوڑ دو، زمانہ خود دیکھ لیگا کہ اس عقیدہ کی مخالفت مین کارروائی کرنا گویا اپنی ہلاکت کا موجب ہونا ہے،

موسیو ٹاکویل نے کیا خوب لکھا ہے :-

,, عہدِ مساوات مین کسی شخص کو کسی کے ساتھ اعتقاد باقی نہین رہتا، کیونکہ سب کی حالت یکسان ہوجاتی ہے لیکن اس مساوات کی ابنا پر یہ عام اعتقاد پیدا ہوجاتا ہے کہ جمہور کی راے کے آگے سرِ تسلیم خم کردینا چاہیئے، اور لوگون کے ذہنون مین یہ بات راسخ ہوجاتی ہے کہ ایک جم غفیر کی راے کسی طرح غلط نہین ہوسکتی،،

بعض لوگون کا یہ خیال ہے، کہ اگر حقِ انتخاب کے دائرہ کو صرف اہل الرائے لوگون تک محدود کر دیا جائے، تو اس وقت وہ مضرتین نہ پیدا ہونگی جو اس حق کو عام کر دینے سے پیدا ہوتی ہین، لیکن مین اس خیال کو ایک لمحہ کیلئے بھی تسلیم نہین کر سکتا، مین اس کتاب مین متعدد مقامات پر بیان کر چکا ہون کہ جماعت کی تشکیل خواہ کسی قسم کے افراد سے ہوئی ہو، اسکی عقلی اور دماغی حالت حد درجہ انحطاط پذیر ہوتی ہے، پس اس کلیہ کے مطابق اگر فرض کیا جائے کہ ایک کمیٹی مین چالیس ممبر شریک ہین جنمین سے کوئی بیرسٹر ہے، کوئی پروفیسر ہے، تو میرے خیال مین اس کمیٹی کی تجاویز اور فیصلے کسی طرح اس دوسری مجلس کے فیصلون سے بہتر نہ ہون گے جس کے ممبر معمولی درجہ کے لوگ ہین، میرے ذہن مین یہ بات کسی طرح نہین آتی کہ (مثلاً) جمہوریت کے فوائد کے متعلق اس زمانہ مین جو اجماع عام ہو گیا ہے اسمین تغیر ہو جائیگا، اگر رائے دینے والے لوگ اہل علم طبقہ سے ہون گے، کیونکہ اجتماعی احوال و کیفیات سے متعلق لوگ جو رائے قائم کرتے ہین تو اس وجہ سے نہین کہ ان رائے دینے والے لوگون مین فلان شخص یونانی زبان سے واقف ہے اور فلان پروفیسر ہے، یا فلان ڈاکٹر ہے، ان پیشون اور ذاتی حالات کو ظاہر ہے کہ رائے دینے مین کوئی دخل نہین ہوتا، یہی دیکھو کہ ہمارے ملک کے علمائے اقتصاد مین کتنے مدرس اور کتنے علمی سوسائٹیون کے ممبر ہین، لیکن باوجود اس کے کبھی تم نے یہ بھی دیکھا کہ ان سب کا اتفاق کبھی کسی ایک مسئلہ پر بھی ہوا،

اس وجہ سے میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر حقِ انتخاب کو اہل علم اور تعلیم یافتہ طبقہ تک محدود کر دیا جائے تب بھی نتیجہ وہی ہو گا جو حقِ انتخاب کو عام کرنیکی حالت مین ہوتا ہے، کیونکہ ان اہل علم حضرات کو بھی اپنے مخصوص جذبات و منافع کی بنا پر رائے

فصل پنجم

نیابی مجالس (یعنی پارلیمنٹین)

نیابی مجالس کے بہت سے خصائص وہ ہین جو دیگر مختلف العناصر جماعتون مین بھی پائے جاتے ہین، نیابی مجالس کی سادہ لوحی، اثرپذیری اور اس کے حدود، مجالس نیابی کی وہ کونسی رائین ہوتی ہین جنمین تغیر نہین ہوتا اور وہ کون سی رائین ہین جنمین تغیر ہوتا ہے، نیابی مجالس کی رایون مین اضطرابی کیون پایا جاتا ہے، نیابی مجالس مین مختلف پارٹیون کے لیڈرون کی حالت اُن کے نفوذ کے اسباب، ان مجالس مین تمام ممبر اپنے اپنے لیڈرون کی رائے کی پیروی کرتے ہین، لیڈرون کے عناصرِ خطابت، الفاظ اور جملون کا اثر، یہ لازمی ہے کہ لیڈر تنگ نظر ہون اور اپنی رائے کو استدلال کیساتھ پیش کرین جس خطیب کا نفوذ نہین ہوتا اس کی رائین نیابی مجالس مین مشکل سے قبول کیجاتی ہین، نیابی جماعتین اپنے جذبات و مشاعر مین مبالغہ پسند ہوتی ہین، کن اوقات مین نیابی مجالس مین مذکورۂ بالا اوصاف نہین پائے جاتے،

فنی مسائل مین ماہرینِ فن کی رائے کا اثر، نظام نیابی کے منافع ومضرات،
گو یہ نظام موجودہ ضرریات کا متکفل ہے، لیکن اس نظام سے دو مضرتین
پیدا ہوتی ہین، اسرافِ مال، تحدید حریت، کتاب کا خلاصہ،

مجلس نیابی اس جماعت سے عبارت ہے جو مختلف الجنس، مختلف الخیال، اور مختلف العقیدہ افراد پر مشتمل ہو، گو مختلف ممالک مین ان مجلسون کی تشکیل کے طریقے جدا جدا ہین، تاہم تمام ممالک مین ان مجالس کے نفسانی خصائص یکسان ہوتے ہین، اور ان مین قومی خصائص کا اثر نمایان رہتا ہے، لیکن چونکہ ان مختلف ممالک کی نیابی جماعتون کے فیصلے اور تجاویز بھی قریب قریب یکسان ہوتی ہین، اس سلئے ان حکومتون کو ایک ہی قسم اور ایک ہی طرح کی صعوبات اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے،

موجودہ زمانہ مین تمام قومون کا آخری مطمحِ نظر جس کے حاصل کرنے کا تمام قومون کو اشتیاق ہے، نظام نیابی ہے، لوگون کے ذہنون مین یہ بات خوب راسخ ہوگئی ہی کہ جبر کام کو چند لوگ ملکر انجام دیتے ہین وہ نہایت استقلال اور عمدگی کیساتھ انجام پاتا ہے،

نیابی مجالس مین بھی گو وہ تمام اوصاف پائے جاتے ہین جو معمولی جماعت کے خصائص مین سے ہین، مثلاً سادہ لوحی، اثرپذیری، مبالغہ پسندی، قواد کا نفوذ، وغیرہ، مگر اتنا فرق ہی کہ نیابی مجالس مین بعض اوصاف ایسے بھی پائے جاتے ہین، جو دیگر جماعتون مین نہین ہوتے،

مجالس نیابی کے اہم اوصاف مین سب سے پہلا وصف سادہ لوحی، اور ضعف عقلی ہے جو ان مجالس کی تمام پارٹیون مین یکسان پایا جاتا ہے، اور خصوصاً لاطینی قومون مین،

تو یہ وصف اتنا ترقی پذیر ہے کہ یہ قومین تمام پیچیدہ اجتماعی مسائل کو چند سادہ اصولون سے حل کرتی ہین، یہ ظاہر ہے کہ یہ سادہ اصول مختلف پارٹیون کی اختلاف رائے کی بنا پر مختلف ہوتے ہین، لیکن انسان جماعت مین شامل ہوکر ان اصول کا اندازہ انکی اصلی قدر وقیمت سے زیادہ کرتا ہے، اور اپنی خیالی دنیا مین وہ نتائج کی آخری حدتک پہونچ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نیابی مجالس کی تجویزین اور رائین اکثر یکطرفہ ہوا کرتی ہین،

ہم نیابی مجلس کے وصف سادہ لوحی اور ضعف عقلی کی مثال مین واقعۂ انقلاب فرانس کی اس مذہبی جماعت کو پیش کرسکتے ہین، جو محض اس وجہ سے کہ اس کا دماغ عقلی دلائل وبراہین سے پُر تھا، اپنے چند خیالی اصول کو خارجی معاملات اور حالات پر منطبق کیا کرتی تھی، ان لوگون کی حالت یہ تھی کہ ان کے خیالی اصول انکے رہبر تھے، اور وہ یہ سمجھتے تھے، کہ ان خیالی اصول کی بنا پر ہم ایک جدید اجتماعی حالت پیدا کرکے قوم کو معراج ترقی پر پہونچا دین گے، وہ اپنے ان خوابون کو پورا کرنے کے لئے چند معمولی وسائل اختیار کرتے تھے، اور جب ان کو کوئی مصیبت درپیش ہوتی تو وہ اس مصیبت کو دفع کرنے کی کوشش کرتے تھے،

نیابی مجالس کا دوسرا اہم وصف یہ ہے کہ وہ بہت جلد دوسرون کی رائے سے اثر پذیر ہوتی ہین، اور گو نیابی مجالس اس وصف مین دیگر جماعتون کے مشابہ ہوتی ہین یعنی یہ کہ جس طرح دیگر جماعتین اپنے لیڈرون کے زیر فرمان ہوتی ہین اسیطرح نیابی مجالس کی بھی ہر پارٹی اپنے لیڈرون کے زیر اثر ہوتی ہے، لیکن اس بات مین نیابی مجالس کی قابلیت ایک خاص حدتک محدود ہے، جسے ذیل مین بیان کرتا ہون،

مجالس نیابی کے ہر ہر ممبر کی رائے اپنے مسائل متعلقہ مین اس قدر مستحکم ہوتی ہے، کہ اس کا اپنی جگہ سے ہلانا دشوار ہوتا ہے، اور کوئی دلیل و حجت اس کو نہین توڑ سکتی، اگر ڈیماستھنیز بھی اپنی قبر سے اٹھکر چلا آئے تو وہ بھی اپنے زورِ خطابت پر کسی ممبر کی راے کو نہین بدل سکتا، بات یہ ہوتی ہے، کہ جن لوگون نے اس ممبر کو منتخب کر کے پارلیمنٹ مین بھیجا ہے، ان کا اثر اس پر اس قدر قوی ہوتا ہے کہ یہ ممبر دوسرون کی رائے سے متاثر ہونیکی قوت کھو بیٹھتا ہے، یہی اثر ہے جس سے متاثر ہوکر انگریزی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے ایکبار کہا تھا کہ "مین پچاس سال تک ویسٹ منسٹر مین بحیثیت ممبر پارلیمنٹ بیٹھا ہون، اور اس عرصہ مین ہزارون خطبے سنے ہین جنمین سے بعض خطبون کو سنکر میرے بعض خیالات مین تغیر بھی ہوا، لیکن کوئی خطبہ ایسا نہ تھا جو ووٹ دیتے وقت میرے قرار دادہ ووٹ مین تغیر کر سکا ہو"

البتہ جب کسی عام مسئلہ پر بحث شروع ہوتی ہے، مثلاً انقلابِ وزارت یا کسی جدید ٹیکس کا اضافہ وغیرہ تو اس وقت لوگون کے خیالات مین بیشک اضطراب پیدا ہوجاتا ہے، اور مختلف پارٹیون کے لیڈرون کا نفوذ کام کرنے لگتا ہے، لیکن باوجود اس کے اس نفوذ کا اثر اتنا قوی نہین ہوتا جتنا عادتاً دیگر جماعتون مین ہوتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نیابی مجالس مین مختلف پارٹیان ہوتی ہین، اور ہر پارٹی کے قائد کا اثر دوسری پارٹی کے قائد کے اثر کے مساوی ہی ہوتا ہے، اس لئے وہ برابر کی قوتین اپنی اپنی جانب ممبرون کی توجہ کو جذب کرنا چاہتی ہین، اور ممبرون کی رایون مین اضطراب پیدا ہو جاتا ہے، اسی بنا پر یہ دیکھا گیا ہے، کہ ایک ممبر نے نصف گھنٹہ پیشتر جو رائے دی تھی، اب اس کے خلاف مین وہ راے دے رہا ہے گویا جس اصول کی بنا پر اس نے

پہلے رائے قائم کی تھی اس کو اب اس نے منسوخ کر دیا،

پس بیانات ماسبق سے معلوم ہوا کہ نیابی مجالس مین ممبرون کی دو قسم کی رائین ہوتی

ہین، ایک وہ جنمین تغیر نہین ہوتا اور دوسری وہ جنمین تغیر ہوتا رہتا ہے، اور چونکہ اکثر

ان مجالس کے روبرو مسائل عامہ پیش کئے جاتے ہین، اس لئے ممبران مجلس کی رایون مین

اضطراب بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ ہر ممبر دو قسم کے اثرات سے اثر پذیر ہوتا ہے، ایک

اثر تو اس پر ان لوگون کا ہوتا ہے جنھون نے اس کو منتخب کیا ہے، اور دوسرا اثر اس کے

اپنے فریق کے رئیس و قائد کا،

لیکن اکثر مسائل مین جن کے متعلق ممبرون کی پہلے سے کوئی رائے قائم نہین ہوتی

غلبہ لیڈرون ہی کو حاصل ہوتا ہے، اور ان لیڈرون کی موجودگی ایسے نازک اوقات

مین بیحد ضروری ہوتی ہے چونکہ ان کی حالت افسران فوج کی سی ہے کہ اگر یہ نہ ہون تو

جماعت کی تشکیل [illegible] بھی [illegible] ہے کہ نیابتی مجالس کے فیصلے اور تجاویز حصر

بعد و سے چند اشخاص [illegible] لیڈران اور ووٹون پر مبنی ہوتے ہین،

لیکن ان مجلسون مین مختلف پارٹیون کے لیڈرون کا جو اثر ہوتا ہے، وہ انکی

فصاحت و بلاغت کی بنا پر نہین ہوتا بلکہ زیادہ تر حصہ اس اثر کا مبنی ہوتا ہے نفوذ پر

یہان تک کہ جب ان کا نفوذ زائل ہو جاتا ہے، تو ان کا اثر بھی مٹ جاتا ہے، اور یہ نفوذ بھی

محض شخصی نفوذ ہوتا ہے، جسمین شہرت یا ثروت کو کوئی دخل نہین ہوتا ہو سیو جولیس سیمان

۱۸۴۸ع کی پارلیمنٹ کی حالت جس کے وہ ممبر تھے حسب ذیل بیان کرتے ہین:-

"لوئس نپولین، کا اثر اس کی حکومت کے دو ماہ پیشتر کچھ نہ تھا وکٹر ہیوگو جو

نہایت مشہور خطیب تھا خطبہ دینے کے لئے اسٹیج (منصہ) پر آیا لیکن

اس کو کامیابی بالکل نہین ہوئی، بلکہ اس کا لکچر لوگون نے اسی طرح
سنا جس طرح وہ فیلکس پایاٹ کا لکچر سنا کرتے تھے، البتہ وکٹر ہیوگو کے
خطبہ پر اتنے چیرز نہین دیئے گئے، جتنے فیلکس پایاٹ کے لکچر پر دیئے جاتے
تھے، فولائل مجھ سے فیلکس پایاٹ کے متعلق کہتا تھا، کہ مجھے اس کے
خیالات پسند نہین، لیکن وہ بہترین انشا پرداز اور فرانس کا بہترین
خطیب ہے، اسی طرح ایڈگر کوئینٹ باوجودیکہ بہت بڑا مفکر تھا، لیکن پارلیمنٹ
کے اندر اس کی کچھ وقعت نہ تھی، وجہ یہ تھی کہ اس کا نفوذ زائل ہوچکا
تھا، نیابی مجالس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہان فصاحت و بلاغت
کی کوئی قدر نہین ہوتی اور نہ وطنی خدمات کا اعتراف کیا جاتا ہے
البتہ صرف ان خدمات کا اعتراف کیا جاتا ہے جو احزاب سیاسی
کے خاطر انجام دیجاتی ہین، اور پارلیمنٹ مین جو قدر لامارٹین کی
۱۸۴۸ء مین اور موسیوٹیرس کی ۱۸۷۱ء مین ہوئی تھی، تو محض چند
مخصوص حالات و وجوہ کی بنا پر ہوئی، اس لیے ان حالات کے
کے بدلتے ہی اس تمام قدر و عظمت کا پتہ بھی نہ لگا،،

مین نے مندرجہ بالا اقتباس اس غرض سے نہین پیش کیا ہے کہ جو کچھ اسمین مذکور
ہے اس کا مؤید ہون، کیونکہ اس مین بہت سی باتین ایسی مذکور ہین جو علم النفس کے
نقطۂ نظر سے بالکل غلط ہین، بلکہ مین نے یہ اقتباس اس لیۓ درج کیا ہو کہ ناظرین
کو اس سے اس بات کا اندازہ ہوجائیگا کہ پارلیمنٹ مین لیڈرون کی کامیابی کیلیے
نفوذ کی کس قدر حاجت ہوتی ہے، سب سے بڑی غلطی اس بیان مین وہان پر ہے جہان پر

مذکور ہے، کہ مجالس نیابی وطنی خدمات کا اعتراف نہین کرتین، بلکہ فرقہ وار خدمتون کا اعتراف کرتی ہین حقیقت یہ ہے کہ جماعت کی حالت یہ ہوتی ہے کہ باوجودیکہ اس کو ان خدمات کا علم ہوتا ہے جو اس کے قائد نے انجام دی ہین، لیکن اسے ان فوائد اور خدمات سے کچھ غرض نہین ہوتی بلکہ محض اپنے قائد کے اثر و نفوذ کی بنا پر وہ اس کی فرمانبرداری کرتی ہے

یہی وجہ ہے کہ جب قائد کا نفوذ قوم مین بڑھجاتا ہے، تو قوم بالکل اسی کے زیر اثر اور تابع فرمان ہوجاتی ہے، ہم مین سے ہر شخص کو اس وزیر کے حالات کا علم ہوگا جس کا نفوذ کچھ سال پیشتر اس قدر بڑھ گیا تھا، کہ اس کا ایک اشارہ انقلابِ وزارت کیلئے کافی ہوتا تھا، لیکن محض اتفاقات کی بنا پر اس کا اثر بعد کو زائل ہوگیا،

ایک مشہور انشاپرداز نے اس کے اعمال پر سختی سے نکتہ چینی کی ہے جو حسب ذیل ہے:-

"فلان وزیر اعظم پر ہمارے قرضہ کا بہت بار ہے، اسی کی بدولت ہم نے تین گنے زیادہ دامون پر ٹامکن کو خریدا، مڈیگاسکر مین اسی کی بدولت ہمارا اثر زائل ہوا، اور نہر نائگر کے جنوب مین ایک پورا ملک قبضہ سے نکل گیا، اور آخر کار اسی کی بدولت مصر مین ہمارے حقوق پامال کئے گئے، غرض فلان وزیر موسیو فلان نے ہم کو جتنے نقصانات پہونچائے ہین وہ ان نقصانات سے زیادہ ہین، جو نپولین کی بدولت ہمین اُٹھانا پڑے[1]"،

مگر حقیقتِ حال یہ ہے کہ ہم کو اس فرانسیسی وزیر اعظم کے طرز عمل پر نکتہ چینی نہین کرنا چاہئے، اس لئے کہ اس وقت جو نفوذ اس کو حاصل تھا، وہ رائے عام کی تقلید کرنیکی

[1] غالباً مصنف کا اشارہ موسیو کلیمانسو کے جانب ہے جو وزیر گر مشہور تھا،

بدولت حاصل ہوا تھا، اور اس زمانہ مین فرانسیسی رائے عام کا میلان استعماری مسائل کے جانب اتنا نہ تھا جتنا اب ہے، اس لئے خواہ مخواہ اس کو بھی رائے عام ہی کی پیروی کرنا پڑتی تھی، اس بنا پر یہ جو کچھ نقصانات فرانسیسی قوم کو برداشت کرنا پڑے انکا باعث خود رائے عام تھی

نفوسِ جماعت پر تسلط اور غلبہ حاصل کرنیکے ذرائع نفوذ کے علاوہ اور بھی ہین جنکا تذکرہ ہم متعدد مقامات پر کر چکے ہین، نفوس پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے سب سے زیادہ لازمی شرط یہ ہے کہ قائد کو اس جماعت کے نفسانی حالات سے بخوبی واقف ہونا چاہئے جس پر وہ غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے، نیز اس بات سے بھی واقف ہونا چاہئے کہ الفاظ کا اثر سامعین پر کیا پڑیگا، پھر ان تمام باتون کیساتھ قائد کو قادر اللسان اور فصیح و بلیغ بھی ہونا چاہئے، تحکمانہ طرزِ خطابت سے جماعت کو مسحور کرنا لازمی ہے، مگر اس شرط سے کہ ادعا و تحکم مین دلیل و حجت کا میل تک نہ ہو، اسی قسم کی فصیح و بلیغ خطابت کے نمونے ہم کو نیابی مجالس کے خطبون مین نظر آتے ہین حتی کہ انگریزی پارلیمنٹ جسکا نظام دیگر نیابی مجالس سے زیادہ معتدل ہے، اس مین بھی ہمکو اس قسم کی مثالین ملتی ہین، ایک انگریز فلاسفر مائن کہتا ہے:-

"بہت آسانی کے ساتھ ہمکو نیابی مجالس کی تجویزون مین ایسی مثالین مل سکتی ہین جو محض خیالی کلیات و اصول پر مبنی ہوتی ہین لیکن جنکا اثر لوگون پر زیادہ ہوتا ہے، نیز ہم نہایت آسانی کے ساتھ جماعت کو چند خیالی باتون کا یقین دلا سکتے ہین جنکا حصول قریب قریب ناممکن ہے، بشرطیکہ ہم انکو مؤثرانہ انداز مین ظاہر کرین"

اقتباسِ بالا سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے، کہ مؤثرانہ طرز ادا اور کلمات

جاذبہ نفوسِ جماعت پر کتنا قوی اثر کرتے ہین، ہم یہان ایک خطبہ کا ایک جملہ
کرتے ہین جس سے ہمارے بیان کی تائید ہو گی،

ایک خطیب کہتا ہے :۔

"جس دن ایک زبردست سیاسی اور ایک سفاک انقلاب
پرست دونون کسی گرم ملک مین جلاوطن کئے جانیکی غرض سے جہاز پر
بٹھلائے گئے اس دن ان دونون کی باہمی گفتگو سے پتہ چلا کہ ان دونون کے
اصول درحقیقت ایک ہی ہین اور یہ دونون ایک ہی قسم کے نظام اجتماعی
کے گویا دو رخ اور دو نمونے ہین"

اس جملہ مین سیاسی مجرمون کی سزا کی جو تصویر کھینچی گئی ہے، اس کا مدعا یہ ہے
کہ سامعین پر جو ان سیاسی مجرمون کے گروہ سے ہین اس کا اثر پڑے اور وہ سزا کے
خوف سے اپنے خیالات سے باز آئین، روبسپیر جب اپنے سامعین کو خوف زدہ اور
مرعوب کرنا چاہتا تو اپنے پھانسی دینے کے آلہ سے لوگون کو دھمکایا کرتا،

قائدین کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اپنے خطبون مین ایسے مبالغہ کا استعمال
کرین جو عقل مین نہ آسکتا ہو، اوپر ایک خطبہ کا ایک جملہ جو مین نے نقل کیا ہے، اسمین
اس حد تک مبالغہ کیا گیا ہے، کہ حاضرین مین سے کوئی بھی اس کی مخالفت کی
جرأت نہ کر سکا، اور کسی کو یہ کہنے کی ہمت نہ ہوئی کہ جن جرائم کا ارتکاب انقلاب
پرست لوگ کرتے ہین، ان کی جانب متمول لوگ انکو ترغیب دیتے ہین، پس جس
سزا کے مستحق انقلاب پرست لوگ ہین اسی سزا کے مستحق یہ لوگ بھی ہین جو انکو ترغیب
دیتے ہین، اسیطرح خطیب کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ یکطرفہ رائے قائم کرکے مخالف رائے پر سختی

سے نکتہ چینی کرے، بلکہ اگر وہ اس ضمن مین اپنی مخالف راے کی ہجو کرے تب بھی سامعین متأثر ہوجائین گے، اور بحث و مناظرہ کی ان کو جرأت نہ ہوگی،

گو اس قسم کی فصاحت و بلاغت کے نمونے نیابی مجالس مین ہمکو ہر زمانے مین نظر آتے ہین، لیکن خصوصیت کیساتھ ان مجالس مین فصاحت و بلاغت کا استعمال عصبیت یا انقلاب کے زمانہ مین زیادہ کیا جاتا ہے، اگر خطیبانہ فصاحت و بلاغت کے نمونے دیکھنا ہون تو خصوصیت سے ان خطبون کا مطالعہ کرنا چاہئے جو انقلاب انگیز مجمعون کو مخاطب کرکے دیئے گئے ہین، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ کس طرح خطیب ظالمون کو گالیان دیتا ہے، کس طرح وہ لوگون سے قسمین دے دیکر کہتا ہے کہ " زندہ رہو آزاد رہکر، ورنہ عزت کی موت مرجاؤ،، اور حاضرین ہین کہ دم بخود کھڑے ہوئے مجنونون کیطرح تالیان پیٹ رہے ہین،

کبھی ایسا ہوتا ہو کہ قائد نہایت ذہین و ذکی اور عقلمند ہوتا ہے، لیکن ذہانت و ذکاوت، قائد کے لئے سم قاتل ہوتی ہے، اس لئے کہ ذہین شخص مناظرہ اور مباحثہ کا عادی ہوتا ہے، وہ خطبہ دیتے وقت عقلی دلائل پیش کرنے لگتا ہے، حالانکہ اس سے لوگون کے عقیدہ مین فرق آجانیکا اندیشہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عموماً تمام قومون کے قائدین خصوصاً واقعۂ انقلاب فرانس کے قائدین کم فہم ہوئے ہین، ان لوگون کے خطبون خصوصاً روبسپیر کے خطبون کے مطالعہ سے قلب پر ایک دہشت سی طاری ہوجاتی ہے، اور اس کی انشاپردازی سے انسان مسحور ہوجاتا ہے، ایک شخص نے روبسپیر کے خطبون کی تعریف حسب ذیل الفاظ مین کی ہے:-

"الفاظ مین کہ زبان سے نکلے جاتے ہین اور فصاحت کا ایک دریا ہے،

جو روانی کے ساتھ بہ رہا ہے، لیکن الفاظ مین طفلانہ دھمکیون

اور تحکمانہ طرز ادا کے سوا کچھ نہین ہے سارے خطبہ مین نہ کہین کسی رائے
کا پتہ ہے اور نہ کسی معقول تجویز کا، لیکن باوجود اس کے خطبہ کے مطالعہ
کے بعد بے اختیار اسی طرح زبان سے اف نکل جاتا ہے، جس طرح ایک
ظریف الطبع شخص کا میل ٹوی مولنس کی زبان سے نکلتا تھا،،

حاصل یہ کہ گو یہ ایک الم ناک بات ہے کہ ایک شخص جو نہایت کم فہم مگر صادق العقیدہ ہے، اس کو لوگون پر نفوذ حاصل ہو جائے، لیکن ہمیشہ ہوتا یہی رہا ہے کہ جماعتین اسی طرح کے کج فہم لوگون کے زیر فرمان رہی ہین، جماعت کو اپنے لیڈرون کی کچھ ایسی شناخت ہوتی ہے کہ وہ صاحب نفوذ شخص کو خود بخود تلاش کر لیتی ہے،

پنانچہ مجالس مین خطیب اپنا اثر جو قائم کر لیتے ہین، تو براہین و دلائل کے بل پر نہین بلکہ صرف نفوذ کی قوت پر اور جب انکا نفوذ زائل ہو جاتا ہے، تو پھر ان کو کوئی نہین پوچھتا اور نہ ان مین یہ قدرت باقی رہتی ہے، کہ لوگون کی رائے پلٹ دین،

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مجہول الحال خطیب گھر سے خطبہ تیار کر کے اور براہین کے اسلحہ سے مسلح ہو کر پارلیمنٹ کے جلسہ مین شرکت کی غرض سے جاتا ہے تو اس کے خطبہ کو کوئی کان دھر کر نہین سنتا، موسیو ڈیکوب جو پارلیمنٹ کا ممبر اور علم النفس کا ایک بہترین ماہر ہے ایک مجہول الحال خطیب کے لکچر دینے کا واقعہ حسب ذیل بیان کرتا ہے:۔

،،جب فلان غیر معروف خطیب لکچر دینے کے لئے کھڑا ہوا تو وہ اثنائے
خطبہ مین برابر یاد کر کے دلائل و براہین پیش کرتا جاتا تھا، اور اپنے دل
مین سمجھ رہا تھا، کہ وہ یقیناً دلائل و براہین سے اپنے دعوے کو مدلل
کر کے لوگون کے ذہن نشین کر دیگا، کیونکہ اس نے بڑی محنت سے

وہ خطبہ تیار کیا تھا اور اپنے دعوی کے ثبوت مین ایسے ایسے دلائل تحریر کئے
تھے جو اس کے خیال مین لاجواب تھے، لیکن اس کو سخت حیرت ہوئی
جب اس نے دیکھا کہ لوگ اس کے خطبہ سے پریشان ہو کر شور مچانے لگے
مین، وہ بیچارہ سخت حیران تھا، کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ یکبارگی لوگون کو یہ تشویش
کیون پیدا ہوگئی، اور لوگ کیون اس کا خطبہ نہین سنتے، یہ خیالات باربار
اس کے ذہن مین آتے، اور وہ پیشانی پر سے گھڑی گھڑی پسینہ خشک کرتا
یہان تک کہ مجبور ہو کر بیچارہ خاموش ہو گیا لیکن صدر جلسہ کے حکم پر دوبارہ
اس کو اپنے خطبہ کا سلسلہ پھر جاری کرنا پڑا، اب دوبارہ اس نے بلند آواز سے
خطبہ شروع کیا، لیکن اس مرتبہ پہلے سے زیادہ لوگون مین اضطراب پیدا
ہوا، یہ دیکھکر اس نے مجبوراً اپنے خطبہ کو ادھورا چھوڑ دیا اور بیٹھ گیا،

نیابی مجالس کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے، کہ جب کوئی تحریک پیدا ہوتی ہے یا جب کوئی
عامل اپنا اثر ڈالتا ہے، تو دیگر جماعتون کی طرح ان مجالس کے اندر بھی سخت اضطراب اور ہیجان
پیدا ہو جاتا ہے، اور دیگر جماعتون کی طرح اس مجمع سے بھی تعصب اور اثر پزیری کے جذبات
ظاہر ہونے لگتے ہین، اس وقت مجلس کے ہر ممبر کی شخصیت مین تغیر عظیم ہو جاتا ہے، یہان تک
کہ بعض اوقات ممبر ایک نیم شعوری کی کیفیت سے متاثر ہو کر اپنے ذاتی مصالح و منافع کے
خلاف بھی اظہار رائے کر دیتے ہین،

واقعہ انقلاب فرانس کے زمانہ مین جو کمیٹیان منعقد ہوتی تھین، انکی روئدادین
اور حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ مجالس نیابی مین جب کسی قسم کی تحریک پیدا
ہوتی ہے تو ان مجالس اور کمیٹیون کے ممبر ایک [illegible] ری کیفیت سے متاثر ہو کر اپنے

حصولِ مقاصد کے پیچھے کس طرح سرگردان ہوجاتے ہین، دیکھو اپنے شخصی امتیازات اور مصالح کی قربانی کس قدر مشکل کام ہے، لیکن اس واقعہ مین امرا نے ایک موقع پر جس طرح اپنے مصالح کی قربانی کی ہے، اس کی نظیر کسی دوسری تاریخ مین نہین ملتی، باوجودیکہ وہ یہ جانتے تھے کہ جس طرح آج دوسرون کو پھانسی دیجارہی ہے اپنے اپنے حقوق و مصالح کی قربانی کرنے کے بعد ہم بھی اسی طرح کل دار پر نظر آئینگے، لیکن وہ ایک عامل قوی سے اثر پذیر ہوکر اس طرح بیخود ہوگئے تھے، کہ اپنے مقاصد کے مقابلہ مین ان کو اپنی جان و مال تک کی پروا باقی نہ رہی تھی، اور جو خیال ان کے ذہنون مین پختہ ہوچکا تھا، اس کے خاطر وہ تن من دھن قربان کرنے پر تیار تھے، اس گروہ کا ایک شخص بیلاڈ و برنیس کہتا ہے کہ ہم کو اپنی تجاویز پر عمل کرنے کا خیال گو صرف دودن پیشتر پیدا ہوا تھا، لیکن کوشش و جانفشانی نے ہم سے سب کچھ کرا دیا،

ان تجاویز اور قرار دادون کو پاس کرنیکے لئے، اس زمانہ مین جو جلسے منعقد ہوئے اور ان مین جس قدر جوش و خروش کا اظہار کیا گیا اس کی تفصیل انقلابِ فرانس کے فلسفی مؤرخ موسیو ٹائن کی زبان سے سنو، موسیو ٹائن لکھتے ہین :-

"ان لوگون نے تمام تجاویز مکمل کرکے ان پر عمل شروع کردیا اور حماقت بلکہ جنون کی بھی حد سے گذر گئے، دوست دشمن سب دار پر لٹکا دیئے گئے، بلکہ تمام پارٹیون نے متفق ہوکر جیرز کی آوازون کی گونج کیساتھ نہایت خوشی سے یہ طے کیا کہ ڈانٹن جو انقلاپ فرانس کا لیڈر تھا ضرور بضرور دار پر کھینچا جائے، اِدھر تو سفاکی اور بے رحمی کی یہ مثالین پیش کیجارہی تھین اور اُدھر کو لوٹ دی سہ ہیس، کو تھن اور روبسپیر حد سے زیادہ نظر

عنایت مبذول ہو رہی تھی، اب ان لوگون نے نئے سرے سے پھر انقلابی حکومت کا ایک جدید انتخاب کیا، اور ایک ایسی حکومت قائم ہوئی جس کے ممبر سخت ظالم اور سفاک تھے، بچہ بچہ کو اس سے دشمنی تھی اور کوئی فرد بشر ایسا نہ تھا جو ان کے حرکات سے نالان نہو، آخر مظلومون کی فریاد سنی گئی اور اس مہینہ کی ۲۲ تاریخ کو اس حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا، اور اس کے افراد ایک ایک کر کے قتل کر ڈالے گئے"

نیابی مجالس سے بھی اسی قسم کی حرکات اس وقت صادر ہونے لگتی ہین جب کسی قومی ہیجان کے اثر سے وہ متاثر ہو جاتی ہین، موسیو اسپولر جو نظام نیابی کا بہت بڑا مؤید ہے، ۱۸۴۸ء کی پارلیمنٹ کے متعلق حسب ذیل ریمارک کرتا ہے:۔

"بغض وحسد، بیجا اعتماد، اور بے انتہا خیالی اُمیدین، یہ باتین ہین جو جمہوریت پسند گروہ کو فنا و موت کی جانب جا رہی ہین، اس گروہ کی سادہ لوحی کی بھی کوئی حد ہے، کہ نہ اس کو قانون کی پروا ہے، اور نہ نظام وصلاح کا مفہوم اس کے ذہن مین آتا ہے، بیجا خیالی اُمیدین قائم کرنے اور دلیری اور وحشت مین انکی حالت دیہاتیون اور بچون کی حالت سے بالکل مشابہ ہوتی ہے کہ حالتِ سکون مین اضطراب شدید اور حالتِ اضطراب مین اطاعت وانقیاد کے متضاد جلوے نظر آتے ہین جو غیر تربیت یافتہ دماغ کی شان ہوتی ہے، اس قسم کے دماغون کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ وہ ہر بات سے حیرت زدہ ہوتے، سیدھے اور صحیح راستے سے گھبراتے، اور اقدام وشجاعت کے ساتھ اگر آگ بھی ہو تو اس مین کود پڑتے ہین، نسیان وذہول کی

استعداد ان مین زیادہ پائی جاتی ہے، اور وہ اپنے اعمال و افعال مین
افراط و تفریط کی جانب زیادہ مائل ہوتے ہین، غرض ان کی حالت پانی
کی سی ہوتی ہے جسمین ہر طرح کی صورتین اتر آتی ہین، بتاؤ اس حکومت سے
کس بات کی اُمید رکھی جائے جسکی تشکیل اس قسم کے افراد سے ہوئی ہو"

اب یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مجالس نیابی کی حالت یہ ہو کہ ایک ذرا سی تحریک پر شرکائے مجلس آپے سے باہر ہو جاتے ہین تو ایسی حالت مین اعضائے مجلس کے اوسان کہان برقرار رہ سکتے ہین، حالانکہ ہم یہ دیکھتے ہین کہ ان مجالس مین بعض اوقات مفید اصلاحی تجویزین بھی پاس ہوتی ہین لیکن اس کا جواب یہ ہے، کہ مجالس نیابی سے ہر زمانہ مین اثر پذیری اور ضعف عقلی وغیرہ کا اظہار نہین ہوتا، ان اوصاف کا اظہار ان مجلسون سے صرف اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی مہیج شدید دفعۃً رونما ہوتا ہو، باقی ان مجالس کی غالب حالت تو یہ ہوتی ہے کہ ان مجلسون کے ہر ہر فرد کی شخصیت علی الاستقلال باقی رہتی ہے، اور شعور تام کی حالت مین جو تجاویز وہ پاس کرتے ہین، وہ نہایت درجہ مفید اور ضروری ہوتی ہین، ہان البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ اس قسم کی تجویزون پر غور و فکر کرنیوالا دماغ ایک ہی ہوتا ہے، قانون مجلس نہین وضع کرتی ہو، بلکہ قانون ایک ہی دماغ کی کاوش اور جانفشانی کا نتیجہ ہوتا ہے، لیکن جب یہ قوانین مجلس کے اندر پیش کئے جاتے ہین، اور شرکائے مجلس انہین ترمیم و تنسیخ کرتے ہین، تو اس وقت ان قوانین مین نقصانات پیدا ہوتے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ ہر مجلس کا سکریٹری مضر تجویزون کے اثر سے اپنی مجلس کی حفاظت کرتا ہے اور گویا سکریٹری کی حالت جماعت کے قائد سے مشابہ ہوتی ہو جو مجلس پر قائد کی حیثیت سے حکومت کرتا ہو، بلاشبہہ نظام نیابی ایک ایسا طرز حکومت ہے، جسکی بدولت شخصی مظالم سے لوگون کو

امن حاصل ہوتا ہے، اور لوگ اپنے اوپر آپ حکومت کرنے کے عادی ہوتے ہین، اور خواہ عام آدمیون کے ذہنون مین یہ طرزِ حکومت کتنا ہی بیوقعت ہو، لیکن کم ازکم فلاسفہ کے نزدیک تو ثابت ہو چکا ہے کہ نظام نیابی سے بڑھکر طرزِ حکومت کی کوئی ترقی یافتہ صورت نہین ہو سکتی،

لیکن باوجود ان سب باتون کے اگر نظام نیابی کو عملی حیثیت سے دیکھا جائے تو اس طرزِ حکومت مین دو بڑی خرابیان نظر آئین گی،

(۱) مال کا بیجا اصراف،

(۲) حریت شخصی کی تحدید،

ان دو نقائص مین سے پہلا نقص اس طرزِ حکومت مین اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ منتخب شدہ جماعتِ نائبین ہر اس تجویز کی تائید کرتی ہے جو مجلس مین پیش کیجاتی ہے مثلاً اگر کوئی ممبر اس مضمون کا رزولیوشن پیش کرتا ہے، کہ مزدوری پیشہ جماعت کی شرح اجرت مقرر کردیجائے، یا بعض عہدے دارون کی تنخواہ مین اضافہ کردیا جائے، تو دوسرے ممبر باوجودیکہ جانتے ہین کہ اب میزانیہ (بجٹ) مین ان اخراجات کی گنجایش نہین، مگر جان بوجھ کر ان تحریکات کی مخالفت نہین کرتے، کیونکہ ان کو یہ خوف لگا رہتا ہے، کہ جن لوگون نے ان کو ممبر منتخب کرکے پارلیمنٹ مین بھیجا ہے، وہ بدظن ہو کر یہ خیال نہ کرنے لگین کہ یہ لوگ ہمارے مصالح کا لحاظ نہین کرتے، اب ممبرون کو دو مشکلون کا سامنا ہوتا ہے اگر وہ اپنی قائم مقامی کا خیال کرتے ہین، تو اخراجات کا اضافہ ہوتا ہے، اور اگر اخراجات اور بجٹ کا خیال کرتے ہین تو قوم ان سے بدظن ہوئی جاتی ہے، لیکن چونکہ کثرتِ اخراجات کے نتائج عام لوگون کی نظرون سے اوجھل رہتے ہین، اس لیے شرکاء مجلس اس قسم کی تحریکات کی تائید مین اپنی رائے پیش کردیتے ہین،

پھر سب سے زیادہ مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب مقامی ضرورتون کیلئے کثیر اخراجات کی تحریک کی جارہی ہو، اور چونکہ مقامی ضرورتون کا تعلق خود ان لوگون سے ہوتا ہے جنھون نے قائم مقام منتخب کرکے بھیجے ہین، اس لئے ان ضرورتون کی بنا پر قائم مقامون کو کثیر اخراجات برداشت کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے[1]،

---

[1] اخبار ایکانومسٹ نے ۱۷۔ اپریل ۱۹۵۵ء کی اشاعت مین ایک دلچسپ مضمون اُن کثیر اخراجات کے اوپر لکھا ہے جو مقامی ضرورتون خصوصاً ریل اور وسایل آمدورفت کی سہولتون اور ترقی کے لئے حکومتین برداشت کرتی ہین، اس مضمون کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔ لانگو (جس کی آبادی تین ہزار نفوس ہے) اور پوئی کے درمیان ۱۵ ملین مین ریل تیار ہوئی ہے، اسی طرح بومون (جس کی آبادی ۳۵۰۰ نفوس ہے) اور کاسٹیل سارزان کے درمیان ۷ ملین مین، اور راوسٹ (جس کی آبادی ۳۲۵ نفوس ہے) اور سکیس (جس کی آبادی ۱۲۰۰ نفوس ہے) کے درمیان ۷ ملین مین، اور براڈ اور راولیت (جس کی آبادی ۷۴۷ نفوس ہے) کے درمیان ۷ ملین مین، اسی طرح ۱۹۵۵ء مین جن جدید ریلون کی تیاری منظور ہوئی ہے، اور جن کا بنانا بالکل بے کار ہے ان کے اخراجات ۹۰ ملین ہون گے، اس کے علاوہ مزدوری پیشہ جماعت کی شرح اجرت کے متعلق جو قانون پاس ہوا ہے اس کی تنفیذ کیلئے وزیر مال کے اندازہ مین ۱۷۵ ملین اور لوروا بولیو ممبر سائنٹفک سوسائٹی کے اندازہ مین ۸۰۰ ملین کی منظوری درکار ہوگی، یہ حالت ان کثیر اخراجات کی ہے جو عموماً بلاد یورپ مین بے فائدہ برداشت کئے جارہے ہین، اور جن کے باعث بعض ممالک مثلاً پرتگال اسپین، ٹرکی وغیرہ تو بالکل مفلس ہو چکے ہین، اور بعض ممالک مثلاً اٹلی مین افلاس پھیلنا شروع ہوگیا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ قومین ان کثیر اخراجات کو برداشت کرکے قرضہ اور سود کی مقدار کو اپنے اپنے بجٹ مین برابر بڑھا رہی ہین، ان مصائب کے علاوہ مذہب اشتراکیت کی آفتین اور اقتصادی منازعات ہمارے جسمون کو اور گھلائے دیتے ہین، لیکن اب افسوس کرنا بیکار ہے، اب وقت گذر چکا اور مستقبل مین جو کچھ ہوگا اس کے لئے ہم کو تیار رہنا چاہیئے، (مؤلف)

دوسرے ضرر یعنی تحدید حریت کی حالت یہ ہے کہ گو اس مین روزانہ اضافہ ہوتا جارہا ہے لیکن مجالس نیابی کے نزدیک چونکہ روزانہ قوانین کے وضع کرنے کی ضرورت ہے اس لئے کسی کے ذہن مین یہ نہین آتا کہ ان جدید قوانین کے وضع کرنے سے جو کچھ آزادی عمل ہمین حاصل تھی، وہ بھی سلب ہوجائیگی[1]،

انگلستان کی نیابی مجلس (پارلیمینٹ) تمام ملکون کی نیابی مجالس سے زیادہ آزاد ہے، اور اس مین ہر ممبر کی آزاد مستقل حیثیت برقرار رہتی ہے لیکن باوجود اس کے وہ بھی ان مضرات کے دفع کرنے سے قاصر ہے،

ہربرٹ اسپنسر جو انگلستان کا ایک مشہور فلسفی ہوا ہے اس نے مدت ہوئی اپنی کتاب "افراد اور حکومت" مین اس مسئلہ کو نہایت وضاحت سے لکھا تھا، اس کے بعض جملون کا اقتباس مین ناظرین کی ضیافت طبع کیلئے پیش کرتا ہون، وہ لکھتا ہے :-

"تشریع اور قانون سازی کا جو طریقہ ہمارے ملک مین مدت سے رائج ہے، اس کا ایک مضر پہلو یہ ہے کہ لوائح (رزولیوشن یا قوانین) اور تعدیلات (ترمیمات) کی کثرت کی وجہ سے حریت شخصی

---

[1] یہ حالت تو فرانس کی ہے، لیکن غریب ہندوستان کی حالت اس بارے مین فرانس سے زیادہ قابل رحم ہے، انگریزون نے ہندوستانیون کی مشق اور تمرین کیلئے مختلف صوبون مین جو کونسلین قائم کی ہین وہ صرف اس غرض سے قائم کی گئی تھین کہ ہندوستانی خود اپنے لئے قوانین وضع کرین گے جو انکی ضرورتون کے مطابق ہون گے لیکن اب ملکی نامزد شدہ قائم مقامون کے علی الرغم روزانہ جدید قوانین وضع کئے جاتے ہین، اور ملک استبداد کی مصیبت مین مبتلا ہے، یہ وہ اصلاحی تجویز ہے جو انگریزی نقطۂ خیال سے ہندوستان مین سلف گورنمنٹ کیلئے راستہ صاف کررہی ہے، (مترجم)

کے حدود تنگ ہوتے جارہے ہین،

(۱) ہر سال ایک جدید قانون نافذ کیا جاتا ہے، جو جدید فرائض و واجبات (جن سے پہلے آزادی تھی) لوگون پر عائد کر دیتا ہے،

(۲) ہر روز نئے نئے ٹیکس وضع کئے جاتے ہین، اور اس طرح لوگون کو روزانہ اپنے مال مکسوبہ کی کثیر مقدار سے محروم کر دیا جاتا ہے، اور یہ سارا روپیہ عہدہ داران حکومت پر صرف ہوتا ہے"

نظام نیابی کی ان دو مضرتون کے علاوہ جو ہربرٹ اسپنسر نے بتائی ہین، ایک بڑی مضرت اور ہے جو تمام ممالک مین مصیبت عظمہ کا پیش خیمہ ہے، اور وہ یہ ہے، کہ ان نئے نئے قوانین کی وجہ سے روزانہ ان عہدہ دارون کی تعداد مین اضافہ ہوتا جارہا ہے جو ان قوانین کی تنفیذ کے لئے مقرر کئے جاتے ہین، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ اس قسم کے عہدہ دارون کو ملک کی حقیقی حکومت سپرد کر دیجاتی ہے، اس گروہ کی حکومت نہایت ظالمانہ ہوتی ہے، اور اس کے اعمال و افعال کی کوئی بازپرس نہین کرتا، دیکھو یہ کتنا شدید استبداد ہے، کیا اس سے بڑھکر کوئی استبداد ہو سکتا ہے؟

غرض جدید قوانین کا اضافہ اور کثیر اخراجات جن کا بار ٹیکس کی صورت مین رعایا اور قوم پر ڈالا جاتا ہے، یہ مضرتین ہین جن کے باعث افراد کا دائرۂ عمل محدود ہو گیا ہے، اور افسوس کہ قومین ابتک یہ سمجھی بیٹھی ہین کہ نظام نیابی حریت و مساوات کا کفیل ہے، افسوس ان کو یہ نہین سوجھتا کہ نظام نیابی ایک بڑی مصیبت ہے جو استبداد مین قومون کو مبتلا کر رہی ہے، اور یہ استبداد شخصی استبداد سے بڑھکر ہے،

لیکن جو کچھ ہو، اب تو بجز اس کے کوئی چارہ نہین کہ ہم نظام نیابی اور موجودہ

طرزِ حکومت کی اتباع کرین، کیونکہ اب اس نظام کے استبداد کو برداشت کرتے کرتے
کچھ ہم اس طرح کے عادی ہوگئے ہین کہ ملکۂ انتقاد اور ملکۂ اقدام ہم سے مفقود ہوچکا ہے،
اور یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان اپنے ذاتی اخلاقِ فاضلہ کو کھو بیٹھتا ہے، تو وہ دوسرون
مین ان کے دیکھنے کی تمنا کرتا ہے، اس بنا پر جب افراد کا ارادہ سلب ہوچکا اور ان کی
قوتِ عزمیت فنا ہوگئی، تو بداہتہً جماعت کی قوت و سطوت مین اضافہ ہوگیا، اور افراد
کا ارادہ جماعت کے ارادہ مین ضم ہوکر بالکل فنا ہوگیا، اب وہ اعمال جو پہلے افراد کی قوت
سے انجام پاتے تھے بجائے افراد کے جماعت کی قوت سے انجام پانے لگے، اور بجائے
افراد کے جماعت تمام اعمال کی نگران اور محافظ بن گئی، اب جماعت گویا قادرِ مطلق
معبود ہے جو انسان پر حکومت کر رہی ہے، لیکن تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس قسم کے
معبودون کی حکومت چندروزہ ہوتی ہے،

جن قومون مین افراد کی حریت ارادی سلب ہوگئی ہو، ان کے متعلق یقین رکھو
کہ اب ان کا دورِ انحطاط شروع ہوگیا ہے، اور بہت جلد یہ قومین فنا ہوجانیوالی ہین،
اس بنا پر جب ہم اقوام کے دورِ ماضی اور حال کا مقابلہ کرتے ہین، تو ہمکو نظر آتا ہے، کہ
علاماتِ انحطاط نے ہمارے تمدن کو چارون طرف سے گھیر لیا ہے، فنا کی علامتین نظر
آرہی ہین، اور یورپ کی تباہی کا زمانہ قریب آگیا ہے، اور ہم ایک ایسے دور مین سے
ہوکر گذر رہے ہین جو ہم کو فنا و موت کے جانب لئے جا رہا ہے،

اوراقِ بالا مین نفسِ اجتماعی کے مظاہر کی تشریح ختم ہوگئی، اب ہم چاہتے ہین،
کہ گذشتہ بیانات کا خلاصہ درج کرکے کتاب کو ختم کردین،

• یہ معلوم ہے کہ ہر قوم کو دو دورین سے ہوکر گذرنا لازمی ہے :- دورِ ترقی

اور دورِ انحطاط، لیکن سوال یہ ہے کہ قومون کی ترقی اور تنزل کے اسباب کیا ہوتے ہین، ذیل مین ہم مجملاً اس سوال کا جواب دین گے،

سب سے پہلے ہم کو چند ایسے لوگون کا مجمع نظر آتا ہے، جو ہجرت یا فتوحات کی بنا پر کسی ملک مین مجتمع ہو جاتے ہین، ان کی زبانین مختلف ہوتی ہین، ان کے رسوم و رواجات جدا جدا ہوتے ہین، اور ان مین کوئی رابطۂ اتحاد نہین نظر آتا بجز اس ایک رابطے کے اس گروہ کا ایک رئیس ہوتا ہے جو سارے گروہ کو باین ہمہ اختلاف و تشعب مجتمع کئے رہتا ہے، شجاعت و اقدام اس گروہ کی سرشت مین داخل ہوتے ہین اور قوت و توحش سے اس گروہ کا خمیر ہوتا ہے،

فرض کرو کہ ایک مدت گذر گئی اور وہ گروہ اپنے اسی حال پر تھا کہ دفعۃً ماحول کے تغیرات اور اجتماعی ضروریات کے تقاضے سے اس گروہ کے جو اجزا اور عناصر باہم منفصل تھے، وہ پیوستہ ہو گئے، اور اس گروہ کے تمام افراد مین ایک گونہ ارتباط و اختلاط پیدا ہو گیا، اور اس اختلاط و ارتباط کے پیدا ہوتے ہی اس گروہ مین ان اوصاف کا بھی وجود ہو گیا جو علم النفس کے نقطۂ نظر سے جماعت کے خصائص ہین، یہ دوسرا دور ہے جہان آکر ایک منتشر گروہ منتظم جماعت کی صورت اختیار کرکے دورِ تمدن مین قدم رکھتا ہے،

لیکن ابھی اس جماعت کی حالت اتنی درست نہین ہوئی ہے کہ وہ وحشی سے متمدن ہو جائے، ابھی اس کو ایک نقص کی تکمیل کرنا ہے، اور وہ نقص یہ ہے کہ ابھی اس کا کوئی خاص مقصد متعین نہین ہوا جس کے حاصل کرنے کی اس کو کوشش کرنا چاہیے اس لئے ابھی اس پر حالتِ جمود طاری ہے، اور مقصد کے متعین ہونے کے لئے ایک

مدت درکار ہے، اب فرض کرو کہ رفتہ رفتہ اس کا مقصد بھی متعین ہوگیا، اور اب وہ جوش و قوت سے بھرپور ہے،

اب دورِ تمدن کا آغاز ہوتا ہے قوم اپنے مقصد کی تکمیل و تحصیل کے درپے ہوتی ہے اور قومی ضروریات کے مطابق اس قوم کے عقائد اور اس کے علوم و فنون وغیرہ کی تدوین کیجاتی ہے، اور دنیا کی قومون کی صف مین یہ قوم صدر نشینی کا اعزاز حاصل کرلیتی ہے، اس اثنا مین گو بعض جدید مصائب بھی اس کو پیش آتے ہین، جو اس کی حالت مین تغیر پیدا کردیتے ہین لیکن یہ تغیر صرف وقتی ہوتا ہے، اور اس کی قومی روح کو ان حوادث و مصائب سے کوئی صدمہ نہین پہونچتا،

لیکن اب یہان آکر زمانہ کی قوت ایجادی ختم ہوجاتی ہے، اور اس کی قوت اعدامی کا ظہور ہونے لگتا ہے، اور تمدن قوت شوکت کی ایک حد معین پر پہونچکر رُکجاتا ہے، یہ قوم کا دورِ توقف ہے، اس دور کے ختم ہونیکے بعد قوم کا دورِ شیخوخیت شروع ہوتا ہے، جس کے بعد فنا و موت لازمی ہے،

فنا و موت سے گو کسی قوم کو مفر نہین لیکن ساعتِ موت اکثر اس وقت آتی ہے جب قوم کے مقصد معین مین ضعف پیدا ہوجاتا ہے، جبتک قوم کا یہ تخیل قوی تھا، اس وقت تک قوم کے قوا و اعضا قوت سے بھرپور تھے، لیکن جہان اسمین ضعف پیدا ہوا، بس قوم کے قوائے عمل شل ہوگئے، سیاست و مذہب کے قصور عالیہ ایک دم زمین پر آرہے، اور قومی موت کی ساعت موعود آن پہونچی،

جب کسی قوم کے تخیل اور مقصد معین مین ضعف آجاتا ہے تو اس کی قوت امتزاجی فنا ہوجاتی ہے، افراد کی شخصیت مضمحل اور قوم کے قوائے عمل شل ہوجاتے ہین،

اور گو اس وقت دماغی قوتون مین حیرت انگیز طاقت آجاتی ہے، لیکن اسی وقت سے نظامِ اخلاق کا زوال اور عملی طاقت کا فقدان بھی شروع ہوجاتا ہے، جو دورِ انحطاط و تنزل کی نشانیان ہین، اس وقت قومی کالبد قالب بیجان ہوکر رہجاتا ہے، اندر دیکھو تو کچھ نہین لیکن، ظاہری حالت زندگی کا ثبوت دے رہی ہے، یہی وقت ہوتا ہے جب قومی نظام درہم وبرہم ہوجاتا ہے، افراد اپنا ذاتی استقلال کھو بیٹھتے ہین، امیدین اور تمنائین دل ہی دل مین پیدا ہوتی اور مٹتی ہین، تمدن کے ستون منہدم ہوجاتے ہین، اور دورِ وحشت لوٹ آتا ہے، اور گو اس وقت قوم کی ظاہری شان سے یہ گمان ہوتا ہے کہ قوم اپنے شباب پر ہے، لیکن حقیقت مین اس وقت قوم کی حالت یہ ہوتی ہے، کہ اس کے اعضا و جوارح مین ضعف پیدا ہوچکا ہے، اس کی روح کو دیمک چاٹ گئی ہے، اور قوم ایک خشک درخت کے مانند ہوگئی ہے، جو ہوا کے ایک جھونکے سے زمین پر آرہتا ہے،

غرض قومین ایک خیال اور ایک مقصد کے درپے ہوکر دورِ وحشت سے دورِ تمدن تک ترقی کرتی ہین، اور دورِ تمدن کے بعد ان پر انحطاط طاری ہوتا ہے پھر جب ان کا مقصد معین کمزور ہوکر فنا ہوجاتا ہے، اس وقت وہ خود بھی نذرِ اجل ہوجاتی ہین، یہ ہے ناموس الٰہی جو تمام اقوامِ عالم پر مسلط ہے،